هو الباقی

حقیقت ہائے نگارش خداداد است
این اداہا نیست جیدہ روزن روما است

قیمت مجلد

عہ

۸

منضبطہ مولوی الہ دین غفر اللہ لہ مشہور عیشی محمد

سال ۱۳۱۲

بار اول

یا طالب العفو ہذا یوم عاشوراء
حضرات انبیاء نے آج شفا پایا
عفو حاصل کیا —

یا رب بمدرسالہ رسول الثقلین
یا رب بغزا کنندہ بدر و حنین
عصیان مرا دو حصہ کن در عرصات
نصفے بحسن بخش و نصفے بحسین

بعجز اری الحمد مصطفیٰ
و بعجز بنی خلق خدا دیدنا
جن اس رضا شد ز الٰہی
رضا د بجد الحمد مصطفیٰ رضا

(رجسٹری شدہ)

سیرۃ الحسین علیہ السلام

یعنے

شہید کربلا امام ہمام حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام

کے

حالات زندگی

مؤلفہ

سید عاشق حسین صاحب سیماب صدیقی وارثی اکبرآبادی

باخذ جملہ حقوق

قلم الفقیر الحاج ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی

پنڈی بہاؤالدین

نے

صرف روزقوم اشبونت پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپا

حیات خدیجۃ الکبریٰ رضؓ

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بیوی تھیں۔ عورتوں میں سب سے اول آپؓ ایمان لائیں۔ آپ نے اپنا تن من دھن سب کچھ اس داعی صادق پر قربان کر دیا۔ جسکے نام میں ہم لوگوں کی بیماریوں کی شفا اور حاجتوں کی قضاء ہے۔ آپ کو یہ شرف حاصل تھا کہ انکی زندگی میں حضرت رسالتمآب نے دوسری شادی نہ کی۔ اسلام سے پہلے اگر رسول خدا قریش میں امین کے لقب سے ملقب تھے تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ طاہرہ کے خطاب سے مخاطب کی جاتی تھیں اس پاک بی بی کے مقدس حالات جسقدر سبق آموز ہو سکتے ہیں وہ کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ مولانا سید عاشق حسین صاحب سیماب وارثی اکبر آبادی نے اس اہم ضرورت کو پورا کیا ہے اور آپ کے حالات زندگی میں یہ جامع کتاب لکھی جس کی نظیر کم سے کم اردو زبان میں اس سے پہلے نہیں۔ شروع کتاب میں مزار حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کا فوٹو بھی لگا دیا گیا ہے۔ قیمت بلا جلد ۱۲؍ مجلد ولایتی کپڑے کی جس پر کتاب اور مصنف کا نام سنہری حرفوں سے چھپا ہو گا صرف ۱؍ علاوہ محصول ڈاک +

ملنے کا پتہ

منیجر رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین (ضلع گجرات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین


فوٹو مشہد مبارک حضرت امام حسین علیہ و علیٰ آبائہٖ و اجدادہ الصلوٰۃ والسلام
حسب فرمایش قائم الفقرا ملک محمد الدین زمیندار ملک کارخانہ صوفی تبجیات پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تمہید

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ؕ

تہمتِ قتل مٹائے سے نہیں جانے کی
خونِ ناحق مرا سُرخی ہے ہر افسانے کی

میں جس کتاب کو آج لکھنے بیٹھا ہوں وُہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں صبر و تحمل۔ توکل و صداقت غربت و بیکسی اور استقلال و استحکام طبیعت کی جیتی جاگتی تصویریں صُورت طراز ہیں۔ اور جس کے ورق ورق اور صفحہ صفحہ پر فطرت الٰہی کے نقشے کھچے ہُوئے ہیں۔ اس کتاب میں سید الشہدا امام الثقلین سیدنا حضرت امام حسین علیہ السّلام کی لائف پر پُوری روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور آپ کی ولادت سے شہادت تک کے تمام واقعات مستند و معتبر تواریخ سے اخذ کر کے صاف اور سُتھری زبان میں جمع کئے گئے ہیں۔

حالاتِ شہادت میں سینکڑوں کتابیں اب تک چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اُن کی موجودگی میں اس کتاب کی ضرورت کیا تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ واقعاتِ شہادت کو انشا پردازانِ ہند کی رنگ آمیزی اور مُبالغہ طرازی نے کچھ ایسا گنجلک بنا دیا ہے کہ صحیح حالات کا پتہ لگانا بہ امعانِ نظر بھی مشکل نظر آتا تھا۔ واقعات کو دقیق اور حالات کو چیستیان بنانے کا الزام خصُوصیّت کے ساتھ اُن شعراء پر ہے۔ جنہوں نے مبالغۂ شعری کو انضباطِ واقعات میں دخل دیا۔ اور پر کا کبُوتر بنا کر دکھانے کی کوشش کی۔ سینکڑوں مراثی اور ہزاروں نوحے ابتک ہماری نگاہوں سے گذر چکے ہیں جن میں سید الشہدا

کی مظلومی، آلِ عبا کی بیکسی، فرضی لڑائیاں، لفظی نبرد آزمائیاں، پورے مبالغے کے ساتھ دکھائی گئی ہیں لیکن ان میں واقعیت کہانتک ہے۔ اس کا جواب آپ کو یہ کتاب دیگی۔

اس لائف کی تدوین میں اس بات کا لحاظ خاص طور پر رکھا گیا ہے کہ کوئی واقعہ گنجلک نہ ہو۔ اور مبالغہ سے جہانتک ہو اظہارِ حال کو بچایا جاوے۔ نیز صحیح اور معتبر روایات سے کام لیا جائے۔ میں اس کا معترف ہوں کہ میری ہیچمدانی اس بارِ عظیم کو برداشت کرنے کی متحمل نہیں ہے۔ نہ میرے قلم شکستہ رقم میں اتنی سکت ہے کہ واقعات شہادت کو رنگینی کے ساتھ مرتب کر سکوں لیکن خدا کے فضل و کرم اور اُس سچی محبت و خلوص کے اثرات سے جو مجھے امام الشہداء کے ساتھ ہے۔ مجھے کافی یقین ہے کہ میں ناظرین کرام کی دلچسپی و معلومات کے لئے ایک کافی ذخیرہ بہم پہنچا سکونگا۔ واللہ المستعان علٰی مَاتَصِفُوْنَ ۞

اس لائف کی اشاعت کا کریڈٹ جناب المحترم **مولانا ملک محمد الدین صاحب قلم الفقراء** ایڈیٹر رسالہ "صوفی" کو ہے۔ جو ایسے مضامین کی اشاعت کے لئے ہمیشہ مستعد و آمادہ رہتے ہیں۔ وہ حقیقت میں اس قسم کے پاکیزہ لٹریچر کیلئے بہت زیادہ سامان معلومات مہیا کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں مبالغہ سے بری، صداقت سے بھری پیشوایان اسلام کی سیرتیں مرتب ہو جائیں۔ ہماری دلی دعا ہے کہ خداوند انہیں ایسے مبارک ارادوں میں کامیاب کرے۔ اور وہ اپنی کوششوں کا اجر عظیم پائیں کوئی کتاب ہو اور اُس کا کوئی مؤلف یا مصنف ہو اُس پر اعتراض ضرور ہوتا ہے۔ اس کی وجہ صرف اختلافِ طبائع اور تباین خیالات ہے۔ میں نے بہت زیادہ کوشش کی ہے کہ اس قسم کے اختلافی واقعات کو اس لائف میں جگہ نہ دوں۔ جن پر خامۂ اعتراض رواں ہو سکے۔ اس انتظام کے بعد بھی اگر غلطی یا فروگذاشت رہ گئی ہو تو میری بشریت پر محمول فرما کر معاف فرمائیے۔

ہاں میں یہ عرض کرنا بھول گیا کہ اس کتاب میں جو کربلائے معلّٰی کا فوٹو آپ ملاحظہ فرماوینگے۔ یہ جناب حکیم جلال الدین احمد صاحب مالک کارخانہ سلک مروارید راموآنہ کا عطیہ ہے جس کا بلاک ملک صاحب نے بنوالیا ہے۔ دوسرے نقشہ جات جو آپ اس کتاب میں دیکھیں گے ایک نہایت معتبر انجینیر سے مہیا کئے ہیں۔ میں بھی حکیم صاحب موصوف کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ اُن کے عطیۂ گرامی سے میری تالیف کو زینت بخشی۔ اور ملک صاحب بھی اُن کے ممنون ہیں۔

میرے نام کا حاصل قسمیہ یہی کتاب ہے۔ فطرت نے مجھ سے وہ خدمت لی جس کی میرے نام میں اہلیت تھی۔ گو میں نے بیسیوں کتابیں ۱۰-۱۲ برس کے عرصہ میں لکھ ڈالیں لیکن جو لطف مجھے اس کتاب کی تدوین میں آیا وہ میرا دل ہی جانتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ یہی حالات مبارکہ کا مقدس مجموعہ میرے شیرازہ اعمال کا پردہ ہو اور خدا مجھے اسی حیلہ سے قیامت کے دن بخشدے +

میں نے آجتک کسی نظم، مضمون، یا دیباچہ کے خاتمہ پر اپنا نام نہیں لکھا اور صرف لفظ سیماب لکھنے پر اکتفا کیا لیکن آج یہ پہلا موقعہ ہے کہ میں بجائے "سیماب صدیقی الوارثی اکبرآبادی" کے صرف اپنا نام لکھنا حاصل دیباچہ سمجھتا ہوں +

میں ملک صاحب کا تہ دل سے ممنون ہوں کہ باوجود علم بے بضاعتی و کم مائگی مجھے اس خدمت کے لئے منتخب فرمایا۔ خدا اُن کی کوششوں کو مشکور فرمائے۔ اور اس کتاب کو مقبول خاص عام کرے۔ جسے میں اپنی مغفرت و نجات کا ایک اعلیٰ ترین ذریعہ سمجھتا ہوں ؎

در حشر دستگیر شود شاہِ مشرقین
کافیست ایں سبب کہ منم

آگرہ
یکم محرم سنہ ۱۳۳۶ھ

عاشق حسین

بسم اللہ تعالیٰ

حیاتُ الحُسینؑ

زبان پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کیلئے

ولادت

حضرت مولانا ولی الدین دمشقی صاحب مشکوٰۃ شریف اپنی کتاب الکمال فی اسماء الرجال میں تحریر فرماتے ہیں نیز دیگر کتب معتبرہ سے ثابت ہے کہ امام الامم سردار شہیدان کربلا سبط الرسول جناب امام حسین علیہ السلام ۵ ماہ شعبان ۴ہجری کو بروز سہ شنبہ مدینہ منورہ میں تولد ہوئے۔ کنیت آپ کی ابو عبد اللہ اور آپ کا لقب زکی، شہید، سید، اور سبط ہے۔ بچے عموماً نو مہینے میں پیدا ہوتے ہیں لیکن آپ چھ مہینے میں پیدا ہوئے۔ چھ مہینے کا کوئی بچہ بجز آپ کے اور یحییٰ علیہ السلام کے آج تک زندہ نہ رہا۔ یہ بھی آپ کی ایک خلقی کرامت تھی جو یحییٰ علیہ السلام کے بعد آپ کو ملی اور آپ پر ہی ختم ہو گئی۔ آپ حضرت امام حسن علیہ السلام سے صرف ۹ مہینے بیس دن چھوٹے تھے۔ جس وقت آپ کے پیدا ہونے کی خبر جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو پہنچی۔ آپ نے خدا کی جناب میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لائے۔ اسماء بنت عمیسؓ نے کپڑے میں لپیٹ کر جناب امام حسین علیہ السلام کو حضرت کی گود میں دیدیا۔ آنحضرت نے سیدھے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ سے دریافت کیا کہ اے علیؓ صاحبزادے کا نام کیا رکھا؟

حضرت علیؓ نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور بھلا آپ کے ہوتے میں اس بارہ میں کس طرح تقدیم کر سکتا تھا۔ آپ ہی جو نام مناسب سمجھیں رکھیں۔ ہاں میں یہ سوچ رہا تھا کہ ان کا نام "حرب"

رکھوں آئندہ جیسی آپ کی رائے ہو۔

حضرت نے فرمایا کہ اے علیؓ میں خود بھی تسمیہ میں تقدیم کرنا پسند نہیں کرتا۔ وحی الٰہی کا منتظر ہوں۔ ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السّلام نازل ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسُول اللہ شاہزادہ امام حسن علیہ السّلام کا نام حضرت ہارونؑ کے بڑے بیٹے کے نام پر شبّرؓ یا حسن رکھا گیا ہے اسلئے چھوٹے شاہزادہ کا نام بھی حضرت ہارونؑ کے چھوٹے بیٹے کے نام پر شبیرؓ یا حسینؑ رکھئے۔

آنحضرت صلعم اس نوید کو سنتے ہی پھڑک گئے۔ اور آپ کا نام حسینؑ رکھا گیا۔ ساتویں روز آپکا عقیقہ ہوا۔ دو بکرے ذبح کئے گئے۔ اور سر کے بالوں کے برابر چاندی خیرات کی گئی۔ الحمد للہ کہ یہی رسم آجتک مسلمانوں میں مرسوم ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی بدعت کو تاہنوز دخل نہیں ہوا ہے۔

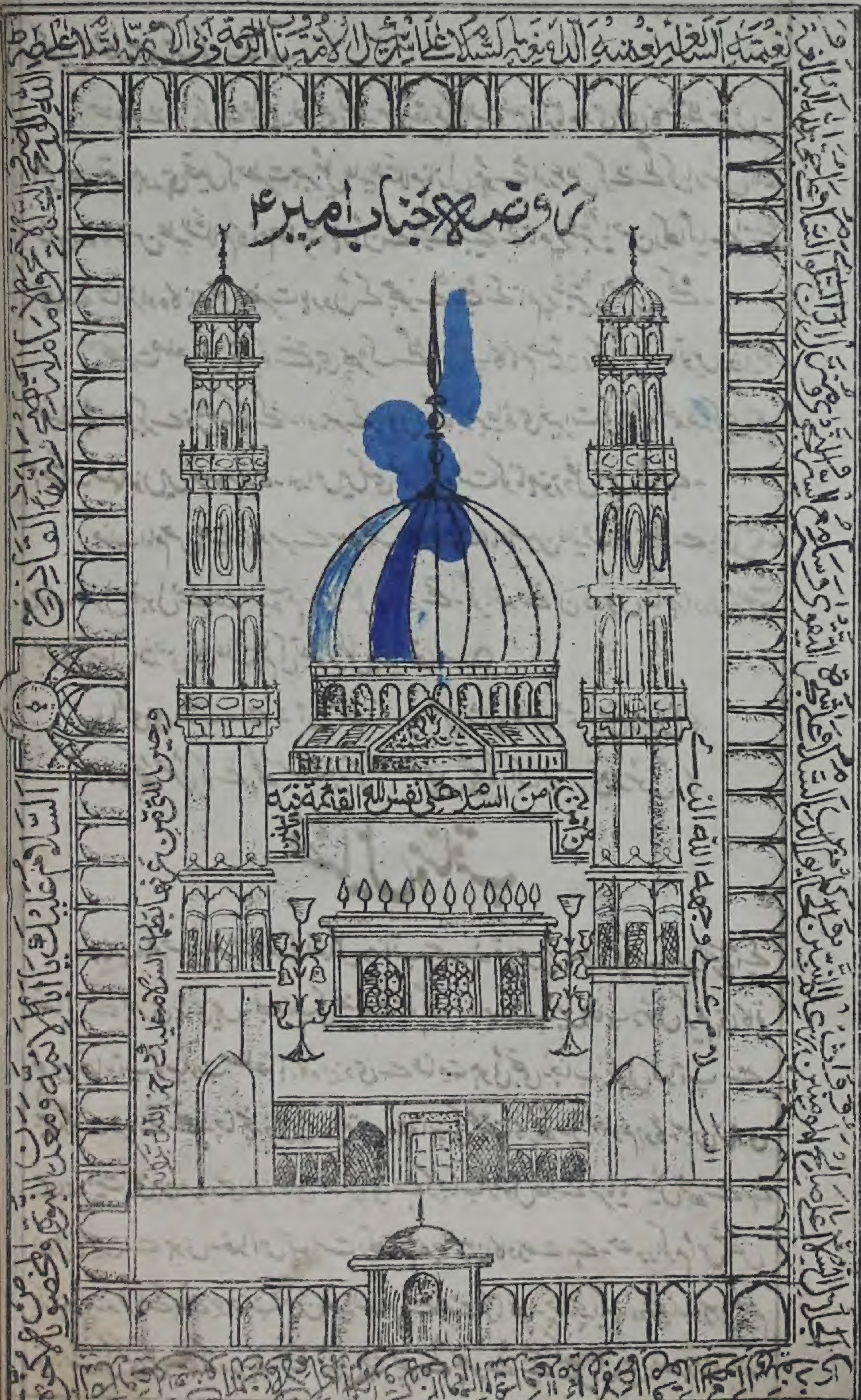
جناب امام حسن علیہ السّلام سر سے سینہ تک اور حضرت امام حسین علیہ السّلام سینے سے پاؤں تک جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے بالکل مشابہ تھے۔ گویا خدا نے ان دونوں شاہزادوں کو بصورت مجموعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر مکمل بنایا تھا ؎

جس شان کا تھا جسم مُرصّع رسُولؐ کا
پایا کسی نبی نے خدا سے نہ آج تک

آثار کچھ حسنؑ کو ملے کچھ حسینؑ کو
یوں بچ گیا اک اور مرقع رسُولؐ کا

فضائل و مناقب

جناب امام حسین علیہ السّلام کے فضائل و مناقب بیحد و بے قیاس ہیں۔ چنانچہ کتب سیر و تاریخ آپکے فضائل سے بھری پڑی ہیں۔ بھلا آپ کی فضیلت مسلم کیوں نہ ہو۔ کہ آپ میں جناب رسُول کریم ہی کا تو خون تھا۔ آپ کو سیادتِ مطلقہ بارگاہ ایزدی سے عنایت ہوئی تھی۔ جناب رسُول خدا آپ سے بیحد محبّت فرماتے تھے۔ چنانچہ ذیل کی روایتوں سے آپ کی محبّت کا کچھ حال معلوم ہوگا۔ سنن ترمذی میں بروایت یعلی بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ خدا اُس کو دوست رکھتا ہے جو حسین کا دوست ہے۔ حضور اکرمؐ اس شخص کو بیحد پسند فرماتے تھے جو جناب حسین علیہ السلام سے محبّت کرتا تھا۔ چنانچہ ایک روز جناب رسول کریم مدینہ منوّرہ کی کسی گلی سے گذر رہے تھے۔ وہاں چند چھوٹے چھوٹے بچّے کھیل کود میں مصروف تھے۔


روضهٔ جناب امیرؑ

آپ نے ایک لڑکے کو گود میں اُٹھا لیا اور اُس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اصحاب میں سے ایک صحابہ نے دریافت کیا کہ حضور یہ کس کا لڑکا ہے جس سے آپ اس قدر محبت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لڑکا ایک دن میرے حسین کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کے پاؤں کی خاک اُٹھا کر اس نے اپنی آنکھوں سے ملی۔ پس اُس دن سے میں بھی اسے محبت کی نگاہوں سے دیکھنے لگا ہوں۔ اور انشاء اللہ قیامت کے دن اُس کا اور اُس کے ماں باپ کا شفیع ہونگا +

امام ترمذی اور ابن ماجہ اور ابن حبان و حاکم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ میں لڑونگا اُس سے جو لڑیگا فاطمہؓ اور حسنؓ و حسینؓ سے۔ اور صلح کرونگا اُس سے جو صلح کرے گا ان سے۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ایک روز جناب رسول کریم صبح کے وقت باہر حصہ صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ایک کمبل سیاہ بوٹے دار جس میں کجاوہ شتر کی شکل بنی ہوئی تھی آپ کے جسم پر تھا۔ اتنے میں جناب امام حسنؑ آئے آپ نے اُنہیں اسی کمبل میں لے لیا۔ اُن کے بعد جناب امام حسین علیہ السّلام آئے۔ آپ نے اُن کو بھی وہ کمبل اوڑھا لیا۔ پھر حضرت فاطمہؓ آئیں اُنہیں بھی وہ ہی کمبل اوڑھا دیا۔ سب کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ آئے تو آپ نے اُنہیں بھی اسی کمبل میں جگہ دی اور یہ آئیہ تطہیر پڑھی۔ اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝

ابن عساکرؒ سے روایت ہے اور امام ترمذی نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے فرمایا جناب رسول کریم صلعم نے کہ آیا میرے پاس آسمان سے ایک فرشتہ جو اس سے قبل کبھی نہیں آیا تھا۔ اُس نے سلام کیا مجھے اور خوشخبری دی کہ تحقیق حسنؑ اور حسینؑ نوجوانانِ بہشت کے سردار ہیں +

احمدؒ اور ترمذیؒ اور ابن ماجہ اور ابن داؤدؒ اور نسائی متفق الروایت ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں سامنے سے حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ تشریف لائے۔ کم عمری کی وجہ سے دونوں شاہزادوں کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ آپ نے دیکھا اور خیال کیا کہ کہیں گر نہ پڑیں۔ پس بے اختیار خطبہ چھوڑ کر اُن کی طرف دوڑے۔ اور کمال محبت اور پیار کے ساتھ دونوں صاحبزادوں کو گود میں اُٹھا لائے +

اسی طرح ایک روز جناب رسُول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم مسجد نبوی میں نماز پڑھا رہے تھے۔ اور سجدہ میں تھے کہ جناب امام حسین علیہ السلام دوڑے دوڑے آئے اور پشت مبارک پر سوار ہو گئے آپ کو خیال ہُوا کہ اگر سجدہ سے سر اُٹھاؤنگا تو حسین علیہ السّلام گر پڑینگے اُن کے چوٹ لگ جائے گی۔ یہ سوچکر آپ سجدہ ہی میں پڑے رہے۔ حتیٰ کہ جناب امام خود بخود پشت مبارک سے علیحدہ ہو گئے +

ایک روز جناب رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ازراہ محبت جناب امام سے پُوچھا کہ حسینؑ یہ تو بتاؤ مرتبہ تمہارا بڑا ہے یا ہمارا۔ جناب امام نے تھوڑی دیر تامل فرمایا اور پھر عرض کرنے لگے نانا جان مرتبہ تو ہمارا ہی بڑا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ اس کا کیا ثبوت ہے آپ نے کہا کہ نانا جان خیال تو فرمائیے جیسا کہ ہمارے باپ علی شیر خدا ہیں۔ ایسے آپ کے باپ کہاں تھے جیسی کہ ہماری ماں فاطمہؓ زہرا ہیں ایسی آپ کی والدہ کہاں ہیں۔ جن کے لئے آپ نے خود "بُضْعَۃٌ مِنّیْ" فرمایا ہے۔ اور جیسے ہمارے نانا محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ایسے آپ کے نانا کہاں تھے۔ ان سب باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ مرتبہ ہمارا بڑا ہے۔ نواسے کی یہ دلیلیں سُنکر جناب رسول خدا مسکرا کر خاموش ہو گئے +

حضرت ابن الخشاب نے ابی عوانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ حسن اور حسین (علیہما السّلام) عرش کے دو گوشوارے ہیں۔ جب اللہ جلشانہ نے بہشت برین کو پیدا کیا تو فرمایا کہ میں تجھ کو فقرا اور مساکین کا مسکن بناؤنگا۔ بہشت نے کہا یارب لم جعلنی مسکن المساکین۔ یعنی اے پروردگار مجھے مسکینوں کے رہنے کی جگہ کیوں بناتا ہے۔ جب تو نے میرا رتبہ اس قدر بڑھایا ہے اور مجھے اپنی رحمت سے فردوس بنایا ہے تو پھر مجھ میں مساکین کے رہنے سے کیا زینت ہو سکتی ہے۔ آواز آئی کہ اے بہشت کیا تو راضی نہیں ہے کہ میں تیرے ارکان کو حسنؑ و حسینؑ سے آراستہ کروں۔ جب بہشت نے یہ سُنا تو فخر کرنے لگا اور کہنے لگا "رضیت رضیت" یعنی میں راضی ہو گیا۔ پس بہشت کے ارکان جناب امام حسن و امام حسین علیہم السلام ہیں۔ یہی عرش مجید کے گوشوارے ہیں اور یہی مومنوں کے دل کی روشنی۔ سُبحان اللہ اللہ تعالےٰ نے ان جگر گوشگان رسُول مقبُول کو کیسا مرتبہ عطا فرمایا ہے ؎ بِسِبْطِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَدْرِیْ مُنَوَّرٌ، وَحُبُّھُمَا فِیْ حَبَّۃِ الْقَلْبِ یَزْھَرُ

آنکھوں کا ہیں نور دل کے آرام حسینؑ   فردوس بریں کی نزہتِ عام حسینؑ
دونوں ہیں حیاتِ ملّتِ مصطفوی   ہیں روحِ حسنؑ تو جانِ اسلام حسینؑ

خلقِ حسینی

ایک روز جناب امام حسین علیہ السلام شرفائے عرب کے ساتھ تشریف فرما تھے اور کھانا کھا رہے تھے کہ آپ کا ایک غلام آش گرم سے بھرا ہوا پیالہ لایا۔ رعب محفل سے اس کے پاؤں لڑکھڑا گئے اور وہ فرش پر گر پڑا اور پیالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر سر امام پر گر کر پاش پاش ہو گیا۔ آپ نے بنظر تادیب خادم کی طرف دیکھا تو خادم ہیبت نظر سے خائف ہو کر کانپنے لگا لیکن اسے کچھ یاد آ گیا۔ اور امام علیہ السلام کی طرف رحم طلب نگاہ سے دیکھ کر کہنے لگا والکاظمین الغیظ، آپ نے فوراً ارشاد فرمایا! کہ اے خادم میں نے اپنے غصہ کو فرو کیا وہ پھر بولا "والعافین عن الناس" تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تیرا قصور بھی معاف کیا۔ خادم نے آیہ شریف کو یہ کہہ کر پورا کر دیا کہ "واللہ یحب المحسنین" اس کو سنتے ہی جناب امام نے فرمایا کہ جا میں نے تجھے آزاد کیا۔ اور تیری کفالت تمام عمر اپنے ذمہ لی۔ اللہ اکبر یہ تھا خلق جناب امام عالی مقام کا۔ ہم آج اپنے دولتمند ارباب جاہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر اپنے خادموں کو جھڑکتے ہیں۔ ملازمت سے برخاست کر دیتے ہیں، جرمانے کرتے ہیں، سزا دیتے ہیں ایسے صاحبان استبداد کو خلق حسینی سے سبق لینا چاہیئے۔ اور ان کے خلق عظیم کی تقلید کرنی چاہیئے +

زہد و اتقا

آپ کا زہد و اتقا بدرجہ کمال پہنچا ہوا تھا، گو آپ نے صرف سات برس تک جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سایۂ نبوت و عظمت میں پرورش پائی۔ لیکن اسرار الٰہی سے آپ کا سینہ لبریز ہو گیا۔ جناب رسول خدا کی وفات کے بعد جناب امام نے علوم ظاہری و باطنی اسباق معرفت و اسرار طریقت و حقیقت اپنے والد مکرم حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حاصل کئے۔ اور دیگر اصحاب رسول خدا کی صحبت سے استفادہ فرمایا۔

آپ رات دن عبادت خدا و رسول میں مصروف رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے عہد میں کوئی ہمعصر زہد و عبادت اتقا و پرہیزگاری میں آپ سے زیادہ ممتاز نہ تھا۔ جناب امام حسن علیہ السلام نے اپنی عمر بھر میں پندرہ حج پیادہ پا کئے تھے۔ لیکن آپ نے تمام عمر میں پچیس حج پیادہ پا کئے۔

عبادت کا یہ حال تھا کہ رات دن میں علاوہ فرض و واجب اور سنت موکدہ کے استحباباً ایکہزار نفل بلا ناغہ پڑھا کرتے تھے۔

مروی ہے کہ ہر پنجشنبہ کی شب کو جناب امام شام سے صبح تک روتے تھے اور توبہ استغفار پڑھتے رہتے تھے۔ ذرا غور تو کیجئے کہ جب نبی کے نواسے کا خوفِ خدا سے یہ حال تھا تو افسوس ہے اُن گنہگاروں پر جو رات دن فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں لیکن کبھی اُنہیں اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ خدا کی جناب میں اپنے گناہوں سے پشیمان ہو کر سرِ عبودیت جھکا دیں۔ القصہ جناب امام عالیمقام میں علاوہ صوری کمالات شریعت کے تمام معنوی اسرارِ عرفان بھی متجلی تھے۔ اور کیوں نہ ہوتے کہ جناب علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کی تعلیم طریقت، جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفویض سعادت، بنت الرسول حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آغوشِ سیادت، اور جناب امام حسن علیہ السلام کے ظل بزرگی و عظمت کے سایہ میں آپ نے پرورش پائی تھی۔ اور برکتِ دارین قسامِ ازل سے آپ کے ہاتھ آئی تھی۔ "الولد سر لابیہ" مشہور ہے۔ پس جو باتیں جناب امام کے آبا و اجداد میں موجود تھیں وہ سب آپ میں متجلی نظر آتی تھیں ؎

ابنِ علیؑ و سبطِ رسولِ خدا حسینؑ	پیارا تھا کیسا بیشتر کبریا حسینؑ
مادر ملی بتولؑ سی گودی کھلانے کو	جبرئیل آئے عرش سے جھولا جھلانے کو

شادی

آپ کی شادی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ دوم کے زمانۂ خلافت میں ہوئی جس کے مفصل حالات کتب معتبر میں اس طرح لکھے ہوئے ہیں کہ جب ملک فارس مسلمانوں نے فتح کر لیا اور فرمانروائے فارس یزدجرد بن نوشیروان مارا گیا تو بساطِ کسریٰ جو ایک بیش بہا فرش تھا اور جس پر بادشاہان فارس عجب و غرور کا تکیہ لگا کر بیٹھا کرتے تھے مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ اور نوشیروان کی پوتی بھی مالِ غنیمت میں ملی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مسلمان لشکر کے سردار تھے مالِ خمس کے ساتھ ان دونوں چیزوں کو یعنی نوشیروان کی پوتی اور بساطِ کسریٰ کو حضرت عمر کے حضور میں بھیجدیا۔ اُس زمانہ میں یہ قاعدہ تھا کہ مسلمانوں کو مال

غنیمت سے جو کچھ ملتا تھا اُس کے پانچ حصّے کئے جاتے تھے۔ چار حصّے مجاہدین میں تقسیم ہوتے تھے اور پانچواں حصّہ بیت المال میں جمع کرنے کے لئے بھیجدیا جاتا تھا۔ اس تقریب سے غنیمت فارس کا پانچواں حصّہ جب مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت عمرؓ معہ ارکان خلافت اور اصحاب رسُولؐ مسجدِ نبوی میں مسلمانوں کو فتح فارس کی خوشخبری سُنانے اور مال غنیمت کو تقسیم کرنے کے لئے منبر پر تشریف فرما ہُوئے ہر ایک حقدار اپنا حق الخدمت فصیح و بلیغ تقریر میں بیان کر رہا تھا۔ نوشیروان کی پوتی ایک کونے میں سر جھکائے کھڑی تھیں اور بساط کسریٰ غرور و تکبّر کے قلعہ سے جُدا ہو کر فقر و عجز کی شاندار مجلس میں بے پرواہی کے ساتھ پڑی ہوئی تھی۔ اور مالِ غنیمت ایک جنسِ پامال کی طرح ایک طرف رکھا ہُوا تھا۔ جب سب حقدار اپنا حق جتا چکے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بساطِ کسریٰ کے ٹکڑے کر کے معہ مال غنیمت علیٰ قدر مراتب سب کو حصّہ تقسیم کر دیا۔ اور اپنے فرزند حضرت عبداللہ کو بہ نسبت حضرت امام حسن اور امام حسین علیہما السّلام کے نصف حصّہ دیا۔ حضرت عبداللہ نے کھڑے ہو کر کہا میں نہیں سمجھتا کہ مجھ کو حسنینؑ سے کیوں کم حصّہ دیا جاتا ہے حالانکہ میرا باپ خلیفہ ہے۔ یہ سُنکر حضرت عمرؓ نے فرمایا اے عبداللہ اگر آج تقسیم غنیمت کا انحصار صرف میری ذاتی رائے پر ہوتا تو میں حسنینؑ کے مقابلہ میں تجھے ایک حبہ بھی نہ دیتا۔ اس لئے کہ حسنین کا نانا رسُول ہے باپ ولی اللہ ہے اور ماں رسُول کی بیٹی ہے۔ تیرے باپ کو تو صرف خلافت ہی ملی ہے اور یہ بھی حسنین کے نانا کے آستانِ مبارک پر جُبہ سائی کا طفیل ہے۔

جب مال غنیمت تقسیم ہو چکا اور بساطِ کسریٰ پارہ پارہ کر کے بٹ گئی تو نوشیروان کی پوتی باقی رہ گئیں۔ حضرت علیؑ نے دریافت کیا کہ یہ لڑکی کس کو دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے جب اُس لڑکی کی طرف دیکھا تو وُہ جناب امام کو دزدیدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ لہذا فوراً حکم ہُوا کہ یہ لڑکی امام حسین علیہ السّلام کا حق ہے۔

چنانچہ نوشیروان کی پوتی رسُول اللہ کے نواسے کے عقد میں آئیں۔ رسمِ اسلام کے موافق قیدِ کنیزی سے آزاد کی گئیں۔ اور اُن کا نام شہر بانو رکھا گیا۔ جو ایک نہایت ثقہ، معصوم، عصمتِ گزین، عابدہ، صالحہ، صابرہ، اور وفادار بی بی ہُوئیں۔ اور جنہوں نے کربلا میں آخر وقت تک جناب امام علیہ السّلام کا ساتھ سچی ہمدردی اور دلی محبّت کے ساتھ دیا۔ اسکے علاوہ

جناب امام عالی مقام کے حرم محترم میں چار ازواج مطہرات اور تھیں جو یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئی تھیں (۱) لیلےٰ بنت ابی مرۃ بن عروہ بن مسعود ثقفی۔ (۲) ام اسحق بنت طلحہ بن عبداللہ (۳) رباب بنت امرالقیس بن عدلے سے (۴) ایک اور بی بی جن کا نام معلوم نہیں۔

اخبار شہادت

بعض طبقات میں یہ اعتقاد روز افزوں ہے کہ جناب امام عالی مقام کی شہادت محض واقعات حائل اور اتفاقاتِ صادرہ کے تحت میں ہوئی اور بعض لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ آپ خانہ جنگی یا خاندانی لڑائیوں میں قتل کئے گئے۔ لیکن ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ شہادت جناب امام عالیمقام ایک ازلی وفطری قرارداد تھی۔ اور اعزاز شہادت خامۂ قدرت نے روز ازل ہی میں آپ کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔

اگر سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت بعض واقعات کے زیر اثر ہوتی تو اُسکے اخبار واشہاد کا پہلے سے نمودار ہونا مشکل ہوتا لیکن آپ دیکھیں گے کہ ابھی جناب امام صغر سن ہی تھے اور آنحضرت صلعم آپ کے واقعہ شہادت سے لوگوں کو خبر دیتے تھے۔

شواہد نبوت میں ام حارث سے اور مشکوٰۃ شریف میں جنابہ اُمّ فضل بنت حارث سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے جناب رسول کریمؐ سے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کٹ کر میری گود میں آپڑا۔ مجھے سخت حیرانی ہے کہ اسکی تعبیر کیا ہوگی۔ آپ نے فرمایا تم نے بہت مبارک خواب دیکھا ہے فاطمہؓ کو خدا بیٹا دیگا اور تم اُسے گود میں لیکر بیٹھو گی۔ ام فضلؓ فرماتی ہیں کہ چند روز بعد حضرت فاطمہؓ کو خدا نے امام حسینؑ جیسا بیٹا دیا۔ میں نے اُنھیں گود میں لیا۔ ایک دن میں جناب امام کو گود میں لیکر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور حضرت کی گود میں دیدیا۔ آپ نے جناب امام کو پیار کیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ کیوں ملول ہوئے آپ نے فرمایا کہ اے ام فضل مجھے جبرئیل نے خبر دی ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ اُمت کے ہاتھ سے عنقریب قتل کیا جائیگا۔ میں نے از روئے تعجب عرض کیا ہاں یا رسولؐ اللہ کیا ایسا ہوگا آپ نے فرمایا ہاں۔ مجھے جبرئیل نے اُس زمین کی

سُرخ مٹی بھی وہی ہے۔

اس سے ظاہر و باہر ہے کہ جناب رسُول کریم کو جناب امامؑ کی شہادت کا حال پہلے ہی سے معلوم ہو گیا تھا۔ شواہد النبوت میں مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جناب رسُول خدا صلعم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ایک مٹھی مٹی دیکر فرمایا تھا کہ اے ام سلمہ جب یہ مٹی سُرخ ہو جائے سمجھ لینا کہ میرا بیٹا حسینؑ قتل ہو گیا۔

کنز الغرائب میں بحوالہ مستند لکھا ہے کہ شہادت جناب امام کی خبر جبرئیل علیہ السّلام نے حضور سرور کائنات کو پانچ مرتبہ دی۔ اوّل روز پیدائش۔ دوم جبکہ جناب امام چار مہینے کے تھے سوم جبکہ آپ کی عمر ۳ سال کی تھی۔ چہارم جبکہ آپ چار برس کے تھے۔ پنجم جبکہ آپ کی عمر ۵ سال کی تھی۔

جناب رسول اکرم نے شہادت امامؑ کا حال جناب علیؑ اور حضرت فاطمہؓ سے بھی کہدیا تھا جب جناب امام حسین علیہ السّلام کربلا پہنچ گئے اُس وقت آپ نے اپنی چھوٹی بہن ام کلثومؓ سے فرمایا کہ اے بہن میں امیر المومنین (حضرت علیؑ) کے ساتھ سفر میں تھا۔ جب آپ واپس ہو کر اس زمین پر پہنچے اور آرام سے بیٹھے تو آپ لیٹ رہے۔ آپ کا سر میرے بڑے بھائی حسنؑ کے زانو پر تھا اور میں آپ کے سرہانے تھا۔ آپ سو رہے تھے کہ یکایک آپ نے آنکھیں کھول دیں اور روتے ہُوئے اُٹھ بیٹھے۔ بھائی صاحب نے اس گریہ زاری کا سبب پُوچھا تو فرمایا میں نے ابھی خواب میں دیکھا ہے کہ یہ ساری زمین خون کا دریا بن گئی ہے۔ اور میرا فرزند تمہارا چھوٹا بھائی حسینؑ اس دریا میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ فریاد کر رہا ہے اور کوئی اُس کی فریاد کو نہیں پہنچتا۔ پناہ مانگتا ہے۔ اور کوئی اُسے پناہ نہیں دیتا۔ اس کے بعد میری طرف مخاطب ہو کر دریافت فرمایا کہ جس دن یہ واقعہ پیش آئے گا تم کیا کرو گے؟ "ماذا تصنع انت اذا وقعت تلک الواقعہ" میں نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ گردن جھکا کر عرض کیا "یا ابت انی اصبر علی البلاء واسبح فی ذالک البحر انشاء اللہ ولا بد لی من الصبر" اے پدر بزرگوار میں امتحان خدا پر صبر کرونگا اور انشاء اللہ اسی دریائے خون میں تیرونگا۔ اور مجھے صبر کرنا ناگزیر ہے۔"

اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جناب امام عالی مقام بھی اس واقعہ شہادت سے پہلے

ہی آگاہ کردیئے گئے تھے۔ بعض کتب صحیحہ میں لکھا ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے بھی آپ کی شہادت کا ذکر کیا تھا اور اُس وقت کی شدت تشنگی کی تصویر کھینچکر ان الفاظ میں دکھائی تھی کہ ”ان عطشہ یبلغ مبلغًا یحول بینہ وبین السماء کالدُخان“ یعنی اُس وقت جناب امام کو ایسی پیاس ہو گی کہ اُن کی آنکھوں کے سامنے دھواں سا اُٹھ کر اُن کے اور آسمان کے درمیان میں حائل ہو جائیگا۔

جناب سید حسین کاشفی اپنی کتاب روضۃ الشہدا میں اس کے متعلق ایک اور روایت فارسی میں لکھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جب جناب امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حق سُبحانہٗ تعالےٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا کہ جاؤ ہمارے حبیبؐ کو مژدۂ تہنیت سُناؤ اور پھر شہادت حسینؑ سے بھی اطلاع دیکر رسم تعزیت ادا کرو۔ جب جبرئیل علیہ السلام آئے جناب امامؑ حضرتؐ کی گود میں تھے اور حضرتؐ اُن کے حلق کو بوسہ دے رہے تھے۔ پس جبرئیل علیہ السلام نے مُبارکباد دی اور پھر تعزیت کرنی شروع کی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مُبارکباد کا سبب تو معلوم ہے مگر اس تعزیت کی وجہ کیا ہے۔ جبرئیل امینؑ نے کہا کہ یارسول اللہؐ اس حلق پر جو آپ کا بوسہ گاہ ہے ماں کی وفات اور بھائی کی شہادت کے بعد خنجر جفا چلا یا جائیگا۔ اور پھر تھوڑا سا حال واقعۂ کربلا کا سُنایا۔ جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس ماجرائے رُوح فرسا کو سُنکر بہت رُوئے۔ جناب مرتضیٰ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو وہاں موجود تھے مگران باتوں کو سُن نہ سکتے تھے) بہت گھبرائے اور پُوچھنے لگے کہ یا سید المرسلینؐ اس گریہ وزاری کا کیا سبب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ جبرئیلؑ سے سُنا تھا حضرت علیؑ سے بھی کہدیا۔ جناب علیؑ بھی یہ حال سُنکر بہت پریشان ہوئے۔ اور اُن کی آنکھیں بھی خون کا مینہ برسانے لگیں۔ وُہ اسی طرح روتے ہوئے حجرہ جناب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں پہنچے۔ جناب فاطمہؓ نے جب حضرت علیؑ کو روتے ہوئے دیکھا کہا کہ اے پسرِ عم اور اے سرورِ دل پُر غم آج تو خوشی کا دن ہے نہ کہ غم کا اگر یہ رونا فرطِ خوشی سے ہے تو فرماد یجئے ورنہ اس پریشانی کی وجہ بتادیجئے۔ جناب مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے فاطمہؓ میں غم حسینؑ سے ملول ہوں کہ آج تمہارے باپ کو جبرئیل امینؑ نے اسکی شہادت کی خبر دی ہے۔ پس بمجرد اس سُننے کے جناب فاطمہؓ کی زبان سے بے اختیار نالہ نکل گیا اور اُسی وقت

چادر اوڑھ کر جناب رسُول کریم کے حجرے میں تشریف لائیں اور عرض کی کہ اے پدر بزرگوار کیا آپ نے علیؑ کو یہ خبر دی ہے کہ حسینؑ کا وہ گلوئے مبارک جس کو آپ بوسہ دیتے ہیں اُمت کے ظالم لوگ تیغ جفا سے مجروح کرینگے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں مجھ سے جبرئیل نے کچھ ایسا ہی کہا ہے۔ جناب فاطمہؑ رو کر کہنے لگیں کہ بابا جان میرے حسینؑ نے کیا گناہ کیا ہے جو بچپن میں اُس پر اس قدر ظلم کیا جائیگا۔ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ واقعہ عالم طفلی یا جوانی میں نہ ہوگا بلکہ ایسے زمانہ میں ہوگا جبکہ نہ تم رہوگی نہ میں نہ علیؑ نہ اُس کے بھائی حسن ہونگے۔ جناب فاطمہؑ یہ سُنکر بیقرار ہو گئیں اور فرمانے لگیں کہ اے مظلوم مادر حسینؑ۔ اے شہید مادر حسینؑ اور اے بیکس مادر حسینؑ جب اُس وقت ماں باپ بھائی کوئی نہ ہوگا کہ تیری مصیبت میں کام آئے اور تیری تعزیت کرے تو تجھ پر کیسی بنے گی، کاش میں زندہ رہتی اور تیری سوگواری کرتی۔ ناگہاں ہاتف غیب سے آواز آئی کہ اے فاطمہؑ تو غم نہ کر تیرے مظلوم کا ماتم قیامت تک زندہ رہیگا۔ اور تیرے باپ کی اُمتی امام علیہ السلام کی بیکسی پر تاحشر روئیگی ؎

زیں مصیبت داغہا بر سینہ سوزاں ماست زیں عزا صد شعلۂ غم بر دل بریان ماست

ثبُوتِ شہادت قرآن مجید سے

قولہ تعالیٰ عز وجل۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ (ترجمہ) خدا فرماتا ہے ہم ضرور تمہارا امتحان لینگے ایک بڑے خوف سے اور بھُوک سے اور اموال اور جانوں اور ثمرات کی کمی سے۔ اور (اے محمدؐ) خوشخبری پہنچا دو اُن لوگوں کو جو مصُیبت پڑنے کے وقت کہتے ہیں کہ ہم تو خدا کے واسطے بنائے گئے ہیں اور خدا ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ اِس آیۂ شریفہ میں جناب امام علیہ السلام کی شہادت کے تمام اسرار خفی پوشیدہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ سوائے بھُوک کے ہر ایک کمی سے خوف پیدا ہوتا ہے۔ پھر خوف کا ذکر اللہ تعالیٰ نے جُداگانہ کیوں کیا۔ معلوم ہُوا کہ یہ خوف جس سے خدا کسی کا امتحان لیگا کوئی اہم خوف ہے۔ لفظ خوف خوفہائے ثلٰثہ پر مشتمل تھا۔ لیکن اُس کے بعد ان مخاویف کا ذکر کرنا ضرور دلالت کرتا ہے

کہ وُہ خوف کسی جان و مال اور ثمرات کا نہ ہوگا۔ بلکہ ان تمام خوفوں سے بالاتر ہوگا۔ اس آیت میں یہ لفظ لعنوان نکرہ جس پر تنوین تعظیم لگی ہوئی ہے وارد ہوا ہے۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کسی بڑی چیز کا خوف اس ابتلا میں ہوگا۔ لہذا دُنیا کا کوئی خوف اس ذیل میں نہیں آسکتا۔ ہاں امُور دینیہ کے خوف کی طرف اشارہ ضرور ہے۔ اب سمجھ لیجئے کہ اگر جناب امام حسین علیہ السلام اپنا گلا کٹا کے حمایت اسلام نہ کرتے اور یزید پلید کی بیعت کر لیتے تو بربادی اسلام کا خوف تھا یا نہیں۔ یہی ایک ایسا خوف ہے کہ اس کے سامنے مالوں اور جانوں اور ثمرات کا خوف کوئی درجہ نہیں رکھتا۔ اس کے بعد بھُوک کا امتحان ہے۔ تو یہ بھی مسلّم ہے کہ جناب امام تین دن بھوکے پیاسے رہے۔ اور یہ امتحان بالکل وُیسا ہی سخت تھا جیسا کہ آدم علیہ السلام سے جبرئیل علیہ السلام نے وقت مکالمہ بیان کیا۔ یعنی آپ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ امتحان جس بات ہونا ہے سخت تر ہوتا ہے۔ اس کی مثالیں روزانہ زندگی کے امتحانوں میں آپ کو بہت زیادہ مل سکتی ہیں۔ اس لئے یہ امتحان بھی کچھ آسان نہ تھا۔

اموال کے متعلق اللہ جلشانہ نے من الاموال ارشاد فرمایا ہے جو مال کی قلت پر دلالت کرتا ہے۔ اور جناب امام علیہ السلام بھی مالدار نہ تھے۔ جب بعد شہادت دشمنوں نے خیام اہلبیت کو لُٹوایا ہے تو کسی تاریخ سے پتہ نہیں چلتا کہ ان میں زر و جواہر یا دینار و درہم بھی کسی کو ملے تھے +

جانوں کی کمی میں لفظ والانفس واؤ معطوفہ کے ساتھ ہے۔ اور لفظ مِن کا مجرور ہے یعنی کمی کا اطلاق جانوں پر بھی ہوتا ہے۔ اور جناب سید الشہداء کے ہمراہ صرف ۷۲ نفوس تھے۔ کوئی لشکر یا فوج نہ تھی۔ اسلئے یہ امتحان بھی سبط الرسول سے وابستہ ہو گیا +

اب رہا ثمرات۔ تو اس سے مراد وُہ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جو میدان کربلا میں شہید تیغ ستم ہوئے۔ جب یہ پانچوں امتحانات جناب سید الشہداء کے واقعات شہادت سے منطبق ہو گئے تو ہمیں یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ اس آیہ شریف میں خدائے عزوجل نے شہادت جناب امام حسینؑ ہی کی خبر تھی۔ ممکن ہے کہ آپ کے بعد کوئی اور اس امتحان میں مُبتلا ہو یا آپ سے پہلے کسی کا امتحان ان مصائب کے ساتھ لیا گیا ہو۔ لیکن اس آیت شریفہ کے نزول سے شہادت جناب امام عالی مقام تک یہ امتحانات صرف ایک ہی ذات پر ختم ہوئے اور وُہ ذات بابرکات جناب

حسین علیہ السّلام کی تھی +

دُوسرا ثبوت

قولہ تعالیٰ۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ہ (ترجمہ) اور جو لوگ خدا کے راستہ میں قتل ہو گئے ہیں اُنہیں مُردہ نہ کہو بلکہ وُہ زندہ ہیں۔ لیکن تم سمجھ نہیں سکتے۔ ہم یہ ماننے کے لئے تیار ہیں کہ اس آیت شریف میں شہداء کی تخصیص نہیں ہے اور یہ حکم تمام شہداء پر جو جناب امام علیہ السّلام سے پہلے شہید ہُوئے یا بعد میں درجۂ شہادت کو پہنچے منطبق ہوتا ہے۔ مگر آثارِ حیات جس قدر کہ جناب سید الشہداء میں پائے جاتے ہیں ہمیں دُوسرے شہیدوں میں نہیں ملتے۔ صوری زندگی تو یہی ہے کہ مسلمان ہر سال اُن کا غم تازہ کرتے ہیں اور قیامت تک حسب منشاء الٰہی کرتے رہیں گے۔ معنوی آثارِ حیات کا مشاہدہ اکثر آنکھ والوں کو ہوا ہے +

قولہ تعالیٰ۔ وَکَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ مَعَہٗ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ فَمَا وَھَنُوْا لِمَا اَصَابَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَکَانُوْا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ (ترجمہ) چند نبی ایسے ہیں جن کے ساتھ بہت سے خدا پرستوں نے جہاد کیا پس اُن کو کسی قسم کی کمزوری اُن ایذاؤں سے نہ ہُوئی جو کہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے پہنچتی ہیں۔ اور نہ وُہ لوگ ضعیف ہوئے اور نہ اُن کے جی چھوٹ گئے۔ اور خدا صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے +

مذکورہ بالا دونوں آیتوں کے مطالب ملانے سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ جس امتحان کا خدا آیۂ ابتلا میں ذکر فرماتا ہے اُس امتحان میں کامیاب ہونے والوں کو ماندگی، کمزوری، عاجزی، بھُوک، پیاس، غرضکہ کوئی ایذا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ان ایذاؤں میں سے کوئی ایذا سید الشہداء کو نہیں پہونچی۔ اور وہ امتحان ابتلا میں کامیاب ہو گئے۔ بناءً علیٰ ہذا قرآن مجید میں اس قسم کی بہت سی آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ شہادت کُبریٰ کا مرتبہ صرف سید الصابرین جناب امام علیہ السلام کیلئے مخصوص تھا جو انہیں ملگیا

شہادت جبریہ نہ تھی

اللہ جلشانہٗ نے اپنے حبیب محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام محاسن و مکارم کا جامع پیدا

کیا تھا۔ جو جو خوبیاں اور کمالات دیگر انبیاء عظام میں فرداً فرداً ودیعت کئے گئے تھے وُہ تمام کمالات حضور کی ذات مستجمع صفات میں موجود تھے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری ؛
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

چنانچہ خلافت آدم، سلطنت سلیمان، حسن یوسف، خُلّتِ ابراہیم، کلام موسٰی، عبادتِ یونس، شکرِ نوح، صبرِ ایوب، شکیب یعقوب، وغیرہ وغیرہ سے آپ متصف تھے۔ اور محبوبیت، ولایت، شفاعت، نبوّت، رسالت، رویت الہی، قرب اتم، شفاعت اعظم، جہاد فی سبیل اللہ، علم وسیع، عرفان صریح، اور اجتہاد کے تمام کمالات آپ کی ذات میں موجود تھے۔ لیکن ایک کمال شہادت جہریہ بہ نفسہ قسّام ازل نے آپ کو عطا نہیں کیا تھا۔ اور اُس کی وجہ یہ تھی کہ اگر آپ کفار کے ہاتھ سے شہید ہوتے تو عظمت و وقار اسلام میں کمی آتی تھی۔ اور آپ کی محبُوبیت پر اعتراض پیدا ہوتا تھا۔ اِس لئے اللہ نے کسر شانِ رسُول سمجھ کر اِس مرتبہ کو آپ کے حصّہ میں نہ رکھا۔ اگر شہادتِ سرّی بھی آپ کو ملتی وُہ شہادت تامہ کے رتبہ سے کم تھی۔ کیونکہ شہادتِ تامہ اُس وقت مکمل ہوتی ہے جبکہ اِنسان بحال غربت قسم قسم کی تکلیفوں اور اذیتوں سے شہید کیا جائے۔ اُس کے گھوڑوں کی کونچیں کاٹی جائیں اُس کی لاش بحالت بیکسی و بے حُرمتی پھینک دی جائے۔ اُس کا مال (جو کچھ ہو) لُوٹ لیا جائے۔ اُس کے اصحاب و انصار اُس کے سامنے مار ڈالے جائیں۔ اُس کی لاش کو دفن و کفن سے کوئی سروکار نہ ہو۔ اُس کا جسم گھوڑوں کے سُموں سے کچلا جائے۔ اُس کے یتیموں اور بیوہ عورتوں کو بیکسی اور بے بسی کی حالت میں کفار قید کریں۔ بھُوک پیاس اور خوف و رجا اور جن آثار امتحان کا ذکر آیاتِ مذکورہ میں آچکا ہے وُہ سب امتحان اُس سے لئے جائیں۔ اور یہ سب کچھ صرف خدا اور اُس کے رسُول کی سچی محبت اور اسلام کی سچی حمایت کے لئے ہو۔ جس میں خاندانی اور ذاتی لوث کو بالکل دخل نہ ہو۔ ایسی شہادت کو شہادتِ اتم سرّیہ بنفسہ اور شہادتِ عظمیٰ یا کبریٰ کہہ سکتے ہیں ؎

کیا گراں بارِ شہادت جا رہا ہے سر بکف — جانیوالے سخت تر ہے امتحاں کوئے دوست
لطف راہِ دوست میں قربان ہونیکا یہ ہے — سر ہو پائے دوست پر آنکھیں ہوں سوئے دوست

ہاں تو جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں مصلحتہً وارادتاً یہ کمال شہادت تفویض نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن آپ ہی کی نسبت سے آپ کے عزیز ترین نواسے جناب امام حسین علیہ السّلام کو یہ مرتبہ عظیم عنایت ہُوا۔ تاکہ شرف شہادت بھی اہلبیت اطہار ہی پر ختم ہوجائے اور کوئی خوبی یا رتبہ ایسا باقی نہ رہ جائے جس کی موجودگی آپ میں یا آپ کے اہلبیت اطہار میں نہ پائی جائے

اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند

اسباب شہادت

اس وقت میرے سامنے والی میز پر دس معتبر و مستند فارسی، عربی، اور اردو کی تاریخیں رکھی ہیں۔ جن میں سے کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں جناب سید الشہدار امام حسین علیہ السّلام کی شہادت کے اسباب پر بحث نہ کی گئی ہو۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہُوئی کہ گو تمام مؤلفین اپنے اپنے دلائل و براہین اور اظہار اسباب وخیالات میں مختلف القلم ہیں تاہم آخرکار سبب شہادت سب نے ایک ہی مانا ہے۔ اسباب کے تعین میں الفاظ و مضامین کے اُلٹ پھیر سے جو کمی واقع ہوئی ہے۔ اگر اُسے نکالدیا جائے اور اصل وضروری واقعات و اسباب کو منتخب کرلیا جائے تو مندرجہ ذیل سبب شہادت معلوم ہوتا ہے ؛

جب سنہ ۴۰ھ میں بتاریخ ۷ار رمضان المبارک یوم جمعہ قریب صبح ابن ملجم ملعون کے وحشی ہاتھوں سے حضرت امیرالمومنین جناب علی مرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہٗ شہید ہوئے تو بارِ خلافت جناب امام حسن علیہ السّلام کو تفویض ہُوا۔ اور قریباً چھ مہینے تک زمام خلافت آپ کے ہاتھوں میں رہی۔ آپ کے بعد جب معاویؓہ بن سفیان اور جناب امام حسن علیہ السّلام کے مابین علم مخالفت بلند ہُوا اور چالیس ہزار آدمیوں سے مقابلہ کی نوبت آئی تو حضرت معاویؓہ نے بغرض صلاح و مشورہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے دو سمجھدار آدمیوں کو جناب امام حسنؑ کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ پیام کہلا بھیجا کہ اے نورِ نظر مرتضوی اب زمانہ خلافت راشدہ کا ختم ہو گیا۔ میں تمہیں اُس حدیث شریف کی طرف توجہ دلاتا ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ مدت خلافت کا زمانہ صرف تیس سال کا ہے۔ پھر ہوگا بعد اس کے ملک کاٹنے والا یعنی ظالم" اس لئے لازم ہے کہ

خلافت وحکومت سے دست بردار ہو جاؤ۔ جب یہ پیام معاویہؓ کا آپ تک پہنچا تو آپ نے تامل فرمایا۔ اور آپ کو جناب رسول کریم کا وُہ ارشاد یاد آیا جو آپ نے اکثر اصحاب رسُول سے سُنا تھا کہ "حسنؑ دو بڑی جماعتوں میں صلح کا ذریعہ ہوگا" نیز آپ کو ظاہر وجاہت اور نام کی ضرورت بھی نہ تھی اس لئے آپ نے مندرجۂ ذیل خط امیر معاویہؓ کے نام لکھا اور جو لوگ آئے تھے اُنہیں دے کر واپس کر دیا +

مضمون خط

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

صلحنامہ حسنؑ ابن علیؑ کی طرف سے معاویہؓ بن سفیان کو۔ میں امر حکومت اس شرط پر سپرد معاویہؓ کرتا ہوں کہ اُس کی حکومت مسلمانوں پر کتاب اللہ اور سنت رسُول اللہ اور خلفائے راشدین کے خلاف نہ ہوگی۔ معاویہؓ کو حق نہ ہوگا کہ میرے بعد جسے چاہے خلیفہ بنائے بلکہ اس کا فیصلہ مسلمانوں کے مشورہ پر منحصر ہوگا۔ اُنہیں اختیار ہوگا کہ اللہ کی زمین سے جسے چاہیں امام اور خلیفہ بنائیں خواہ کوئی آدمی اہل شام سے منتخب کریں یا عراق، حجاز، اور یمن سے اور علیؑ کی اولاد کو ہر وقت اختیار ہوگا کہ جسے چاہیں اپنی جان، مال، اولاد اور عورتوں کی حفاظت کے لئے امام مقرر کریں۔ اور معاویہؓ کو اس عہد ومیثاق سے تجاوز کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ وکفی باللہ شہیدا ،،

(تحریر ۵ ربیع الاول ۴۱ھ)

جب یہ خط معاویہؓ کے پاس پہنچا تو اُنہوں نے شرائط صلح کو منظور کر لیا اور اپنے لشکریوں کو واپس دمشق جانے کا حکم دیدیا۔ مختصر یہ کہ جب ۲۹ ماہ صفر ۴۹ھ یا ۵۰ھ کو جناب امام حسن علیہ السلام نے شہید ہو کر اس دار فانی کو خیر باد کہا تو امیر معاویہؓ نے امام حسین علیہ السلام کو مدینہ منورہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ اور اپنی کونسل کا ممبر بھی بنا لیا۔ تمام اہلبیت اطہار کی عزت وتکریم فرض عین سمجھی اور کسی طرح اہلبیت رسُول اللہ کو اپنی طرف سے بدظن نہ ہونے دیا۔

کچھ عرصہ کے بعد جب امیر معاویہؓ کا وقتِ رحلت قریب پہنچا تو آپ نے اپنے بیٹے یزید کو بُلایا۔ اور چند وصیتیں کیں جن میں ایک وصیت یہ بھی تھی کہ حسین علیہ السلام اور اُسکے آل وعیال

کی عزّت و توقیر کرنا۔ کوئی کام اُن کے مشورے کے بغیر نہ کرنا۔ کیونکہ خلافت حقیقت میں اُسی کا حق ہے۔ اور اُس کا آبائی ورثہ ہے۔ ہم صرف اُن کے بنائے ہوئے امین ہیں۔ ورنہ اُس گھرانے کے غلام ہیں۔ اے یزید اپنے اہلبیت پر جناب رسُول مقبُول صلعم کے اہلبیت اطہار سے کبھی زیادہ خرچ نہ کرنا۔ اور ہر بات میں جناب امام حسین علیہ السّلام کو نصف حصّہ دینا۔ بنی ہاشم کی توقیر و حرمت میں کسی طرح فرق نہ آنے دینا۔ اگر تو ایسا کرے گا تو دُنیا میں فلاح اور عقبیٰ میں نجات پائیگا۔ پھر چند وصیتیں حمایت مذہب کے متعلق کیں اور فرمایا کہ مذہبی معاملات میں امام حسین علیہ السّلام کی رائے کو ضرور شریک رکھنا۔ جب یزید نے امیر معاویہؓ کی یہ وصیتیں سُنیں تو کانوں پر ہاتھ رکھ کر سمعنا و اطعنا کہنے لگا۔

یزید کا تختِ شرارت

رجب سنہ ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ نے وفات پائی تو یزید ابن معاویہؓ تختِ حکومت پر بیٹھا اور بیٹھتے ہی اُس حق بھری صدا کو کانوں سے نکال کر پھینک دیا جو امیر معاویہؓ کی زبان سے نکلی تھی۔ فسق و فجُور اور زنا اُس کے جلیس ہوئے۔ شراب و کباب اور ارباب نشاط اُس کے درباری ہوئے۔ ظلم و ستم اور سخت گیری نے ملک میں رواج پایا۔ یہ حالت دیکھ کر اہل عراق و شام اُس کے استبداد اور شقاوت سے تنگ آ کر چلّا اُٹھے اور سب نے بالاتفاق چاہا کہ اگر خاندانِ نبوت میں سے کوئی شخص اس وقت یہاں آ جائے تو ہم سب اُس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس پلید کے عہد خلافت سے باہر ہو جائیں۔ یہ خیال کر کے سب سے پہلے اہل کوفہ نے جناب امام حسین علیہ السّلام کے پاس عریضے بھیجنے شروع کئے۔ اور درخواست کی اے سبط رسُولِ عربی جس طرح ہو جلد تشریف لائیے اور ہمیں اس ظالم کے پنجۂ ظلم سے چھُڑائیے ؎

یا حسینؑ ابن علیؑ زود آ کہ کار سے او فتاد
باغِ سر سر پا بہ شعلہ در بہار سے او فتاد

جب اُن لوگوں نے دیکھا جو یزید علیہ ما علیہ کے درباری تھے اور دن رات اُسکی خوشامد میں لگے رہتے تھے کہ کوفیوں نے اپنی حمایت کے لئے خاندانِ نبوت کی طرف رجوع کیا ہے۔ تو

اُنہیں اپنا کھیل بگڑتا نظر آیا۔ اور فوراً یزید کو بھڑکایا کہ اے یزید اگر تجھے اپنی حکومت وخلافت کو برقرار رکھنا ہے اور آزادی ومسرّت کے ساتھ حکومت کرنا ہے تو مدینہ کے اِن چار شخصوں سے بیعت لے۔ ایک تو جناب حسینؑ ابن علیؑ سے دُوسرے عبداللہ بن عمرؓ سے۔ تیسرے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے اور چوتھے عبداللہ بن زبیرؓ سے۔ یہ وُہ ہی لوگ ہیں جو تیرے باپ کے زمانہ خلافت میں تیری بیعت سے متنفر رہے۔ حجاز میں لوگ ان کے بہت زیادہ معتقد ہیں۔ اگر یہ لوگ تیرے قبضۂ اقتدار میں نہ آئے تو ہم تجھے کہے دیتے ہیں کہ تیری سلطنت وامارت خاک میں ملجائیگی۔

یزید اپنے درباریوں کی اس گفتگو سے بھڑکا۔ اُس کے دل میں ایک خوفناک جوش اُٹھا۔ ساتھ ہی اُس کے کانوں میں امیر معاویہؓ کی وُہ آواز گونجی جو اُن کی زبان سے بطور وصیّت نکلی تھی۔ اور وُہ تھوڑی دیر کے لئے دم بخود ہو کر رہ گیا۔

آخر اُس کی شقی القلبی اور جاہ پرستی نے اُسے پھر اُکسایا، شامتِ اعمال نے پڑھاوے دیئے اور اُس نے ایک خط اِس مضمون کا ولید بن عقبہ کے پاس جو اُس زمانہ میں مدینہ منورہ کا حاکم تھا بھیجا کہ "میرے باپ نے بقضائے الٰہی وفات پائی اور سلطنت عراق وشام کی میرے قبضہ میں آئی۔ تو فوراً حسین ابن علی، عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، اور عبداللہ ابن زبیرؓ سے میری بیعت لے۔ اور پھر تمام اہل مدینہ کو اُس بیعت نامے میں شریک کر"۔ جب یہ خط ولید بن عقبہ کے پاس آیا تو اُس نے مروان بن حکم سے مشورہ لیا کہ یزید نے ایسا ایسا لکھا ہے اب کیا کیا جائے۔ مروان یزید کا خیر سگال اور دشمن آل رسُول تھا۔ کہنے لگا کہ یزید نے جو کچھ لکھا ہے ٹھیک لکھا ہے۔ تجھ کو لازم ہے کہ ان لوگوں کو مجبُور بیعت کرے۔ اور اگر یہ لوگ بیعت سے انکار کریں تو اُنکا سر کاٹ کے یزید کے پاس بھیجدے۔

ولید بن عقبہ ایک خدا ترس اور اہلبیت رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قدر کرنیوالا شخص تھا اس بات سے ناراض ہُوا اور کہنے لگا کہ اے مروان خاموش ہو جائیں آلِ رسُول کے متعلق ایسے کلمات سُننا پسند نہیں کرتا۔ میری نگاہوں میں خاندان رسُول کی عزّت ہے۔ مجھ پر اُن کا ادب واحترام لازم ہے۔ مگر مَیں یزید کا پیام اُن تک پہنچائے دیتا ہوں۔ ماننا نہ ماننا اُنکے اختیار میں ہے۔

مروان نے پھر بنانا شروع کیا اور یزید کی جلالت وعظمت کی داستانیں سُنا کر ولید کو مجبُور کیا۔

کہ پہلے حسینؑ ابن علیؑ اور ابن زبیرؓ کو اپنے پاس بلا اور اُن سے دریافت کر کہ وُہ کیا کہتے ہیں تاکہ تیرے اقتدار حکومت میں فرق نہ آئے۔

ولید نے ایک آدمی جناب امام علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا تم چلو ہم آتے ہیں اور پھر عبداللہ ابن زبیرؓ سے مشورہ کیا کہ بھائی تمہیں کچھ خبر ہے ولید ہم دونوں کو کیوں بلاتا ہے یزید کے ارادوں کی اطلاع تمام مدینہ میں عام تھی۔ اُس کی بدچلنی اور بے دینی کے چرچے اور بیعت لینے کے منصوبے مدینے کی گلی گلی میں لوگوں کی زبان پر تھے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ میرا جہاں تک خیال ہے وُہ آپ کو اور مجھ کو بیعت یزید لینے کے لئے بلاتا ہے۔ آپ کا اِس بارہ میں کیا ارادہ ہے

جناب امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عبداللہ ہم اولادِ رسُولؐ ہیں۔ بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک فاسق، فاجر، بدکار، زانی اور اخبث شخص کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ ہمیں ہر وقت اسکی بیعت سے انکار ہوگا۔ یہ ابھی اسی گفتگو میں تھے کہ ولید کا آدمی پھر آیا اور عرض کرنے لگا کہ یا ابن رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولید آپ کو بہت جلد بُلا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا چلو میں بھی پہنچتا ہوں۔

جب ولید کے پاس قاصد دوبارہ تنہا پہنچا تو مروان کہنے لگا کہ اے ولید غالباً حسینؑ ابن علیؑ یزید کے ارادے سے واقف ہو گئے ہیں اب تعجب نہیں کہ وُہ کسی طرف چلے جائیں تُو نے بہت بُرا کیا کہ اُنہیں گرفتار کر کے نہ بلوایا۔

ولید بن عقبہ نے کہا کہ اے مروان یہ کیا بیہودہ گفتگو ہے۔ میں آلِ رسُولؐ کے قول و قرار سے واقف ہوں وُہ بدعہد نہیں ہیں۔ مجھے اُن کی ہر بات کا یقین ہے وُہ ضرور آئینگے اور اپنا وعدہ ایفا کرینگے۔

یہاں ابھی یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ جناب امام حسین علیہ السلام اپنے غلاموں اور چند احباب کو لے کر ایوانِ ولید پر پہنچے اور سب کو دروازہ پر چھوڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ ولید آپ کی تعظیم کے لئے اُٹھا اور نہایت ادب سے یزید حاکم دمشق کا فرمان آپ کو سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ولید تو جانتا ہے ہم کون ہیں ؎

ہم وُہ ہیں کہ اللہ نے کوثر ہمیں بخشا　　سردارئ جنت فردوس کا افسر ہمیں بخشا

قوت دی ہمیں زور ہمیں زر ہمیں بخشا　　اقبالِ علی خلق پیمبر ہمیں بخشا

ہم نور ہیں گھر طورِ تجلّیٰ ہے ہمارا
تختِ بن داؤد مصلّیٰ ہے ہمارا

والا گہرِ قلزم عرفاں ہیں تو ہم ہیں　　کونین میں گر سابقِ ایماں ہیں تو ہم ہیں
محسن ہیں تو ہم صاحب احساں ہیں تو ہم ہیں　　بھیجا جسے خالق نے وُہ قرآں میں تو ہم ہیں

گھر علم خدا کا ہے سفینے میں ہمارے
تفسیر میں کب ہے جو ہے سینے میں ہمارے

اے ولید جب ہماری شان یہ ہے تو تُو ہی بتا کہ ہم ایک دشمنِ اسلام فاسق اور بدعتی شخص کے ہاتھ پر کیونکر بیعت کر سکتے ہیں۔ ہمیں انکار ہے اور ہمیشہ انکار رہے گا ؎

کس نیاید بزیرِ سایۂ بُوم　　ورہُما از جہاں شود معدوم

جناب امام علیہ السّلام کے اس انکار سے آپ کی کمال محبّت اسلام اور استقلال ٹپکتا ہے۔ اگر آپ دنیاوی وجاہت وشہرت کے دلدادہ ہوتے یا صداقت سے جان چھپاتے تو یزید کی بیعت سے کبھی انکار نہ فرماتے۔ پھر یہ موقعہ بھی نہایت اچھا تھا۔ تنہائی میں ولید سے کہہ دیتے کہ ہاں ہیں راضی ہوں تم یزید کو لکھ دو۔ بس اس کے بعد کسی کو خبر بھی نہ ہوتی اور آپ مدت العمر سکون واطمینان سے رہ سکتے تھے۔ لیکن آپ کو تو شقاوت یزید کا بُطلان کرنا تھا اپنے نانا جان کے لگائے ہوئے پودے کو اپنے خون سے سینچنا تھا۔ صداقت شعاری واسلام پرستی کے جھنڈے دُنیا میں گاڑنے تھے۔ حق وباطل میں تمیز کا اعلان کرنا تھا اور اُس عہد کو نباہنا مقصود تھا۔ جو آپ روزِ ازل کر کے آئے تھے۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ آپ رُعب یزید میں آجاتے یا دُنیا کی جاہ پرستیاں اور پنج روزہ زندگی کی ناپائدار خوشیاں آپ کے دل پر قبضہ کر لیتیں یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ آپ اپنی جان کے خوف سے اپنی خاندانی صداقت وحق پژوھی پر پانی پھیر دیتے۔ دین کو دُنیا کے ہاتھوں فروخت کر ڈالتے۔ اور دُو دن کی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے دائمی مسرّت وحقیقی زندگی کو ٹھوکر مار دیتے +

آپ اُس رسُول کے نواسے تھے جس نے کبھی صداقت پر بطالت کو ترجیح نہ دی۔ جس نے

اہل قریش کے عہد استبداد میں ہمیشہ حُریّت کو اپنا شعار رکھا۔ دھڑلّے سے تبلیغ اسلام پر کمربستہ رہا اور جس نے اپنے خاندان کے بزرگوں کے سامنے بھی ہمیشہ اعلان حق کرنے میں جرأت و ہمّت سے کام لیا۔

آپ اُس شیرِ خدا کے فرزند تھے جس نے طلب خلافت میں کبھی دب کر کام نہیں نکالا، اپنا حق اور مرتبہ جتانے میں ہمیشہ سبقت سے کام لیا اور جو عہد رسُول اللہ سے اپنے زمانہ شہادت تک تلاش حق میں مصروف رہا۔

ایسے باغ کے پھُول سے یہ کب ممکن تھا کہ وُہ فسق و فجور کے کانٹوں میں جا اُلجھے اور اپنے دامن معصوم میں لوث کا دھبّہ لگائے۔ اس لئے صاف انکار کر دیا۔

یہی انکار کتاب شہادت کا دیباچہ ہے۔ اور یہی انکار اسباب شہادت کا سب سے پہلا سبب خفی ہے۔

"اِس خطا پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا"

اتنا فرمانے کے بعد آپ دربار ولید سے واپس گھر چلے آئے۔ اور ۴ر شعبان سنہ ۶۰ھ نبوی کو مع عبداللہ ابن زبیرؓ اور اہل بیت اطہار کے رات کے وقت جانب مکّہ معظمہ روانہ ہو گئے۔

ولید نے یہ تمام واقعات و حالات یزید کو لکھ بھیجے تو اُس نے پھر ایک دُوسرا فرمان ولید کے نام بھیجا کہ اُن لوگوں کو تلاش کر کے پھر دعوت بیعت دے اور مجبُور کر اگر نہ مانیں تو حسین ابن علیؑ کا سر کاٹ کر بھیجدے۔ جب یزید نے یہ پیام بھیجا تو ولید نے دیکھتے ہی کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ اگر یزید ساری دُنیا کی بادشاہت دینے کی طاقت رکھتا ہو اور مجھ سے وعدہ کرے تو بھی مَیں ایسا گناہ ہرگز نہ کرونگا۔

صاحب روضۃ الشہدا لکھتے ہیں کہ جب جناب امام عالی مقام نے مکّہ معظمہ جانے کا ارادہ کیا تو پہلے روضۂ جناب رسُول انام علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر حاضر ہو گئے اور عرض کرنے لگے کہ نانا جان آپ کا نواسا آپ سے رخصت ہونیکے لئے حاضر ہُوا ہے، یہ وُہ ہی حسین ہے جسکا ذکر آپ نے "اذکرکم اللہ فی اہل بیتی" میں فرمایا ہے۔ یہ وُہ ہی حسین ہے جس کو آپ کسی وقت اپنی نظروں سے جُدا نہ ہونے دیتے تھے۔ اب آپ کا پیارا نواسا آپ سے رخصت ہوتا ہے

زمانہ دشمن ہے۔ ہوائیں مخالفانہ چل رہی ہیں۔ حمایت و ہمدردی کا بازار سرد ہو گیا ہے۔ اس کے بعد نماز میں مصروف ہو گئے۔ اور نماز و اوراد سے فارغ ہو کر آپ نے اپنا سر مبارک قبر اطہر جناب رسول کریم پر رکھ دیا۔ حتیٰ کہ آپ کو غنودگی سی آ گئی۔ یکایک کیا دیکھتے ہیں کہ جناب رسول کریم موجود ہیں۔ سر حسینؑ کو گلے سے لگا کر فرما رہے ہیں کہ اے بیٹا حسینؑ اب وہ دن قریب ہیں کہ تم کربلا میں جام شہادت پیکر ہمارے پاس آؤ۔ میرے کلمہ گو تمہیں طرح طرح کی ایذائیں دینگے ستائینگے۔ ترسائینگے اور پھر میری ہی شفاعت کے قیامت کے دن امید دار ہونگے۔ اے حسینؑ قسم ہے رب العزت کی میں ہرگز اُن کی شفاعت نہ کرونگا۔ اے حسینؑ تمہارے باپ ماں اور بھائی سب میرے پاس آ گئے ہیں اب وہ تمہارے دیدار کے آرزومند ہیں۔ جنت میں تمہارے لئے بڑے بڑے مدارج و مراتب رکھے گئے ہیں جو بغیر جام شہادت پئے نصیب نہیں ہو سکتے۔ اس لئے صبر و سکون کے ساتھ زندگی کے چند روز گذار دو۔ اور جلد تر ہمارے پاس پہنچو۔

آنکھ کھلی تو جناب امام علیہ السّلام زار زار رونے لگے اور عرض کرنے لگے کہ ناناجان آخر آپ کے مظلوم نواسے نے کیا خطا کی ہے کہ اُس پر یہ ستم توڑے جائینگے۔ غرض کہ اسی طرح کے کلمات فرماتے ہوئے آپ روضۂ منوّرہ سے رخصت ہوئے اور فرمایا ؎

بُلاتے کوئی ہیں لو دیکھو میں چلا نانا　　　تمہاری مرقدِ انور سے ہو جدا نانا
دُعا کرو کہ ہو حافظ مرا خُدا نانا　　　تمہاری اُمّتِ عاصی پہ ہوں فدا نانا

مدینہ چھوڑ نہیں آپ سے میں جاتا ہوں
لُٹا کے اپنا وطن کربلا بساتا ہوں

جناب امام کا رُوئے مبارک آنسوؤں سے تر تھا۔ آپ بار بار روضۂ رسُول کی طرف دیکھتے تھے اور فرماتے تھے ؎

آپ کی مرقدِ انور سے بچھڑنا ہے ستم　　　کیا قلق ہوگا مدینہ نہ ملیگا جسدم
موت درپے ہے پر اُٹھتے نہیں اس جا سے قدم　　　نانا صاحب مجھے جینے نہیں دینے کا یہ غم

دیکھئے کونسی بستی کو بسانا ہوگا
پھر کے اس قبر پہ اب کاہے کو آنا ہوگا

یہ وہ دن ہیں کہ پرند بھی نہیں چھوڑتے گھر　　آج کل ہی مجھے در پیش ہے کوفہ کا سفر
ساتھ بچوں کا ہے اے بادشہِ جن و بشر　　ہے کہیں قتل کا سامان کہیں لوٹ کا ڈر
تنگ جینے سے ہوں پاس اپنے بُلا لو نانا
اپنی تُربت میں نواسے کو سُلا لو نانا

حسینؑ مرقدِ زہراؓ پر

روضۂ رسُول سے رخصت ہو کر جناب امام علیہ السّلام جناب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مرقدِ مطہر پر تشریف لائے اور کہنے لگے۔ امّاں جان اپنے بیکس حسینؑ کا سلام لو جو آج مدینہ سے رخصت ہوتا ہے ؎

ہم بچھڑتے ہیں اب اے مادرِ غمخوار سلام　　اے ! نور نظر سیدِ ابرار سلام
اے سکون بخش دلِ حیدرِ کرار سلام　　لیجئے اُم حسینؑ جگر افگار سلام
دیس سے جاتے ہیں پردیس وطن چھٹتا ہے
آج اس بلبلِ بے کس سے چمن چھٹتا ہے

الغرض اسی طرح زار و نزار وہاں سے بھی رخصت ہو گئے۔ اور جیسا کہ اُوپر بیان ہُوا مکہ معظمہ جا پہنچے۔

جب اہل کوفہ کو خبر ملی کہ جناب امام عالی مقام علیہ السّلام مدینہ منّورہ سے مکّہ معظمہ میں تشریف لے آئے ہیں تو اہل کوفہ کا اشتیاقِ ملازمت اور بھی زیادہ ہُوا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں قریباً ڈیڑھ سو خطوط آپ کے پاس آئے جن میں یہی مضمون تھا کہ خدا کے لئے آپ جلد تشریف لائیے۔ یزید معاویہ کا بیٹا ہم پر ظلم کرتا ہے۔ ہمیں تکلیفیں دیتا ہے ہم اُس سے تنگ آ گئے ہیں۔ کوفہ کا حاکم عبداللہ بن زیاد بن مرجانہ سخت گنہگار اور سخت کبر ہے۔ دن رات شراب کے نشہ میں مست پڑا رہتا ہے۔ اُس کے جبر و تعدی کو برداشت کرنا ہمارے امکان سے بالاتر ہے۔ وُہ ہمیں امر بالمعروف سے روکتا ہے۔ اور نہی عن المنکر کی اجازت دیتا ہے۔ ہم بیحد خطوط آپ کے پاس روانہ کر چکے ہیں لیکن آپ نے ابتک کوئی جواب نہیں دیا

خطوط ۱۵۰

ہم نے روح پیغمبر کا واسطہ دلایا وہ بھی آپ نے نہ مانا۔ ہم نے اپنی بیکسی ولاچاری کا حال لکھا اُس پر بھی آپ نے توجہ نہ کی۔ اب ہم آخری مرتبہ مجبور ہو کر آپ کو پھر دعوتِ تشریف آوری دیتے ہیں۔ اور کہے دیتے ہیں کہ اگر آپ اب بھی تشریف نہ لائے تو قیامت کے دن ہم آپ کا دامن پکڑ کر داد خواہ ہونگے اور دادرِ محشر سے عرض کرینگے کہ اے رب ہمارے ہم پر اور ہماری اولاد پر حسینؑ ابن علیؑ نے ظلم کیا۔ اُس وقت آپ کیا جواب دینگے؟"

جس وقت کوفیوں کا یہ خط جناب امام علیہ السّلام کی خدمت میں پہنچا آپ خدا کے خوف سے کانپ گئے۔ آپ کے جسم کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو گیا۔ آنسو آپ کے رخسارِ مبارک پر جاری ہو گئے۔ آپ نے اُسی وقت قلم دوات اور کاغذ منگوایا اور اہل کوفہ کو اس مضمون کا خط لکھا:

اصلی مکتوب حسین علیہ السّلام منجانب اہل کوفہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مِنْ عِنْدِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اِلٰى اَهْلِ الْكُوْفَةِ وَالْعِرَاقِ۔ اِعْلَمُوْا اَنَّكُمْ اَرْسَلْتُمْ اِلَيْنَا اَلْفَ كِتَابٍ وَنَحْنُ مَا نَلْتَفِتُ اِلَيْهَا وَاَنَا مَا مُرَادِيْ اِلَّا الْجِوَارُ بِكَعْبَةِ اللّٰهِ نُقِيْمُ فِيْهَا اِلَى الْقَضَاءِ الْاَجَلِ وَالْاٰنَ ظَهَرَ مِنْكُمُ الشَّكْوٰى مِنْ ظُلْمِ الْيَزِيْدِ وَغَيْرِهٖ وَاِنِّيْ حَاضِرٌ اِلَيْكُمْ عَنْقَرِيْبٍ اِنْشَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ اُصِلُ لَكُمْ مُسْلِمَ بْنَ عَقِيْلٍ بِكِتَابِيْ وَهُوَ يُصَلِّيْ لَكُمْ فِيْ مَسْجِدِ الْكُوْفَةِ وَيَقْضِيْ بَيْنَكُمْ وَالنُّعْمَانُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ اِلٰى اَنْ اَحْضَرَ لَكُمْ۔

ترجمہ۔ حسینؑ ابن علیؑ ابن ابی طالب کی طرف سے اہل کوفہ اور اہل عراق کو لکھا جاتا ہے کہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ لوگ میرے بلانے کے لئے قریباً ایک ہزار خط بروایت صحیحہ قریباً ڈیڑھ سو بھیج چکے ہیں۔ لیکن میں نے اُن میں سے ایک کی طرف بھی نظر نہیں کی۔ کیونکہ میں قرب بیت اللہ سے علیحدہ ہونا اپنی موت تک پسند نہیں کرتا۔ مگر اب کہ میں پڑھتا ہوں کہ تم یزید کے ظلم و تعدی سے تنگ آکر جان بلب ہو اور میرے نہ آنے پر قیامت کا

مواخذہ رکھتے ہو میں انشاء اللہ عنقریب پہنچونگا۔ فی الحال میرا بھائی مسلم بن عقیلؓ میرا دستی خط لیکر تمہارے پاس آتا ہے۔ میرے پہنچنے تک وہ مسجد کوفہ میں تمہیں نماز پڑھائیگا اور فتویٰ لکھیگا۔ اور نعمان بن بشیر حکومت کریگا۔ فقط ۔ (نور العین فی مشہد الحسین عربی)

اہل کوفہ کی جانب سے جو خط جناب امام علیہ السلام کے پاس آئے تھے وہ سب شرفائے کوفہ کے تھے۔ مثلاً مسیب فرازی، رعافہ بن شداد، حبیب مظاہر، محمد کثیر، رقار عارب، محمد اشعث، عبدالرحمٰن بن منحف، عبداللہ عفیف، طارق اعمش، مختار ابی عبیدہ، عمر سعد وغیرہ ان لوگوں نے قاضی شریح کے ہاتھ پر قسم کھائی تھی کہ ہم لوگ اہلبیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جان نثار ہیں۔ آپ جناب حسینؑ ابن علیؑ کو فوراً کوفہ میں بلا لیجئے۔ ہم اپنا جان و مال اُن پر نثار کر دینگے۔ اور جہاں اُن کا پسینہ گریگا اپنا خون گرانے کے لئے تیار ہو جائیں گے ۔

مگر شرفائے عرب اور جان نثاران سبط الرسول جو اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے کوفیوں کی غداری و مکاری سے بفحوائے "الکوفی لا یوفی" اچھی طرح واقف تھے اور سمجھتے تھے کہ کوفی اپنے عہد کو وفا کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ اس لئے انہوں نے سید الشہدا حضرت امام علیہ السلام کو رائے دی کہ آپ کا جانا کسی طرح بھی قرین مصلحت نہیں ہے۔ پہلے آپ کسی دوسرے شخص کو روانہ کریں وہ وہاں پہنچکر تمام حالات پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالکر آپ کو لکھ دے گا۔ اُسوقت آپ کو جانے کا اختیار ہو گا۔ چنانچہ یہ خط جناب امام حسین علیہ السلام نے اسی مشورت و مصلحت کی بنا پر لکھا۔ اور پہلے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اپنا نائب بنا کر کوفہ کیطرف روانہ کیا ۔

مخالفت یزید کے صوری و معنوی اسباب

یوں تو جب سے دنیا بسی ہے اچھے اور نیک لوگوں کے ساتھ بدکاروں کو ہمیشہ ہی مخالفت ہوتی رہی ہے۔ تاریخ عالم کی ورق گردانی کیجئے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ انبیائے علیہم السّلام کے ساتھ کیسی کیسی مخالفتیں کی گئیں۔ نیک اور صالح لوگوں سے معاندین نے

کیسے کیسے بربادشے۔ پھر جناب امام حسین علیہ السلام بھی اللہ کے ایک برگزیدہ اور صداقت شعار بندے تھے اس کلیہ سے کیونکر مستثنیٰ رہ سکتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ساتھ یزید علیہ ما علیہ نے جو کچھ کیا وہ اسی اصول عالم اسباب سے عبارت ہے۔ مخالفت صوری ہمیشہ مخالفت معنوی کے تابع ہوتی ہے۔ پھر مخالفت صوری کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اصلی و فرعی۔ اصلی قسم مخالفت یہ ہے جو بنی ہاشم اور بنی اُمیّہ میں واقع ہوئی۔ اس کا مجمل حال یہ ہے کہ عبد مناف کے چار لڑکے تھے جن میں سے ہاشم اور عبد الشمس توام پیدا ہوئے تھے۔ اُن کی پیشانیاں آپس میں چپکی ہوئی تھیں۔ ہر چند کوشش کی کہ کسی طرح علیحدہ ہو جائیں لیکن کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی۔ اور پیشانیاں ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوئیں۔ آخر کار تلوار سے اُن دونوں کو جُدا کردیا گیا۔ عرب کے کسی سمجھ دار شخص نے کہا کہ ان کی پیشانیوں کو کسی دوسری چیز سے جُدا کرنا چاہیے تھا۔ تلوار سے جُدا کرنا بہت بُرا ہوا۔ اب ان میں اور اُن کی اولاد میں ہمیشہ تلوار چلتی رہیگی۔ چونکہ مشیت ایزدی یہی تھی اس لئے ایسا ہی ہوا۔ ہاشم اور اُمیّہ ابن عبد الشمس میں پہلے تلوار چلی اور ہاشم نے اُس کو مکہ معظمہ سے نکال دیا۔ پھر عبد المطلب اور حرب میں لڑائی ہوئی۔ پھر ابو سفیان اور جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں محاربے ہوتے رہے اُس کے بعد امیر معاویہؓ اور حضرت علیؑ میں بھی لڑائیاں ہوئیں۔ اور ان سب کے بعد حضرت امام حسینؑ اور یزید میں بھی وہ ہی مخالفتِ مستمرہ پیدا ہوئی۔ یہ تو مخالفت صوری اصلی کا ثبوت تھا۔

اب مخالفت صوری فرعی کی تفصیل سُنئے کہ یزید کو جناب امام حسین علیہ السلام سے مخالفت کیوں پیدا ہوئی اور وہ آپ کے خون کا پیاسا کیوں ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کے نکاح میں ایک عورت نہایت خوبصورت اور صاحب جمال تھی۔ یزید نے اس کے حسن کا حال سُنا تو اُس پر غائبانہ عاشق ہو گیا۔ اور یہ جذبۂ عشق اُس وقت اور بھی زیادہ اُبھرا جبکہ وہ تختِ حکومت پر خود اختیاری کا تاج پہن کر بیٹھا اور فسق و فجور سے اُس کے دربار میں سامان نشاط کی کثرت ہوئی۔ پس اُس نے کوشش کی کہ کسی طرح ابن زبیرؓ اس عورت کو طلاق دیدے اور میں اُس سے نکاح کر کے عیش دوام حاصل کرلوں

وُہ اس کوشش میں خفیہ طور پر منہمک رہا حتیٰ کہ اُسے کامیابی ہُوئی اور ابن زبیرؓ نے بغیر کسی سبب کے اُس عورت کو طلاق دیدی +

جب یہ خبر یزید کے کانوں تک پہنچی وُہ مارے خوشی کے اُچھل پڑا اور ابو مُوسےٰ اشعری کو اپنا وکالت نامہ دیکر جانب مدینہ منوّرہ روانہ کیا کہ جس طرح ہو سکے اُس مطلوقۂ مہرجمال کو میرے آغوش کی زینت بنا۔ ابو موسیٰ اشعری جب مدینہ منوّرہ پہنچے تو راستہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات ہُوئی۔ حضرت عبداللہ نے پُوچھا کہ اے ابو موسیٰ کہاں جلتے ہو جواب دیا کہ میں مطلوقۂ ابن زبیرؓ کے پاس جاتا ہوں۔ اور اُسے وکالتاً و اصالتاً منعقد کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھیئے وہ کس کو پسند کرتی ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے پوچھا کہ وکالت کس کی طرف سے ہے۔ اور اصالتاً کے کیا معنی ہیں۔ کہنے لگے کہ اصالتاً میری طرف سے ہے۔ اگر وہ قبول کرے اور وکالت یزید کی طرف سے اگر پسند کرے۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ اچھا میں بھی تمہیں اپنا وکیل کرتا ہوں۔ جب تم اپنا اور یزید کا ذکر اُس سے کرو تو میرا ذکر بھی کر دینا۔ اور میرے ساتھ نکاح پر راضی کرنا۔ ابو موسیٰ اشعری نے کہا بہت اچھا۔ یہ کہہ کر چلے ہی تھے۔ کہ راستہ میں امیر المومنین جناب امام حسین علیہ السلام بھی ملے۔ اور پوچھا کہ اے ابو موسیٰ کہاں جاتے ہو۔ اُنہوں نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا وہاں میرا ذکر بھی وکالتاً کر دینا۔ اور اگر ممکن ہو تو میرے ساتھ نکاح پر اُسے راضی کرنا +

المختصر ابو موسیٰ اشعری اُس عورت کے پاس پُہنچے اور رمز و کنایہ کی باتیں کرنے لگے۔ اُس عورت نے کہا کہ اب رمز و کنایہ کو چھوڑیئے اور جو بات ہو صاف صاف کہیئے۔ ابو موسیٰ نے کہا۔ کہ اے خاتون چار شخص تیرے عقد کے طلبگار ہیں۔ میں اُن کی طرف سے وکیل بنکر تیرے پاس آیا ہوں۔ اب بتا تو کس کو پسند کرتی ہے۔ عورت نے پوچھا کہ بھلا وہ چار آدمی کون کون ہیں۔ ابو موسیٰ اشعری نے جواب دیا۔ کہ ایک تو یہ بندہ ناچیز۔ دوسرے یزید۔ تیسرے ابن عمرؓ اور چوتھے حسینؑ ابن علی +

وہ خاتون بولی کہ اے ابو موسیٰ میں ہنوز جوان ہوں۔ اور میرے پاس مال و زر بھی بہت کچھ

ہے۔ عبداللہؓ ابن زبیر نے مجھے بغیر کسی وجہ کے طلاق دیدی ہے۔ لیکن مجھے تنہا رہنا ناگوار ہے۔ اِس لئے میں چاہتی ہوں۔ کہ کسی سے عقد کر کے اپنی باقی ماندہ عمر بہ آرام گذاردں۔ مگر میں دیکھتی ہوں۔ کہ تم بہت بوڑھے ہو۔ میرا تمہارا میل نہیں ہو سکتا۔ تمہیں لازم ہے۔ کہ میرے نکاح کی حسرت اپنے دل سے نکال ڈالو۔ اور پھر مجھے مشورہ دو کہ میں ان تینوں میں سے کس کے ساتھ نکاح کروں +

ابو موسیٰ اشعری نے کہا کہ اے خاتون تو نے جو کچھ کہا سچ کہا۔ اچھا میں تیری آرزو اپنے دل سے دور کرتا ہوں۔ اب رہا سوالِ انتخاب۔ تو اگر تجھے ملک و سلطنت، جاہ وجلال اور لذات معاشرت کی خواہش ہے۔ تو یزید سے نکاح کر، اور اگر زاہد و عابد حسین و جمیل اور متقی جوان کی جستجو ہے۔ تو ابن عُمرؓ کو پسند کر، اور اگر دنیا و عقبیٰ کی فلاح و نجات چاہتی ہے۔ اور فاطمہ زہراؓ نیز اہلبیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہمنشینی درکار ہے۔ اور فاطمہؓ کی بہو بننے کا شوق ہے۔ تو حرم حسین علیہ السّلام ہونے میں دیر نہ کر، وہ عورت یہ سُن کر کچھ دیر خاموش رہی۔ اور پھر کہنے لگی۔ کہ ابو موسیٰ دنیا کا جاہ و مال تو فانی ہے۔ اِس کے علاوہ میرے پاس دولت خدا کے فضل سے اتنی ہے۔ کہ میں اپنی تمام عمر فارغ البالی سے بسر کر سکتی ہوں رہا حُسن وجمال، تو آخر اُسے زوال ہوتا ہے۔ ہاں اہلبیت کی خدمت دولت ابدی و سعادت سرمدی کا سبب ہے۔ اِس لئے میں نے حسینؑ ابن علی کرمؓ کو اِن سب پر ترجیح دی۔ چنانچہ اِس خاتون کا نکاح بھی حضرت امام علیہ السّلام سے ہُوا +

جب یزید کو خبر لگی کہ جس عورت کا وہ مشتاق تھا۔ اُس کی شادی حسینؑ ابن علی سے ہوگئی تو اُس کا دل بہت زیادہ ملول ہُوا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے کن کن حیلوں اور تدبیروں سے اُس عورت کو ابن زبیرؓ کے نکاح سے علیحدہ کیا۔ اور کیا کیا مصیبتیں اُس کے فراق میں اُٹھائیں افسوس کہ حسینؑ ابن علی کرمؓ نے اُسے بھی اپنے قبضہ میں لے لیا۔ میں ضرور اِس زیادتی کا بدلہ لوں گا +

عدوات و مخالفت اصلی کے علاوہ یہ ایک عداوت فرعی تھی۔ جس نے یزید کو قتل امامؑ پر ابھارا۔ اور آخر منشائے فطرت اِس حیلہ سے پُورا ہُوا +

امام مسلمؓ کوفہ میں

جناب امام حسین علیہ السلام نے خط لکھ کر قاصد کو دیا۔ اور اپنے چچا زاد بھائی حضرت مسلمؓ بن عقیلؓ بن ابی طالب سے فرمایا کہ تم کوفہ جاؤ (اسکے آگے دیکھو صفحہ ۳۹ سطر ۱۲ نیچے کوفہ کے متعلق فٹ نوٹ ہے)

حضرت عمر فاروق کے عہد حکومت میں جب مدائن وغیرہ فتح ہو چکے تو سپہ سالار لشکر اسلام سعد وقاصؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا۔ کہ عربوں کو مدائن کی ہوا مخالف ہے اس وجہ سے اُن کا رنگ روپ بدل گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اجازت دی کہ کوئی ایسی جگہ تلاش کرلو۔ جو دریائے فرات کے قریب ہو۔ جہاں کی زمین سبزہ زار اور آب و ہوا اچھی ہو۔ اور جو بری و بحری دونوں حیثیتوں سے برمحل ہو۔ چنانچہ سلیمانؓ و حذیفہؓ نے جو خاص اس قسم کے کاموں پر متعین تھے۔ کوفہ کی زمین پسند کی۔ کوفہ کے معنے ریتلی اور کنکریلی زمین کے ہیں۔ اس مناسبت سے اس شہر کا نام کوفہ رکھا گیا۔ یہ وہی موقعہ تھا۔ جہاں سے مورخین کے بیان کے مطابق حضرت نوحؑ کشتی پر سوار ہوئے۔ اور اہل عرب کے قول کے مطابق سانپ بعد وسوسہ دینے حوا کے یہیں اتارا گیا تھا۔ اس لئے آپ کے خیال کے مطابق کوفیوں میں اسی کے اثر سے دغابازی کا مادہ بہت بڑھا ہوا تھا۔ زمانہ قبل از اسلام میں نعمان بن منذر جو عراق و عرب کا حکمران تھا۔ اس کا دارالحکومت بھی اسی جگہ کے قریب واقعہ تھا۔ خاندان نعمان بن منذر کی مشہور آفاق عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی جگہ کے آس پاس تھیں منظر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل مغرب کو تھا۔ اہل عرب اس مقام کو خدالعذرا یعنے عارض محبوب کہتے تھے۔ کیونکہ وہ مختلف قسم کے عربی پھولوں مثلاً اقحوان۔ شقایق۔ قیصوم۔ خزامی کا چمن زار تھا۔ یہ شہر بعد میں ایسا مشہور ہوا کہ دریائے فرات اسی نام سے شہر کوفہ کہلانے لگا۔ غرض ۱۷ھ ہجری میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تصریح کے

ساتھ لکھا تھا۔ چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جُدا جُدا قبیلے جُدا جُدا محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وضع اور ساخت کے لئے خود حضرت عمرؓ کا تحریری حکم آیا تھا۔ کہ شارع ہائے عام چالیس چالیس ہاتھ اور اِس سے گھوٹ کر تیس تیس ہاتھ اور بیس بیس ہاتھ چوڑی رکھی جاویں۔ اور گلیاں سات سات ہاتھ چوڑی ہوں۔ جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربعہ بلند چبوترہ دیکر بنائی گئی تھی۔ اس قدر وسیع تھی۔ کہ اُس میں چالیس آدمی آ سکتے تھے۔ اِس کے ہر چہار طرف دور دور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی ❊

عمارتیں اوّل گھاس پھوس کی تھیں۔ لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے اجازت دی اور پختہ عمارتیں اینٹ گارے۔ پتھر اور سنگ مرمر سے تیار ہونے لگیں۔ اچھی عمارتوں کی لکڑیاں اور قیمتی پتھر مدائن کے شکستہ مکانوں سے لایا گیا۔ بازار سیدھے رکھے گئے۔ بیچا بیچ چوک میں ایک طرف عظیم الشان جامع مسجد تھی۔ اور دوسری طرف تجارت کی منڈی جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنایا گیا۔ جو دو سو ہاتھ لمبا تھا۔ اور سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ جو نوشیروانی عمارتوں سے نکال کر لائے گئے تھے۔ اِس موقعہ پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ باوجودیکہ نوشیروانی عمارات کا دراصل کوئی وارث نہ تھا۔ اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا۔ تو وہ خلیفہ وقت ہی تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کا یہ عدل و انصاف تھا۔ کہ مجوسی رعایا کو اِن ستونوں کی قیمت جزیہ میں مجرا دی گئی۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلہ پر ایوان حکومت تعمیر ہوا۔ جس میں بیت المال یعنے خزانے کا مکان بھی شامل تھا۔ اور ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا۔ جس میں باہر کے آتے جاتے مسافر قیام کرتے تھے۔ اور اُن کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔ سعد بن ابی وقاص نے جنہیں فارس میں رہ کر ایران کی آرائشوں

اور تکلفات کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ اپنے لئے بڑا مکلف محل بنوایا۔ جس کا دروازہ بڑا عالیشان تھا۔ جو مدائن کے خسرو فارس کے محل کا اکھڑوا کر منگایا تھا۔ جب اس محل کی خبر حضرت عمرؓ کو ہوئی تو آپ بہت ناراض ہوئے۔ کہ عرب کے لوگ عرب کی سادگی کو چھوڑ کر غیر ملکی تکلفات لایعنی میں مبتلا ہو کر اپنی شجاعانہ اوصاف نہ کھو دیں۔ اس لئے آپ نے سعد کو لکھا۔ کہ معلوم ہوا ہے تم نے اپنی رہائش کے لئے ایک قلعہ بنوایا ہے۔ سمجھ لو کہ وہ دوزخ کا محل ہے۔ میرے کارکن ہو کر تم ایسے محلوں میں رہو گے۔ جہاں غربا، مساکین اور مظلوموں کی تم تک رسائی نہ ہو سکے گی۔ اور چاروں طرف تمہارے علاقہ میں ظلم و ستم شروع ہو جاوے گا۔ آپ نے اسی پر اکتفا نہ کی۔ بلکہ محمدؐ بن مسلمہ کے نام تاکیدی حکم جاری فرمایا۔ کہ تم کوفہ پہنچکر سعد کے محل کو مسمار کرادو۔ یا آگ لگا کر جلادو۔ ہم نہیں چاہتے۔ کہ ہمارے اہلکار ایسے محلوں میں رہیں۔ کہ رعایا کو ان کے سامنے باریابی کی تکلیف ہو۔ محمدؐ بن مسلمہ نے کوفہ پہنچ کر اس محل کے دروازے کے پاس بہت سی لکڑیاں جمع کرا کر اس کو آگ لگادی۔ اور سعد نے کچھ عذر نہ کیا؛

چند روز کے بعد بیت المال میں چوری ہو گئی۔ اور چونکہ حضرت عمرؓ کو ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی۔ انہوں نے سعدؓ کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جاوے۔ چنانچہ روزبہ نام ایک پارسی معمار نے جو مشہور کاریگر تھا۔ اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا۔ نہایت خوبی اور موزونی سے ایوان حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روزبہ کو مع اور کاریگروں کے اس صلے میں دربار خلافت کو روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی بڑی قدردانی کی۔ اور ہمیشہ کے لئے روزینہ مقرر کر دیا۔ جامع مسجد کے سوا ہر ہر قبیلے کے لئے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ جو قبیلے آباد کئے گئے۔ ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے۔ اور قبائل جو آباد کئے گئے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ بنی سلیم۔ بنی ثقیف۔ بنی ہمدان

بنی بجیلہ - بنی ہوازن - بنی تغلب - بنی تمیم - بنی اسد - بنو اسد - وغیرہ وغیرہ

صحابہ میں سے ۱۰۵۰ بزرگوار آکر آباد ہوئے - جس میں سے ۲۴ بزرگ وہ تھے - جو جنگ بدر میں حضرت سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ سلم کے ساتھ شریک تھے - اِن بزرگوں کی بدولت حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے تھے اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کا درس گاہ بن گیا تھا - سفیان بن عینیہ جو ائمہ حدیث میں شامل ہیں کہتے تھے - کہ حج کے لئے مکہ - قرأت کے واسطے مدینہ اور حلال و حرام یعنے فقہ کے لئے کوفہ مستند ہے - یہ شہر حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ہی اِس عظمت و شان کو پہنچا - کہ جمعتہ العرب جح اللہ - کنز الایمان یا راس الاسلام مشہور ہو گیا - اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا - زمانہ مابعد میں اس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اس کو اپنا دار الحکومت بنایا - لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ نو آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے ۲۶۴ھ میں خلیفہ معتمد عباسی کے دوران حکومت میں علی بن زید علوی کے فتنہ و فساد کو فرو کرنے کے بعد جب خلیفہ کے حکم سے مردم شماری ہوئی تو پچاس ہزار گھر صرف قبیلہ ربیعہ و مضر کے اور ۲۴ ہزار دیگر قبایل کے تھے - اہل یمن کے چھ ہزار گھر ان کے علاوہ تھے - یعنی کم و بیش کل اسی ہزار گھر اور قریباً دو لاکھ نفوس کی آبادی شمار میں آئی ؀

زمانہ مابعد کے تغیرات اور ترقیوں نے اگرچہ قدیم آثارات کو قائم نہیں رکھا - تاہم یہ کچھ تعجب کی بات نہیں - کہ بعض بعض عمارات کے نشان زمانہ دراز تک قائم رہے - ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی ہجری میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا - اپنے مشہور آفاق سفرنامہ میں لکھتا ہے - کہ سعد بن وقاص نے جو ایوان بنایا تھا - اِس کی بنیاد اب بھی قائم ہے ؀

کوفہ کی علمی حیثیت یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے مشہور امام اور

علم فقہ کے امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ یہیں پیدا ہوئے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی۔ امام صاحب نے قاضی ابو یوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قایم کی وہ یہیں قائم کی۔ فن نحو کی ابتدا یہیں ہوئی۔ یعنے ابو الاسود دوئلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کئے۔ خط کوفی عربوں نے یہیں سے جاری کیا۔ حدیث و فقہ اور علوم عربیت کے بڑے بڑے آئمہ فن جو یہاں پیدا ہوئے ان میں ابراہیم نخعی۔ حماد۔ امام ابو حنیفہ امام شعبی یادگار زمانہ تھے۔

اب یہ شہر ویران ہوگیا ہے۔ اور اس کے کھنڈرات بغداد سے ۸۰ میل جنوب مغرب کو اس کی تباہی کا پتہ دے رہے ہیں۔

نیا کوفہ پرانے شہر کے پاس ہی اب پھر نیا قصبہ آباد ہو رہا ہے جو نجف اشرف سے ۴۔۵ میل کے فاصلہ پر ہے کاظمین اور بغداد سے یہانتک ٹریم گاڑی آتی ہے جیسے ۱۸۹۴ء میں لاہور میں تھی (جسے گھوڑے کھینچتے ہیں) یہ ٹریم دو منزلہ ہے۔ نئے شہر میں ایک نیا بازار دریا کے کنارے سے آباد ہوا ہے۔ مسجد کوفہ کے گرد جس کا اوپر بیان ہو چکا ہے۔ آجکل ایک بہت بڑی دیوار بنی ہوئی ہے مسجد کا عظیم الشان صحن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دار الامارت تھا۔ اب کچہری کے مکان کا نشان موجود ہے اور شہادت جس محراب میں ہوئی اسکا خوشنما بنگلہ بنا ہوا ہے۔ حضرت مسلم اور حضرت ہانی کے مزارات یہیں ایک دوسرے کے مقابل بنے ہوئے ہیں۔ یہ حضرات کوفیوں کی غداری سے پہلے بحکم عبداللہ بن زیاد قتل ہوئے تھے۔ نئے شہر کی آبادی دس بارہ ہزار کے قریب ہے۔ اور موجودہ عثمانی پارلیمنٹ کے عہد میں رونق بڑھتی جاتی ہے۔ کوفہ و کربلا کے درمیان کشتی چلتی ہے۔ اب وہاں برف کی مشین تک لگ گئی ہے۔"

اور وہاں پونچکر حالات و معاملات سے مجھے اطلاع دو تمہارا خط پہونچتے ہی میں بھی چلا آؤنگا۔ حضرت مسلمؓ تعمیل ارشاد کے لئے کمربستہ ہوئے۔ اپنے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو جو بغیر باپ کے تنہا نہیں رہ سکتے تھے ہمراہ لیا۔ اور کوفہ کی راہ لی۔ کوفہ پہنچکر آپ

دارِ مختار میں نزولِ کش ہوئے۔ یعنی مختار بن عبید کے گھر میں اُترے۔ جب کوفیوں کو خبر ہوئی کہ حضرت مسلمؓ کو امام عالی مقام نے اپنا جانشین بنا کر کوفہ میں بھیجا ہے۔ جوق جوق جمع ہونے لگے۔ اور اظہار عقیدت کرنے لگے۔ یہاں تک ہزاروں آدمی آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔ پھر آپ نعمان بن بشیر سے ملنے کے لئے گئے۔ اور اُسے حکم حسین علیہ السلام سُنایا۔ اُس نے وہ حکم نامہ سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا۔ اور کہنے لگا کہ ہم خادمان اہلبیت سے ہیں۔ زہے نصیب کہ امام حسین علیہ السلام ہمیں اپنی رعیت میں شمار کریں۔ ہمارے لئے یہ بات باعث صد افتخار اور موجب صد ابتہاج ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر اُس وقت کوفہ کے حاکم تھے۔ اور یزید کی حکومت سے وابستہ، اس لئے بظاہر اسباب تو کوفیوں کو منع کیا۔ لیکن حقیقت میں حضرت مسلمؓ کی طرفداری کو اپنے لئے باعث نجات سمجھا۔

اہل کوفہ چونکہ یزید کے استبداد سے تنگ آ گئے تھے۔ اس لئے اُنہوں نے حضرت مسلمؓ کے گرد پروانوں کی طرح ہجوم کر لیا۔ اور باختلاف روایات ۱۲ ہزار سے چالیس ہزار تک کوفہ والے آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔

جب عمارہ ابن ولید بن عقبہ، عبداللہ ابن مسلمؓ، اور مسلم ابن یزید خضری نے جناب مسلمؓ ابن عقیل کی طرف کوفے والوں کا رجحان طبیعت اس درجہ بڑھا ہوا پایا۔ تو اُنہوں نے فوراً ایک خط یزید کو لکھا کہ تم کس خواب خرگوش میں ہو۔ کوفہ میں تو جناب امام عالی مقام کی خلافت کا جھنڈا دست مسلمؓ بن عقیل سے گڑ گیا۔ تمام کوفے والے اُن کے ساتھ اظہار عقیدت مندی کر رہے ہیں۔ اُن کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں۔ اُن کی عزت کرتے ہیں۔ ادب کرتے ہیں۔ مہمان نوازیوں پر کمربستہ ہیں۔ اگر چند روز اور یہی حال رہا تو سارا کوفہ حجازی خلافت کے زیر سایہ اقتدار آ جائے گا اور شامیوں کی خلافت زائل ہو جائے گی۔ اگر اپنی خیر چاہتے ہو۔ اور کوفہ پر تسلط رکھنا مقصود ہے۔ تو فوراً کسی دوسرے حاکم کو روانہ کرو، جو رعب و داب اور حکومت اور حکمت عملی میں نعمان بن بشیر سے زیادہ چست و چالاک ہو اور حسین علیہ السلام کی بڑھتی ہوئی قدر و منزلت کو اپنے جلال سے روک دے۔ ابھی تک تو خیر ہے کہ صرف جناب

امام کا ایک سفیر یہاں آیا ہے۔ لیکن خبر ہے۔ کہ اب وہ خود بھی مع احباب و انصار ادھر آنے والے ہیں۔ اگر ایسا ہُوا تو پھر کوئی حیلہ مقاومت باقی نہ رہے گا۔ اور سلطنت عراق و عرب تمہارے ہاتھ سے چھین کر حجازیوں کے ہاتھ چلی جائے گی ۔

جب یہ خبر یزید کے پاس پہنچی تو اُس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اُس نے اوسی وقت سرجون رُومی سے مشورہ کیا۔ سرجون رُومی اُس کی سلطنت کا ایک بڑا مُدبر رکن تھا کہنے لگا۔ کہ عبیداللہ ابن زیاد کو بصرہ سے منتقل کر کے کوفہ کے تختِ نیابت پر فوراً بٹھا دینا چاہیئے اور اُسے حکم دیدینا چاہیئے۔ کہ وہ فوج مسلمؑ اور عقیدتمندان جناب امام حسین علیہ السلام کے ساتھ درشتی اور قسی القلبی کے ساتھ پیش آئے۔ اگر وہ مقابلہ کریں تو اُنہیں قتل کر ڈالے ۔

یزید کے دل میں سرجون رُومی کا یہ مشورہ گھر کر گیا۔ اُس نے فوراً ابن زیاد کو ایک نامہ لکھا کہ میں نے تمہیں کوفہ کا حاکم کیا۔ بصرہ میں کسی اپنے عزیز کو حکومت سپرد کر کے فوراً کوفہ جاؤ۔ اور وہاں جو ہنگامہ عقیدتمندان حسین علیہ السلام نے برپا کر رکھا ہے۔ اُسے فوراً فرو کر دو، اور مسلمؑ بن عقیل کا سر کاٹ کے میرے دربار میں بھیجدو ۔

ابن زیاد نے جو حقیقت میں ایک شقی القلب اور دشمن اہلبیت بڑا چالاک غدار ناخدا ترس اور فتنہ پرداز تھا۔ اس نامہ کے پہونچتے ہی اپنے بھائی کو بصرہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور خود ایک فوج جرار لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا ۔

ادھر تو دشمنان اہلبیت اس گھات میں لگے ہوئے تھے۔ اُدھر اہل کوفہ آمد جناب امام عالی مقام کے منتظر تھے۔ اور حضرت مسلمؓ سے اصرار کرتے تھے۔ کہ سبط الرسول صلے اللہ علیہ وسلم کو جس طرح بنے جلد بُلا لیجئے۔ اُن کے اصرار سے مجبور ہو کر اور اُن کی عقیدتمندی کا جوش دیکھ دیکھ کر حضرت مسلمؓ نے ایک خط جناب امام کو لکھ دیا۔ کہ اہل کوفہ حقیقت میں سچے خلوص والے ہیں۔ آپ کی زیارت کے بے حد مشتاق ہیں۔ آپ کل کے آتے آج ہی کوفہ تشریف لے آئیے۔ اور اپنے مشتاقانِ جمال کو اپنا جمالِ باکمال دکھا کر تسکین دیجئے ۔

اے خوشا روزے کہ از الطاف رب العالمین　وصل تو روزی شود و اللہ خیر الرازقین

عبید اللہ ابن زیاد بصرہ سے روانہ ہو کر قادسیہ میں فروکش ہوا، اپنے لشکر کو وہیں خیمہ زن کیا۔ اور یہ فطرت کی کہ ایک سیاہ عمامہ سر سے باندھ کر حجازیوں کے لباس میں ایک اونٹ پر سوار ہو کر اُس راہ سے جو مکہ سے کوفہ کو آتی تھی چلا اور مابین مغرب و عشا قریب کوفہ پہونچا۔

یہاں جناب امام علیہ السلام کے مشتاق رات دن آپ کے اشتیاق میں بے چین تھے اور کوفہ سے نکل نکل کر آپ کا انتظار کیا کرتے تھے۔ جب انہوں نے ایک شتر سوار کو لباس حجازی میں آتے دیکھا۔ سمجھے کہ جناب امام عالی مقام تشریف لے آئے۔ بس مَرْحَبًا بِکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ صلے اللہ علیہ وسلم کہتے ہوئے دوڑے۔ پورے جوش اور سچے حسن عقیدت کے ساتھ استقبال کیا۔ ابن زیاد نے آہستہ سے علیکم السلام کہا۔ کوفہ میں داخل ہو گیا۔

روایت ہے کہ اہل کوفہ میں سے حضرت عمر باہلی نے ابن زیاد کو پہچانا اور بہ آواز بلند جماعت اہل کوفہ سے کہا کہ وَیْلَکُمْ ہٰذَا عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنِ زِیَادٍ یعنی خدا انہیں غارت کرے۔ یہ تو عبید اللہ زیاد کا بیٹا ہے۔

غرضکہ ابن زیاد کوفہ میں پہونچکر دار الامارت میں گیا وہاں نعمان بن بشیر حاکم کوفہ سے ملا اور کہنے لگا۔ کہ افسوس تم نے تمام اہل کوفہ کو بیعت امام عالی مقام پر مستور کر دیا۔ اور مسلم رضی بن عقیل کی آمد کی خبر نہ مجھ کو دی نہ یزید کو کوئی اطلاع بھیجی۔ لو یہ یزید کا حکم نامہ ہے اسے پڑھو اور اپنی غفلتوں کا نتیجہ دیکھو۔

اُس خط میں لکھا تھا۔ کہ ہم نے نعمان بن بشیر حاکم کوفہ کو معزول کیا۔ اور اس کی بجائے عبید اللہ ابن زیاد کو حاکم کوفہ مقرر کیا۔ نعمان کو چاہیئے۔ کہ تمام انتظام کوفہ کا عبید اللہ کے سپرد کر کے ہماری بیعت میں داخل ہو۔

جب نعمان بن بشیر نے یہ فرمان دیکھا فرمایا کہ میں خلافت اور حکومت کے بارہ میں اللہ کی اطاعت قبول کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر عنان حکومت عبید اللہ کے ہاتھ میں دیدی۔ اور خود اُس کے حکم کے مطابق ایک مکان میں جو اُس نے بتا دیا تھا۔ اپنا سامان اُٹھا لے گئے۔

اس اطاعت گزینی سے غرض یہ تھی۔ کہ کہیں یزید کی آتش عداوت فوراً ہی نہ بھڑک اُٹھے۔ اور ان کا انکار وارالامارۃ ہی میں تلوار نہ پہلا دے۔ اور ان کے وہاں نظر بند کر دینے میں ابن زیاد کی مصلحت یہ تھی۔ کہ نعمان اگر کوفہ سے باہر چلے جائینگے تو سازش کا اندیشہ ہے اس لئے ایسا کیا گیا۔

حضرت نعمان ان باتوں کو اسباب مشیت سمجھتے تھے۔ اس لئے خاموش تھے۔ لیکن باطناً اہلبیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ سلم کے سچے فدائی اور عقیدتمند تھے۔

صبح ہوئی تو ابن زیاد نے جامع کوفہ میں اپنا پہلا دربار کیا۔ اور تمام اہل کوفہ کو اذن عام دیا۔ لوگ اس قدر جمع ہوئے۔ کہ مسجد کوفہ میں اندر باہر تل رکھنے کی بھی جگہ نہ تھی۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے۔ تو ابن زیاد ایک شاندار بھڑکیلے لباس میں آیا۔ منبر پر بیٹھا اور کہنے لگا۔

اے اہل کوفہ تم کس قدر کمزور خیال اور بد عقیدت لوگ ہو کہ ایک حجازی کی رعیت بننے پر تمہارے دل آمادہ ہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے۔ کہ اس وقت دمشق کا حاکم یزید ہے۔ جس کے پاس بے شمار لشکر جرار ہے۔ جو بہادر معاویہ کا منچلا نوجوان لڑکا ہے۔ اُسے تمہاری ہر بات کی خبر ہے۔ اور وہ تمہاری ان حرکتوں کو نہایت نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ تم جس کی طرف راغب ہو وہ ایک غریب عیالدار سیدھا سادھا آدمی ہے۔ نہ اُس کے پاس فوج ہے نہ لشکر ہے نہ روپیہ ہے نہ مال ہے نہ خزانہ ہے۔ اُس کی مفلسی کا حال کس پر روشن نہیں ہے۔ افسوس کہ تم نے اُس کے فریب کا کچھ خیال نہ کیا اور اُس کے ایلچی کے ہاتھ پر بیعت کر بیٹھے۔ اب صبح شام میں شام کا لشکر جرار آنے والا ہے۔ دیکھیں تم میں کون سورما ہے۔ جو اُس لشکر کے نوجوانوں کا مقابلہ کرے جب وہ لشکر ٹڈی دل کی طرح کوفہ کی سرزمین پر پہنچا جائے گا۔ تو تمہارا اور تمہارے سرداروں کا پتہ بھی نہ لگے گا۔ تم سب کاٹ کے ڈال دیئے جاؤ گے۔ تمہارے بچے ذبح کر ڈالے جائیں گے۔ تمہارے رہنے کے مکان کھود ڈالکر پھینک دیئے جائیں گے۔ اور تمہارا مال اسباب جلوا دیا جائے گا۔

اس خطبہ کو سُن کر اہل کوفہ کے دل کانپ گئے، وہ لرز اُٹھے اور کہنے لگے کہ ہم تو رعیت ہیں۔ خواہ ہم پر یزید حکومت کرے یا کوئی اور۔ لیکن اگر بیعت حسین علیہ السلام میں ایسی بربادی ہے۔ تو ہم اُن کی بیعت توڑنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ سن کر ابن زیاد تو دار الخلافہ میں داخل ہو گیا۔ اور لوگ ڈرتے کانپتے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ لیکن امام مسلمؑ کے پاس کوئی بھی نہ پہنچا۔ جب یہ خبر حضرت مسلمؓ کو معلوم ہوئی تو آپ مع بچوں کے ہانیؓ ابن عروہ کے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے۔ کہ اے ہانیؓ جب سے زیاد بد نہاد کوفہ میں آیا ہے۔ اہل کوفہ کا رُخ کچھ پھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ میرے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر تم اجازت دو اور اپنی پناہ میں لو تو میں کچھ روز یہاں قیام کروں ہانیؓ ابن عروہ دست بستہ عرض کرنے لگے۔ کہ یہ مکان حضور ہی کا ہے۔ شوق سے رہئے۔ غلام آپ کی ہر خدمت کے لئے تیار ہے ؎

رہئے یہاں شوق سے آرام سے ہم کو خبر دیجئے ہر کام سے

حضرت ہانیؓ اصحاب رسُول کبار میں ایک بڑے پایہ کے بزرگ تھے آپ نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں دیکھی تھیں۔ اُن کی ہمنشینی و ہم جلیسی سے فیض اُٹھایا تھا۔ اور اہلبیت اطہار کے بہت زیاد خدمت گذار اور دوستدار تھے۔ آپ کی عمر اس وقت ۸۹ برس کی تھی +

غرضکہ حضرت مسلمؑ اُن کے مکان میں پناہ گزین ہوئے۔ اور پوشیدہ طور پر وہیں رہنے سہنے لگے۔ جب ابن زیاد نے دیکھا کہ اہل کوفہ تو اُس کی تہدید و تخویف سے ڈر گئے۔ اور بیعت امام حسین علیہ السلام سے انکار کرنے لگے۔ تو اُسے فکر ہوئی۔ کہ کسی طرح امام مسلمؑ کو تلاش کر کے قتل کر ڈالے۔ تاکہ کوفہ سے شر و فساد کی بنیاد ہٹ جائے +

مگر حضرت مسلمؓ ہانیؓ کے مکان میں ایسے چھپے تھے کہ کسی کو اُن کا حال معلوم نہ تھا۔ جو لوگ سچے عقیدتمند تھے۔ اُن میں سے بعض بعض آپ کے پاس کبھی کبھی آجاتے تھے۔ ورنہ عام طور پر آپ لوگوں سے ملنے کے لئے مصلحتاً تیار نہ تھے ا

جب ابن زیاد کو آپ کا پتہ لگا۔ تو اُس فریبی نے پھر مکر و فریب سے کام لیا۔ اپنے ایک غلام کو جس کا نام معقل تھا۔ تین ہزار درم دیئے اور کہا کہ تو کوفہ میں شیعان علی کرم کو تلاش کر جو اُن کا دوستدار ملے اُس سے کہہ کہ میں یہ تین ہزار درم مسلمؓ بن عقیل کے لئے لایا ہوں اُن کی نذر کرونگا۔ اِس حیلہ سے کوئی نہ کوئی تجھے مسلمؓ تک پہونچا دے گا۔ اُن کی جائے قیام معلوم کرکے تو میرے پاس فوراً آجانا اور اُن کے حالات سے مجھے اطلاع دینا۔ اگر تو کامیاب ہوا تو میں تجھے علاوہ بے حد زر و مال دینے کے آزاد کردونگا +

معقل، بد نہاد معقل، تین ہزار دینار کی تھیلی لے کر مسجد میں آیا اور بھانپنے لگا کہ یہاں کوئی نہ کوئی ایسا شخص ضرور ملجائے گا۔ جس سے مجھے مسلمؓ کا حال معلوم ہو وہ اِسی فکر میں تھا۔ کہ اُس کی نظر مسلم ابن عوسجہ پر پڑی جو اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ اور خشوع و خضوع میں مصروف تھے اُن کے آثار بزرگی سے معقل سمجھ گیا۔ کہ اِن سے ضرور کام چل جائے گا۔ بس اُن کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو کہنے لگا۔ کہ یاحضرت میں شام سے حاضر ہوا ہوں میں نے سُنا ہے کہ حضرت مسلمؓ بن عقیل یہاں کوفہ میں تبلیغ کے لئے تشریف لائے ہیں۔ اور ابن زیاد اُن کے خلاف لوگوں کو اُبھار رہا ہے۔ میں اہلبیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا سچا غمگسار اور عقیدتمند ہوں۔ میرے پاس تین ہزار درم ہیں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ اگر آپ حضرت مسلمؓ کا پتہ مجھے بتادیں تو میں یہ دینار اُن کی نذر کردوں تاکہ وہ بھی سامان جنگ بآسانی تیار کرسکیں۔ مسلمؓ بن عوسجہ نے فرمایا کہ تو نے کیسے جانا کہ مجھے اُن کا پتہ معلوم ہے وہ کہنے لگا۔ کہ آپ کی نورانی صورت، پاکیزہ لباس، اور مصروفیت نماز اس بات کا پتہ دے رہی ہے کہ آپ محبان اہلبیت سے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں تو نے سچ کہا ہے ؎

شکل چھپتی ہی نہیں اُنکے طلبگار وں کی ۔۔۔ جو نگاہوں سے ٹپکے وہ محبت کیا ہے

اور کہنے لگا کہ مسجد میں قسم کھا کہ میں اگر حضرت مسلمؓ کے راز سے واقف ہوجاؤں گا۔ تو کسی کو اطلاع نہ دونگا۔ معقل نے قسم کھائی۔ آپ اُسے لیکر حضرت ہانیؓ کے گھر آئے اور حضرت مسلمؓ سے سارا واقعہ بیان کرکے اُسے آپ کے سامنے حاضر کیا

معقل نے حضرت مسلمؓ کے قدم چُومے ۔ وہ تین ہزار دینار آپ کی نذر کئے ۔ آپ کے ہاتھ پر بعیت کی ۔ اور عقیدتمندانہ طریق پر ایک طرف ہو بیٹھا ۔ حضرت مسلمؓ نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھوا کر اُس سے قسم لی کہ وہ کسی صحبت میں بھی یہ راز کسی پر فاش نہ کریگا ۔ اُس نے قسم کھائی اور اُس دن رات تک وہیں رہا ۔ اور تمام حالات سے اطلاع پاکر مردود ازلی رات کو وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور سیدھا ابن زیاد کے پاس پہنچا ۔ وہ اِسے کامیاب دیکھکر بہت خوش ہوا ۔ اور اُس سے حالات دریافت کئے ۔ معقل نے جو کچھ دیکھا تھا ۔ سب من وعن کہدیا ۔ اور پتہ بتادیا ۔ کہ حضرت مسلمؓ ہانی کے مکان میں چھپے ہوئے ہیں +

دوسرے دن جب اسماء بن خارجہ اور محمدؐ اشعث ابن زیاد کی مجلس میں آئے تو اُس نے دریافت کیا کہ آجکل ہانی بن عروہ کہاں ہے ۔ وہ کئی روز سے نظر نہیں آتا ۔ وہ بولے کہ ہانی بیمار ہے ۔ اِس لئے حاضر نہیں ہوا ۔ ابن زیاد نے کہا کہ نہیں مینے سُنا ہے وہ اب اچھا ہے ۔ غالباً کوئی وجہ مانع ہے ۔ کہ ہمارے سلام تک کو نہیں آتا اگر ممکن ہو تو اُس کو بُلا لاؤ +

اسماء بن خارجہ اور محمدؐ اشعث ہانی کے گھر پہنچے اور اُسے بمنت وسماجت سوار کرکے ابن زیاد کی طرف لائے ۔ جب ہانی کوشک کے دروازہ پر پہنچے تو کہنے لگے ۔ کہ مجھے قصر زیاد سے بوئے فساد آتی ہے ۔ ہمراہیوں نے کہا کہ آپ ایسے وسواس دل سے نکال ڈالئے ۔ کسی قسم کے فساد وعناد کا اندیشہ نہ کیجئے ۔ ابن زیاد تو آپ کا مشتاق دیدار ہے +

غرضکہ حضرت ہانیؓ جب ابن زیاد کے پاس پہنچے تو انہیں بٹھایا ۔ مزاج پوچھا ۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا ۔ حضرت ہانی نے دریافت کیا ۔ کہ ایسا کیا واقعہ پیش آیا ۔ جو آپنے بندہ درگاہ کو یاد فرمایا ۔ ابن زیاد بولا کہ اے ہانی اس سے بڑا واقعہ کیا ہوگا ۔ کہ تم نے مسلمؑ بن عقیل کو اپنے گھر میں چُھپا رکھا ہے ۔ اور معتقدین امام ومخالفین یزید کو تم پناہ دیتے ہو ۔ حضرت ہانیؓ نے فرمایا کہ یہ بالکل غلط ہے ۔ ابن زیاد نے کہا کہ نہیں تم جھوٹ بولتے ہو اور شاید تمہیں خیال ہے ۔ کہ میں تمہارے کاموں سے غافل ہوں

یہ کہا اور معقل کو آواز دی۔ جب وہ آیا تو حضرت ہانیؓ سے کہنے لگا کہ تم اس شخص کو جانتے ہو۔ حضرت ہانیؓ نے اُس کو پہچانا تو ندامت اور خجالت سے آب آب ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ اے امیر خدا کی قسم میں نے مسلمؑ بن عقیل کو خود نہیں بُلایا۔ بلکہ وہ خوف زدہ ہو کر اپنے بچوں کو لئے ہوئے خود ہی طالب پناہ ہوئے۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ پناہ نہ دینا خلافِ دستورِ عرب ہے۔ انہیں ایک رات کے لئے اپنے گھر میں پناہ دیدی۔ اب میں جاتے ہی اُن سے عذر کر دونگا۔ کہ وہ میرے مکان سے کہیں اور چلے جائیں ابن زیاد کہنے لگا۔ کہ اے ہانیؓ جب تک تم مسلمؓ کو میرے پاس حاضر نہ کرو گے یہاں سے نہیں جا سکتے۔ حضرت ہانیؓ کی رگ حمیت جوش میں آگئی۔ خون حریت جس میں صحبت مصطفےٰ کی وفادار ہوائیں جذب ہو چکی تھیں۔ بدن کی رگ رگ میں تیزی کے ساتھ دوڑنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اے ابن زیاد یہ نہیں ہو سکتا کہ جس نے میرے گھر میں پناہ لی ہے میں اُسے دشمن کے سپرد کر دوں ؎

صفتِ عاشقِ صادق بہ حقیقت آنست　　　کہ گرش سر برود از سر پیمان نرود

حریت کا سب سے پہلا فدائی

جب حضرت ہانیؓ سے یہ کلمات ابن زیاد نے سُنے تو آپ کو وہیں قید کر دیا اسماء بن خارجہ نے جب یہ حال دیکھا تو کہنے لگے۔ کہ اے ابن زیاد یہ کیا غداری ہے۔ تو نے تو ہم سے حضرت ہانیؓ کے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا تھا۔ اور اب تو اُن کے ساتھ اِس شقاوت سے پیش آیا۔ کیا شانِ حکومت کے یہی معنی ہیں۔ ابن زیاد اس کا کچھ جواب تو نہ دے سکا۔ لیکن خشم آلود ہو کر حکم دیا کہ اسماء کو اتنا مارو کہ وہ مر جائے۔ تعمیل حکم کی گئی۔ اور حضرت اسماء کو نابکاروں نے اس قدر زدوکوب کیا۔ کہ آپ جانِ بحق ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

کوفہ میں پہلا جانباز

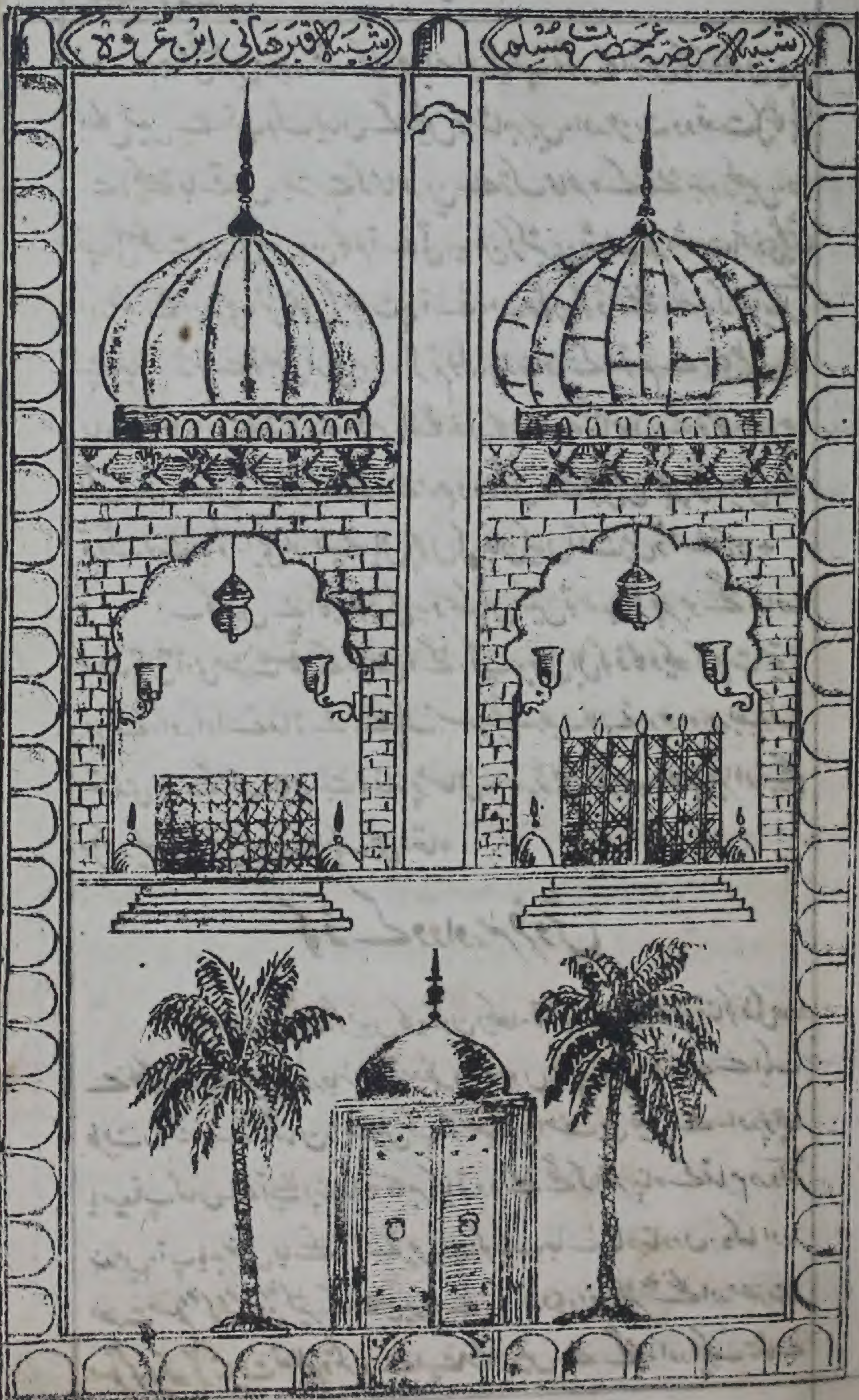
اِس کے بعد حضرت ہانیؓ کو ابن زیاد نے غصّہ اور غضب کے ساتھ پھر اپنے سامنے بُلایا۔ اور پوچھا کہ اے ہانیؓ سچ بتاؤ تم اپنی جان کو عزیز سمجھتے ہو یا مسلمؓ بن عقیل کی۔ حضرت ہانیؓ نے فرمایا۔ کہ اے ابنِ زیاد ایک جان کیا اگر ہزار جانیں بھی خدا مجھ کو دے تو میں حضرت مسلمؓ پر فدا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ابن زیاد نے جب یہ سُنا تو غلاموں کو حکم دیا کہ ہانیؓ کو شکنجہ میں کھینچو اور کوڑے لگاؤ۔ چنانچہ ناخدا ترس غلاموں نے حضرت ہانیؓ کو شکنجہ میں کھینچدیا۔ اور کوڑے لگانے شروع کئے۔ حضرت ہانی کی عمر اُس وقت ۹۸ یا ۹۹ سال کی تھی *

بعض حاضرین دربار نے عرض کیا۔ کہ اے ابن زیاد ہانیؓ اصحاب رُسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں سے ہیں۔ اُنہیں اِس قدر تکلیف نہ دے۔ ابن زیاد نے آپ کو شکنجہ میں سے نکلوایا۔ مگر ساتھ ہی آپ کی رُوح بھی جسم سے نکل گئی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون *

کوفیوں کی تلوّن مزاجی

جب حضرت مسلمؓ نے حضرت ہانیؓ کی شہادت کی خبر سُنی تو آپ نے اپنے دونوں بچوں کو قاضی شریح کے گھر بھیجدیا۔ اور خود بازار کوفہ میں آکر بہ آواز بلند فرمانے لگے کہ کیا اِس شہر میں اب کوئی اہلبیت رُسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دوستدار نہیں ہے اگر کوئی ہے۔ تو آئے اور میرا ساتھ دے *

یہ ہاشمی نعرہ، یہ حجازی منادی، ایسی نہ تھی جو اپنا اثر نہ کرتی۔ یکبارگی بیس ہزار لوگوں کی جمعیت حضرت مسلمؓ کے اردگرد نظر آنے لگی۔ آپ اِن سب کو اپنے ہمراہ لے کر ابن زیاد کے محل کی طرف چلے۔ اور وہاں پہنچکر اُس کا محاصرہ کر لیا۔ ابن زیاد نے دیکھا کہ اب بڑی خرابی ہوئی۔ سارا شہر مسلمؓ کا طرفدار ہوگیا ہے۔ میرے محل کا محاصرہ کر لیا گیا ہے اس لئے وہ سوچنے لگا۔ کہ کیا کرنا چاہئے۔ اتنے میں اُسے ایک بات یاد آئی۔ اور وہ اکابر


شبیہ روضۂ حضرت مسلم
شبیہ قبر ہانی ابن عروہ

کوفہ سے جو اُس وقت وہیں موجود تھے۔ کہنے لگا۔ کہ صاحبو کیا آپ لوگوں کا اثر اِن کوفہ والوں پر بالکل نہیں ہے۔ آپ لوگ یہاں کے رئیس و مشاہیر ہیں۔ اور عزت و وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے جاتے ہیں۔ بہتر ہے کہ محاصرین سے ترک محاصرہ کے لئے عرض کریں۔ ورنہ آپ کی عظمت و بزرگی کس دن کام آئے گی۔ یہ سُن کر کثیر بن شہاب محمدؐ اشعث ہشمر ذی الجوشن اور شیبث بن ربعی اُس محل کی چھت پر آئے، اور لوگوں کو ڈانٹنے لگے۔ کہ فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ شام سے فوجیں آرہی ہیں۔ اگر تم لوگ باز نہ آؤ گے۔ تو تم سے بُری طرح بدلہ لیا جائے گا۔ ابن زیاد کہتا ہے۔ کہ میں گنہگاروں کا بدلہ بے گناہوں سے لونگا۔ اور جو لوگ موجود نہ ہوں گے اُن کے بدلے موجودہ لوگوں سے اچھی طرح سمجھونگا۔ اِس لئے تم لوگ لوٹ جاؤ۔ اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان کیوں آفت میں ڈالتے ہو ٭

جب کوفیوں نے اکابر کوفہ کی یہ دہمکیاں سُنیں تو سب تِتر بِتر ہو گئے۔ اور صرف تیس ۳۰ آدمی حضرت مسلمؑ کے ساتھ رہ گئے۔ آپ یہ حال اہل کوفہ کا دیکھ کر بہت متحیر ہوئے۔ اور ادائے نماز کے لئے ایک مسجد میں تشریف لائے موجودہ اور بقیہ لوگ مقتدی ہوئے۔ آپ امام بنے، نماز پڑھائی، اور پڑھی، مگر جب سلام پھیرا اور پیچھے مڑ کر دیکھا تو اُن تیس ۳۰ میں سے ایک بھی نہ تھا ٭

کوفہ کے دو اور سرفروش

جب حضرت مسلمؑ نے کوفیوں کا یہ تلون دیکھا۔ تو آپ نے چاہا کہ تن تنہا کوفہ کی حدود سے نکلکر باہر چلے جائیں اور جانب مکہ معظمہ عازم ہوں۔ آپ اِس ارادے سے ایک طرف روانہ ہوئے ناگہاں راستہ میں آپ کو سعید بن احنف بن قیس ملے۔ اور پوچھا یا سید آپ کہاں چلے آپ نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو وہ کہنے لگے کہ شہر پناہ کے تمام دروازے بند ہیں۔ آپ باہر نہیں جا سکتے۔ آئیے میں آپ کو ایک جائے پناہ بتا دوں۔ یہ کہا اور حضرت مسلمؑ کو محمدؐ ابن کثیر کے مکان پر لائے۔ آواز دی، ابن کثیرؓ نکلے اور حضرت مسلمؑ کو دیکھ کر نہایت تعظیم و تکریم سے اپنے مکان میں لے گئے۔ اور ایک تہ خانے

میں آپ کو چھپا دیا۔

جب یہ خبر ابن زیاد بدنہاد کو پہونچی کہ ابن کثیرؓ نے حضرت مسلمؑ کو پناہ دی ہے۔ اپنے بیٹے خالد کو بلایا اور ایک فوج کثیر اُس کے ساتھ کر کے حکم دیا کہ محمدؓ ابن کثیر اور اُس کے فرزند کو معہ مسلمؑ کے فوراً گرفتار کر لائے۔ خالد بن زیاد یہ حکم سُنتے ہی معہ ہمراہیوں کے ابن کثیرؓ کے مکان پر پہنچا اور مکان کو محصور کر کے اندر داخل ہوا۔ لیکن حضرت مسلمؑ کا کہیں پتہ نہ چلا۔ ابھی یہ اسی تلاش و تردد میں تھا۔ کہ قبیلۂ ابن کثیرؓ کے دس ہزار جوان مدد کے لئے آپہنچے اور دروازۂ مکان کے متصل خالد کی فوج سے برسرِ پیکار ہو گئے۔ جب خالد نے یہ خبر پائی فوراً ابن کثیرؓ زندہ ہیں، کچھ زیاد تعرض نہیں کیا۔ اور وہاں سے اپنے اپنے گھر لوٹ گئے۔

جب حضرت مسلمؑ کا کہیں سراغ نہ لگا تو خالد بن زیاد ابن کثیرؓ کو صبح دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیکر واپس چلا گیا۔ جب صبح ہوئی تو عامر بن طفیل دس ہزار لشکر جرار لیکر ابن زیاد کی مدد کو شام سے کوفہ میں آپہونچا۔ اب تو ابن زیاد کی ہمت اور بھی زیادہ ہو گئی۔

جب ابن جیرو کثیرؓ معہ اپنے فرزند کے حاضر ہوئے تو ابن زیاد نے اُن سے کہا کہ اے ابن کثیرؓ تمہیں اپنی جان پیاری ہے یا مسلمؓ کی۔ خیر اسی میں ہے کہ مسلمؓ کو میرے حوالے کرو ورنہ تمہارا بھی وہی حال ہوگا۔ جو ہانیؓ بن عروہ کا ہوا۔

حضرت ابن کثیرؓ نے فرمایا کہ اے ابن زیاد یہ نہ سمجھنا کہ میں تنہا اور مجبور ہوں۔ میرے ساتھ تیس۳۰ - چالیس۴۰ ہزار آدمی خون پانی ایک کرنے کو موجود ہیں۔ اگر تو میرا خون بہائیگا تو کوفہ میں لہو کی ندیاں بہ جائیں گی۔ باقی رہا حضرت مسلمؓ کا سوال۔ تو تو کیا خبر ہے۔ اگر تجھ جیسے ہزار دشمن اہلبیت بھی آمادہ فساد ہو جائیں تو بھی حضرت مسلمؓ کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ ابن زیاد نے جب یہ کلمے سُنے مارے غصّے کے کانپ گیا اور دوات جو اُس کے سامنے رکھی تھی اُٹھا کر پھینکی۔ جو محمدؓ کثیر کی پیشانی کو زخمی کرتی ہوئی چہار پہار ہو گئی۔ حضرت محمدؓ کثیر کو غصہ آگیا۔ اور آپ نے فوراً تلوار میان سے نکال لی۔ اور چاہا کہ ابن زیاد پر وار کریں کہ اکابر کوفہ نے جو اُس وقت وہاں موجود تھے۔ ابن کثیرؓ کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ شامت کا مارا معقل تلوار حمائل کئے ہوئے وہیں کھڑا تھا۔ حضرت

ابن کثیرؓ نے فوراً اُس کی تلوار پر قبضہ کیا۔ اور ایک ہاتھ اُس کے ایسا مارا کہ لکڑی کی طرح دو ہو کر رہ گیا۔ ابن زیاد یہ دیکھ کر بھاگ نکلا، اور غلاموں کو حکم دیا کہ دیکھتے کیا ہو۔ ابن کثیرؓ کو جلد سزا دو۔ غلام یہ سنکر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے۔ ابن کثیرؓ نے اُن میں سے دس کو کونی الٹا کیا۔ آخر آپ کا پاؤں کسی چیز میں اُلجھ گیا۔ اور آپ گر پڑے۔ غلاموں نے یہ موقعہ غنیمت سمجھا۔ اور آپ کو شہید کر ڈالا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون ٭

حضرت محمد ابن کثیرؓ کے صاحبزادے نے جب دیکھا کہ باپ کو ظالموں نے شہید کر ڈالا تو آپ نے تلوار ہاتھ میں لی۔ اور دروازۂ قصر کی طرف بے باگانہ دوڑے۔ راستے میں بیس سرداروں کو قتل کیا۔ آپ دروازہ تک پہنچے ہی تھے کہ ایک ظالم نے پیچھے سے ایک ایسا نیزہ مارا کہ وار پار ہو گیا۔ اور آپ بھی جان بحق ہو گئے ٭

اس واقعہ کے بعد لشکر ابن زیاد اور قبیلۂ ابن کثیرؓ میں سخت مجادلہ ہوا۔ اور رات تک ہوتا رہا۔ ابن زیاد کے بہت سے آدمی کام آئے۔ آخر اُس فطرتی نے پوچھا کہ ابن کثیرؓ اور اُن کے فرزند کے سر بدن سے جدا کر کے رزمگاہ میں پھینکدو۔ ان سروں کو دیکھ کر قبیلۂ کثیر کی ہمتیں لم ہو جائیں گی۔ اور وہ گھبرا کر زمین چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جس وقت یہ دونوں سر لشکر میں آکر پڑے تمام کوفی وہاں سے بھاگ نکلے اور سب کے جی چھوٹ گئے۔ حتیٰ کہ جب ذرا زیادہ رات آئی تو قبیلۂ کثیر میں سے ایک آدمی بھی موجود نہ تھا ٭

جب حضرت مسلمؑ کو محمد ابن کثیر اور اُن کے فرزند کی شہادت کا حال معلوم ہوا۔ تو آپ بے حد افسوس کرتے ہوئے گھر سے باہر نکلے اور کوفہ میں گشت لگانے لگے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ لڑائی کے تمام سامان موجود ہیں شامیوں نے اپنی فوجوں کو آراستہ کر لیا ہے۔ محکم بن طفیل کی سپہ سالاری میں دو ہزار سوار، خالد ابن زیاد کی نگرانی میں دو ہزار لشکری، اور حازم شامی کی سرگردگی میں بھی دو ہزار جرار شامی موجود ہیں۔ رات بھر آپ کوفہ کی مسجدوں میں حیران و پریشان پھرتے رہے۔ بھوکے پیاسے اداس بے کس و بے آس، نہ کوئی مونس نہ غمگسار نہ کوئی ہمدم نہ جان نثار۔ اسی حال میں

جب صبح ہونے کو تھی۔ آپ ایک گلی سے گذرے اور ایک مکان کی طرف دیکھنے لگے۔ اُس میں ایک ضعیفہ تسبیح در دست بیٹھی نظر آئی۔ آپنے فرمایا۔ کہ آیا تم مجھے تھوڑا سا پانی پلا سکتی ہو میں سخت پیاسا ہوں۔ اُس عورت کا نام طوعہ تھا۔ کہنے لگی ہاں ہاں ضرور پلا سکتی ہوں۔ غرضکہ حضرت مسلمؑ وہیں بیٹھ گئے۔ طوعہ اندر گئی اور سرد پانی کا کوزہ لاکر حضرت مسلمؑ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے پانی پیا۔ خدا کا شکر کیا۔ اور چونکہ رات بھر کے تھکے ہارے تھے۔ وہیں دم لینے کو بیٹھ گئے۔

طوعہ بولی کہ آجکل شہر پُر آشوب ہے۔ پانی پی چکے اب راستہ لو۔ ایسا نہ ہو کہ مجھ پر کوئی تہمت آئے۔ یا تم پر کوئی مصیبت آئے۔ حضرت مسلمؑ نے فرمایا کہ اماں میں ایک بے وطن بے یار و مددگار مسافر آدمی ہوں۔ نہ میرا کوئی مسکن ہے۔ نہ مقام ہے۔ نہ ڈیرا ہے۔ نہ خیمہ ہے تمہیں بتاؤ ایسی حالت میں کہاں جاؤں۔ اگر تم گوارا کرو تو یہ ممکن ہے۔ کہ تمہارے گھر ٹھیر جاؤں۔ طوعہ نے پوچھا کہ آخر تم کون ہو۔ آپنے مختصراً اپنا سارا حال بیان کر دیا۔ جب طوعہ نے آپ کا نام سُنا تو ہزار جان سے آپ پر نثار ہوئی۔ بڑی عزت و تعظیم سے آپ کو گھر میں لے گئی۔ ٹھنڈا پانی پلایا۔ اور ایک فرش مکلف پر آپ کو بٹھا کر خدمات نیازمندی انجام دینے لگی۔ طوعہ آپ پر بار بار نثار ہوتی تھی۔ اور آپ کی تشریف آوری کو موجب خیر و برکت سمجھتی تھی۔ جب رات کی سیاہی اچھی طرح پھیل گئی۔ تو طوعہ کا بیٹا جو محمدؐ اشعث کا خادم تھا۔ گھر میں آیا۔ ماں کو دیکھا کہ کبھی اندر جاتی ہے۔ کبھی باہر آتی ہے۔ کبھی روتی ہے کبھی ہنستی ہے۔ اُس کے چہرہ سے آثار مسرت بھی نمایاں ہیں اور آثار خوف بھی۔ پوچھا کہ اماں آج یہ کیا حال ہے۔ طوعہ بولی کچھ نہیں تم کھانا کھا کر سو رہو۔ کوئی نئی بات نہیں ہے مگر اُس کے لڑکے نے ابرام کیا اور کہا کہ تو مجھ سے چھپاتی ہے۔ کوئی بات ضرور ہے طوعہ نے جب دیکھا کہ اُس کا اصرار حد سے گذر رہا ہے تو اُسے رازداری کی قسم دی اُس نے قسم کھائی کہ میں کوئی بھید کی بات کسی پر ظاہر نہ کروں گا۔ جب وہ قسم کھا چکا تو طوعہ نے کہا کہ اے بیٹا آج ہمارے گھر میں مسلمؑ بن عقیل پناہ گزیں ہیں

اس لئے میری مسرت حد سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے اور خوف اس لئے ہے کہ مبادا کوئی دشمن ان کی خبر ابن زیاد تک پہونچا دے اور وہ انہیں ایذا پہونچانے پر آمادہ ہو۔ طوعہ کا بیٹا یہ سن کر دل میں تو بہت خوش ہوا کہ گھر بیٹھے شکار ملا۔ مگر بظاہر اپنی ماں سے کہنے لگا کہ تم نے بہت اچھا کیا جو اس خوف وبیم کے زمانہ میں ایک ہاشمی بزرگ کو امان دی۔ تم اطمینان رکھو انہیں کوئی ایذا نہیں پہونچا سکتا

طوعہ تو اطمینان سے سو رہی۔ مگر اس ظالم غدار کو رات بھر نیند نہ آئی۔ اپنی خوش نصیبی پر بار بار اتراتا تھا۔ کہ خدا نے منہ مانگی مراد گھر بیٹھے دی۔ اسے حضرت مسلمؑ پر اس طرح قابو پانے کی بے حد خوشی تھی۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی دار الخلافہ کی راہ لی۔ وہاں ابن زیاد حسین بن نمیر کو حکم دے رہا تھا۔ کہ اے ابن نمیر آج تمام کوفے میں منادی کرادو کہ جو شخص مسلمؑ ابن عقیل کا پتہ لگا کر مجھ سے خبر دے گا۔ میں اسے دس ہزار دینار انعام دوں گا۔ اور قسم قسم کے انعامات سے سرفراز کرونگا اور جو کوئی انہیں اپنے گھر میں پناہ دیکر مجھ سے چھپائیگا۔ اس کے زن وفرزند کو قتل کراؤں گا۔ اور اس کے گھر کو برباد کراؤں گا۔ جب طوعہ کے لڑکے نے انعام واکرام کے وعدے سنے تو محمد اشعث سے فوراً جا کر کہنے لگا۔ کہ مسلمؑ بن عقیل میرے گھر میں پناہ گزیں ہیں۔ آپ ابن زیاد کو اطلاع دیدیجئے۔ اور انہیں گرفتار کر لیجئے۔

ابن اشعث نے یہ اطلاع ابن زیاد کو دی وہ بے حد مسرور ہوا اور عمرو بن حریث مخزومی کو حکم دیا کہ ابھی تین سو سوار ابن اشعث کے ہمراہ کر دے تاکہ وہ جا کر مسلمؑ بن عقیل کو گرفتار کر لائے۔ غرضکہ ابن اشعث تین سو سوار لیکر اور بقول بعض پانچ سو سواروں کی ہمراہی میں طوعہ کے گھر کی طرف روانہ ہوا اور پہونچتے ہی مکان طوعہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابھی حضرت مسلمؑ بن عقیل نماز صبح سے فارغ ہو کر اوراد واشغال میں مصروف تھے۔ کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آپکے کان میں آئی۔ آپ سمجھ گئے۔ کہ ابن زیاد کا لشکر گرفتاری کے لئے آیا ہے۔ رگ حمیت وشجاعت میں جوش آیا۔ چھپ کر بیٹھ جانا ہاشمی ہمت سے بعید پایا۔ فوراً وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی۔ اور اپنے

جسم پر ہتھیار سجا کر خدا کے بھروسہ پر طوعہ کے مکان سے باہر آ گئے۔ طوعہ یہ حال دیکھ کر بہت روئی چلائی اور کہنے لگی۔ کہ اے کاش میں مرجاتی اور آپ کے قدموں سے جُدا نہ ہوتی۔ آپ نے اُسے صبر کی تلقین کی۔ باہر آ کر دیکھا کہ چاروں طرف لشکری کھڑے ہوئے ہیں۔ ایک نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اور بسم اللہ کہہ کر حملہ کیا۔ پہلے ہی حملے میں ایک سو پچاس سواروں کو گرا کر خاک و خون میں ملا دیا۔ ابن اشعث نے دیکھا کہ یہ ایک جوان سینکڑوں پر بھاری ہے۔ تو اُس کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ فوراً ایک شخص کو عبد اللہ ابن زیاد کی طرف دوڑایا۔ اور زیادہ سواروں کی طلبی پر اصرار کیا۔ عبید اللہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ تعجب ہے ایک شخص کے گرفتار کرنے میں تمہیں اس قدر کمک کی ضرورت ہے۔ تمہاری شجاعت و بسالت کیا ہو گئی۔ کہ ایک تن تنہا غریب الدیار بے یار و مددگار مسافر کو گرفتار نہیں کر سکتے۔ ابن اشعث نے جواباً کہا کہ ای عبد اللہ وہ ایک شخص نہیں ہے۔ بلکہ لیث ہمام، اسد ضرغام، اور سیف ملک العلام ہے۔ اُس کا مقابلہ کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے۔ اُس کی آواز فرشتوں کی سی ہے۔ اُس کا حملہ شیر کا سا ہے۔ اور اُسکی تلوار خدائی تلوار ہے۔ ابن زیاد یہ باتیں سُن کر مسکرایا اور مزید سوار بھیجکر ابن اشعث کی حوصلہ افزائی مناسب سمجھی۔ ناگہاں کئی سو سوار اور آ گئے، مگر حضرت مسلم ؓ نے اُن میں سے بھی بہت سوں کو فی النار کر دیا۔ ابن اشعث نے دیکھا کہ اس دلاور نبرد آزما سے مقابلہ ناممکن ہے تو ابن زیاد کو پھر اطلاع دی اُس نے پھر کئی سو سوار بھیجدیئے آپ نے اُن میں سے بھی قریباً پانچ سو کو داخل جہنم کیا۔ اب تو لشکر ابن زیاد بہت گھبرایا۔ اور اپنے سردار ابن اشعث کہنے لگا۔ کہ یا تو اس جوان ہاشمی کے ساتھ کوئی فطرت کی چال چلی جائے یا ابن زیاد کو اطلاع دیجائے کہ وہ کئی ہزار مسلح سوار ہماری کمک کو بھیجے ورنہ ہمیں تو اپنی جان بھاری نہیں ہے۔ ابن اشعث نے سوچا کہ اگر میں ناکام واپس جاتا ہوں۔ تو ابن زیاد کے سامنے پشیمانی ہو گی۔ اور اگر برسرپیکار رہتا ہوں تو فتحیابی مشکل ہے۔ اسی فکر میں تھا۔ کہ اُس کے سپاہیوں نے مشورہ کر کے ایک حُضرہ یعنی گڑھا کھودا۔ اور اُسے ہلکی ہلکی لکڑیوں سے پاٹ دیا۔ اور زمین

کو ہموار کر کے حضرت مسلمؓ سے لڑنے کے لئے آگے بڑھے۔ اور پھر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ حضرت مسلمؓ نے اُن کا پیچھا کیا۔ اور آپ کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ راستہ میں حُفرہ کھدا ہوا ہے۔ پس آپ بے خبر ہو کر اُس گڑھے میں گر پڑے۔ اور تمام سپاہیوں نے آپ کو گھیر لیا۔

مگر ملا حسین کاشفی نے اِس واقعہ کا ذکر اپنی کتاب میں نہیں کیا۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ جب ابن اشعث کی مجبوری و معذوری کی اطلاع کئی بار ابن زیاد کو ہوئی تو اُس نے کہلا بھیجا کہ اچھا مسلمؓ کو امان دے کر ہمارے پاس لے آؤ۔ ابن اشعث نے حضرت مسلمؓ کے سامنے اِس ارادہ کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے مردود مجھے کسی کی پناہ کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ مجھے اپنے خدا کی امان کافی ہے۔ میں تم لوگوں کے دھوکے میں نہیں آسکتا۔ ابن زیاد سے کہدو کہ یہ ہاشمی شیر تیری گیدڑ بھبکیوں میں نہیں آسکتا۔ یہ سُن کر سواروں کو بے حد غصہ آیا۔ اور بعض ملاعین گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور وہاں سے پتھر پھینکنے شروع کئے۔ کہ آپ کا جسم مجروح ہو گیا بڑی دیر تک پتھروں کی بارش چاروں طرف سے ہوتی رہی۔ ناگاہ ایک پتھر حضرت مسلمؓ کی پیشانی پر لگا۔ اور آپ کے سر سے خون بہنے لگا۔ آپ نے مکۂ معظمہ کی طرف منہ کر کے فریاد کی کہ یا ابن رسول اللہ آپ کو کچھ میرے حال زار کی خبر ہے کہ نہیں۔ کوفی ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں۔ مجھے خون میں نہلا رہے ہیں آپ یہی کہہ رہے تھے۔ کہ ایک اور پتھر گرا جس سے آپ کے ہونٹ اور دانت مجروح ہو گئے۔ اور تمام محاسن شریف خون میں تر ہو گئی۔

جب حضرت مسلمؓ اِس قدر مجروح ہو گئے تو مجبور ایک دیوار کے سہارے سے آپ بیٹھ گئے وہ دیوار بکیر بن عمران کے گھر کی تھی۔ اُس ظالم نے جو آپ کو اپنے گھر کی دیوار سے سہارا لیتے ہوئے پایا شمشیر بکف گھر سے نکلا۔ اور چاہا کہ آپ پر وار کرے حضرت مسلمؓ نے اُسی غصہ اور درد کی حالت میں ایک ہاتھ تلوار کا ایسا دیا کہ اُس کا سر گردن سے جُدا ہو کر دُور قدم پر جا پڑا۔

آپ کو زخموں سے بہت زیادہ تکلیف تھی۔ اور آپ متمنی تھے کہ کسی طرح دو گھونٹ پانی پئیں۔ کہ ناگہاں ایک بڑھیا عورت اُس مکان سے نکلی۔ اور لوٹا معہ پیالے کے ہاتھ میں لائی۔ اور کہنے لگی کہ اے ابن عم حسین علیہ السلام اگر پانی کی ضرورت ہو تو حاضر ہے۔ آپ نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔ اُس نے پیالہ بھر کر آپ کو دیا۔ آپ نے منہ سے لگایا ہی تھا۔ کہ تمام پانی خون سے رنگین ہو گیا۔ پانی پھینک کر آپ نے اور پانی مانگا۔ ضعیفہ نے پھر پانی دیا۔ آپ نے پیالہ منہ سے لگایا ہی تھا۔ کہ خون کا رنگ پھر پانی پر غالب ہو گیا۔ آپ نے پھر پھینک دیا۔ اور پانی مانگا۔ ضعیفہ نے پھر پانی سے پیالہ بھر دیا۔ آپ نے تیسری مرتبہ پانی کا پیالہ منہ سے لگایا ہی تھا۔ کہ تمام دانت پیالے میں گر پڑے حضرت مسلمؓ یہ حال اور یہ رنگ دیکھ کر آبدیدہ ہوئے اور پیالہ کو دور پھینک کر فرمانے لگے کہ اب تو انشاء اللہ حوض کوثر ہی پر پانی پئینگے۔ اسی حال میں ایک مردود نے پیچھے سے آکر نیزہ آپ کی پشت مارا کہ آپ منہ کے بل گر پڑے۔ گرنا تھا کہ چاروں طرف سے سواروں نے آگھیرا اور آپ کو گرفتار کر کے دار الخلافہ میں ابن زیاد کے سامنے لا کھڑا کیا۔ جب حضرت مسلمؓ نے ابن زیاد کے دربار میں قدم رکھا فرمایا۔ اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی یہ سن کر ابن زیاد متبسم ہوا۔ بعض درباریوں نے پوچھا۔ کہ اے مسلمؓ تم نے اسلام علیک یا امیر المؤمنین کیوں نہیں کہا۔ آپ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین میرا چچا زاد بھائی حسینؓ ابن علی کرم ہے۔ جو رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا نواسا ہے۔ اور فاطمہؓ کا فرزند ہے۔ ابن زیاد بد نہاد ایک عرصہ سے سر جھکائے ہوئے بیٹھا تھا۔ اس گفتگو کو سننے کے بعد کہنے لگا۔ کہ اے مسلمؓ تو نے ناحق کوفہ میں آکر فتنہ و فساد برپا کیا۔ حضرت مسلمؓ نے فرمایا کہ میں اپنے اور تمام دُنیا کے امام کے حکم سے یہاں آیا ہوں۔ اور یہ جو کچھ ہوا یا ہو گا۔ خدا کے حکم سے ہو گا۔ اے ابن مرجانہ میں جانتا ہوں کہ تو مجھے قتل کریگا۔ اس لئے چاہتا ہوں۔ کہ قبیلہ قریش سے کسی شخص کو میرے سامنے بھیج تاکہ میں کچھ وصیتیں اُس سے کروں ؎

یہ کہا تھا کہ آپ کی نظر عمر سعد پر پڑی۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ اے عمر سعد

میں تجھ سے تین وصیتیں کرتا ہوں اور خواہشمند ہوں کہ میرے قتل کے بعد تو اُن کو پورا کر دے۔ پہلی وصیت یہ ہے کہ میں اس شہر میں سات سو درم کا قرضدار ہوں۔ جب میں قتل کیا جاؤں تو میرے گھوڑے اور ہتھیار کو بیچ کر وہ قرض ادا کر دیجو۔ میرا گھوڑا نعمان حاجب کے پاس ہے۔ عمر سعد نے کہا اچھا۔ دوسری وصیت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے بھائی حسین علیہ السلام کو لکھ بھیجنا کہ وہ یہاں تشریف نہ لائیں۔ اور جو واقعات یہاں میرے ساتھ گذرے ہیں وہ بھی من وعن تحریر کر دینا۔ ابن سعد نے کہا کہ اگر حسین علیہ السلام نے ہم سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ تو ہمیں بھی اُن سے تعرض کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ہم مجبور ہیں۔ کہ یہ وصیت پوری نہیں ہو سکتی۔ اب تیسری وصیت بیان کرو۔ آپ نے فرمایا کہ جب میں قتل کیا جاؤں گا تو یقین ہے کہ میرا سر شام کی طرف بھیجا جائیگا اور جسم یہیں مجروح پڑا رہے گا۔ اِس لئے میں چاہتا ہوں۔ کہ میرا جسم تجہیز و تکفین کے بعد کسی اچھی جگہ دفن کر دیا جائے۔ عمر سعد بولا کہ جسم کے ساتھ ابن زیاد جو کچھ مناسب سمجھینگے کریں گے۔ ہمیں اِس بارہ میں بھی کوئی خاص اختیار نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ بعد گفتگوئے بسیار ابن زیاد نے درباریوں کی طرف نگاہ جلال دیکھا اور پوچھا کہ تم میں سے کون ہے۔ جو مسلمؓ کے قتل پر آمادہ ہو۔ بکیر بن عمران کا لڑکا جس کا باپ حضرت مسلمؓ کے ہاتھ سے فی النار ہو چکا تھا۔ غیض و غضب میں اُٹھا اور کہنے لگا۔ کہ اِس کام کو میں انجام دوں گا۔ اور اپنے باپ کا بدلہ لوں گا۔ ابن زیاد نے اُس کی طرف بہ نظر استحسان دیکھا اور کہا کہ اچھا مسلمؓ کو اِس بالاخانے کی چھت پر لے جاؤ اور وہاں سے سر کے بل نیچے گرا دو۔ وہ ملعون آپ کو لیکر کوٹھے کی چھت پر پہنچا۔ آپ بے یار و مددگار تن تنہا ظالم کے بس میں کھڑے تھے بچوں کی تنہائی اور بیکسی کا خیال آپ کی آنکھوں سے خون کے آنسو بہا رہا تھا۔ اِدھر جناب امام عالی مقام کی یاد آپ کے دل کو تڑپا رہی تھی۔ درود آپ کی زبان پر جاری تھا۔ اور دل خدائے عالم کی محبت والفت میں مستغرق کہ ناگاہ آپ نے مکۂ معظمہ کی طرف منہ کیا اور فرمانے لگے ؎

اے بادِ صبا ز روئے یاری | سوئے حرم خدا گذر کن
شہزادہ حسینؑ را چو بینی | بنشین و حدیث مختصر کن
ہر بد کہ ز کوفیاں بدیدی | فرزند رسولؐ را خبر کن
برگوئے کہ مسلم ستم کش | شد کشتہ تو چارۂ دگر کن
مغرور مشو بقول کوفی | وز فتنۂ شامیان حذر کن

یہ کہہ کر آپ نے ابن بکیر سے درخواست کی کہ اگر تو اجازت دے تو میں دو رکعت نماز نفل ادا کر لوں اُس ظالم نے آپ کو اجازت نہیں دی۔ اور آپ کو پیشانی کے بل کوٹھے سے نیچے گرا دیا۔ اور آپ کی روح پر فتوح کلمہ شہادت پڑھتی ہوئی قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ جس دن آپ کی شہادت ہوئی اُس دن ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کی تیسری تاریخ تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ابن زیاد بد نہاد نے حضرت مسلمؓ کا جسد مبارک اور حضرت ہانیؒ کا جسد مبارک بازار قصابان میں لٹکوا دیا۔ اور دونوں فدایان اہلبیت کے سر زبیر بن اروح کے ساتھ یزید کے پاس دمشق کو روانہ کر دیئے۔ اور یہ خط لکھ کر بھیجا +

ابنِ زیاد کا اصلی خط یزید کے نام

الحمد للہ الذی اخذ لامیر المومنین بحقہ وکفاہ شر عدوہ واعلمہ ایھا الامیر ان مسلم بن عقیل ودخل الی دار ھانی بن عروۃ وقعت علیہ العیون فاستخرجتھما والواصل الیک رؤسھما مع ھانی بن حیلۃ الرداعی والزبیر بن الاروح المیمنی وھما من اہل السمع والطاعۃ فاسئلھما عما شئت ودرسیھما بما شئت فاھما عندھما علما صادقا +

(ترجمہ) شکر ہے اُس اللہ کا جس نے امیر المومنین کا حق دلایا۔ اور اُس کو دشمنوں کے شر سے بچایا۔ اے امیر مسلمؓ بن عقیل ہانی بن عروہ کے مکان میں وارد تھا۔ میں نے لشکر کے ساتھ دونوں کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔ اور سر کو تن سے جدا کر کے ہانی بن حیلۃ الرداعی اور زبیر بن

اروح ہمنی کے ساتھ آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ یہ دونوں شخص حکومت کے بہت بڑے خیر خواہ ہیں۔ جو حال آپ دریافت کرنا چاہیں۔ ان سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اور جو کچھ آپ کو زبانی کہنا ہو ان سے کہہ دیجئے یہ اُس کو میرے سوا کسی سے نہیں کہینگے۔

غرضکہ ہانی بن حیلۃ الروائی اور زبیر بن اروح دونوں شہیدان اسلام کے سر لے کر دمشق میں پہونچے۔ اور یزید کو ابن زیاد کا خط معہ سروں کے نذر گذارنا۔ وہ ملعون یہ سامان دیکھ کر بہت خوش ہوا اور جواب میں یہ خط ابن زیاد کے نام لکھوایا۔

یزید کا اصلی خط ابن زیاد کے نام

اَمَّا بَعْدُ اَیُّهَا الْاَمِیْرُ فَاِنَّكَ كُنْتَ كَمَا اُحِبُّ وَصَلْتَ كَصَوْتِ الْاَسَلِ وَالْاٰنَ قَدْ بَلَغَنِیْ اِنَّ الْحُسَیْنَ خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ بِاَهْلِهٖ وَاَوْلَادِهٖ وَعَشِیْرَتِهٖ وَتَوَجَّهَ اِلٰی نَوَاحِ الْعِرَاقِ فَاَنْتَ تَكْتُبُهٗ اِلَیْهِ وَتُضَیِّقُ عَلَیْهِ الْمَسَالِكَ وَلَا تَتَوَسَّدْ بِوِسَادَةٍ وَلَا تَشْبَعْ بِزَادٍ حَتّٰی تَقْتُلَهٗ وَتُرْسِلَ اِلَیَّ رَأْسَهٗ وَرُءُوْسَ مَنْ مَّعَهٗ۔ (ترجمہ) اے امیر تو نے وہ کام کیا۔ جو میں چاہتا تھا۔ تو شیروں کی مانند پتہ رکھتا ہے۔ تیرا مقابل دوسرا ممکن نہیں۔ میں تیرے پولیٹکل معاملات سے بے حد خوش ہوں۔ میں نے سُنا ہے کہ حسین علیہ السلام ابن علیؑ معہ اپنے اہل و عیال کے مکّہ سے چل کر عراق کی طرف آرہے ہیں۔ تو بہت جلد پہونچکر اثنائے راہ میں اُن کا انتظام کر اور راستے بند کردے۔ کوئی سامان خورونوش مت خرید اور نہ پیٹ بھر کر کھانا کھا۔ جب تک کہ اُن کا اور اُن کے ہمراہیوں کا سر کاٹ کر میرے پاس نہ بھیج دے۔

یہ خط لکھا اور دونوں قاصدوں کو خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا۔ اور کہا کہ جلد جاؤ اور ابن زیاد کو یہ خط پہونچا دو۔ وہ دونوں شخص دمشق سے روانہ ہوکر واپس ابن زیاد کے پاس آئے۔ اور یزید کا خط اُسے دیا۔ ابن زیاد یزید کا خط دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور فوراً ایک خط اِس مضمون کا امام مسلمؓ کے نام سے جناب امام عالی مقام کو لکھا۔

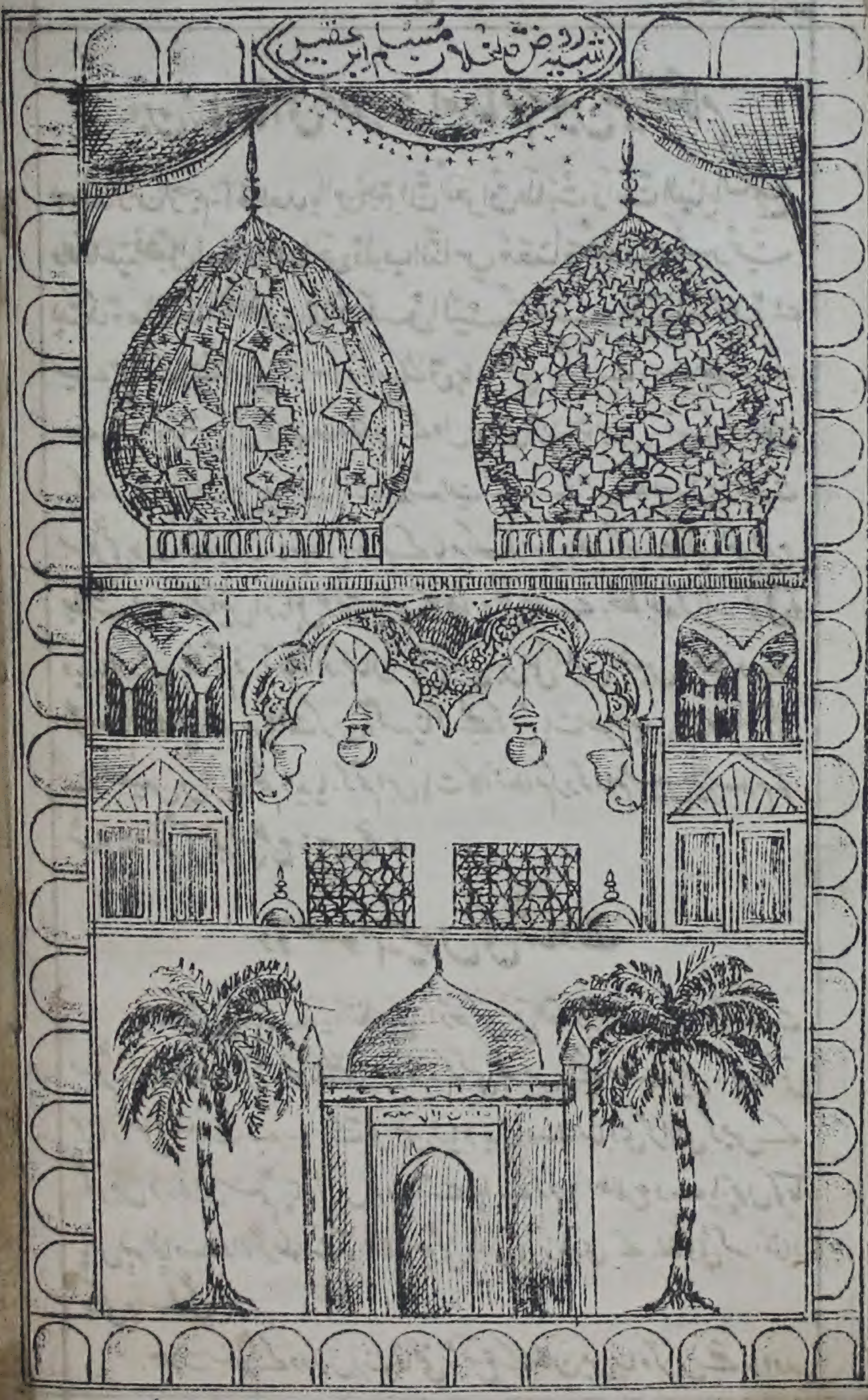
ابن زیاد کا اصلی خط بنام امام حسین علیہ السّلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اَمّا بعد یا ابن عمّ اِنَّ العراق طَابَتْ وَ اَتَتْ اِلینا بالسّمع والطّاعۃ فعجّل لینا ولا تتاخر وقلوب النّاسِ مَعنا وَھُم مُباشِرِیْن بقُدُومِکَ فانھضُ وَاحضَرْ اِلیْنَا سَرِیْعًا۔ (ترجمہ) "اے میرے چچا کے بیٹے حسین علیہ السلام تمام ملک عراق ہمارا مطیع ہوگیا ہے۔ بہت جلد آپ مکہ سے روانہ ہو جائیں۔ کیونکہ اب تمام لوگوں کے دل ہماری طرف متوجہ ہیں۔ آپ کی قدم بوسی کے سب حسرت مند ہیں پس آپ بہت جلد تشریف لے آئیے"۔ یہ خط ابن زیاد نے حضرت مسلمؓ کی طرف سے جناب امام عالی مقامؑ کے نام لکھا کہ اس دھوکے سے آپ کسی طرح جلد تشریف لے آئیں اور اہل عراق پر آپ کا اعتماد رکھی جما رہے۔ خط لکھ کر ایک کوتی کو دیدیا اور کہدیا کہ تم فوراً جاؤ اور جہاں کہیں حسین ابن علی کرم ملیں انہیں یہ خط دیدو اگر وہ تم سے کچھ اور دریافت کریں تو کہدینا کہ مجھے کوئی بات معلوم نہیں۔ ادھر اس شقی نے حصین بن نمیر کو حکم دیدیا۔ کہ تم اس بات کا انتظام کرو کہ امام حسین علیہ السلام کو شہادت مسلمؓ کی خبر کسی طرح نہ پہونچے ×

دو معصوم یتیموں کی شہادت

ادھر تو ابن زیاد نے یہ انتظام کیا۔ اُدھر کسی شقی القلب نے اس سے کہا کہ حضرت مسلمؓ کے ساتھ دو فرزند اور تھے۔ جو کوفہ کے کسی گھر میں چھپے ہوئے ہیں۔ اُن کا قتل کرنا داخل مصلحت ہے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد بدنہاد نے منادی کرادی کہ جس کے گھر میں فرزندانِ مسلمؓ پناہ گزیں ہوں اُسے چاہئے کہ فوراً اطلاع دے یا بچوں کو ہمارے پاس پہونچا دے ورنہ اگر حکومت کو اطلاع ہوگئی تو اس کی بربادی کے لئے کوئی کسر اٹھانہ رکھی جائے گی ×

حضرت مسلمؓ کے دونوں فرزند قاضی شریح کے مکان میں پناہ گزیں تھے۔ اور


شبیہ روضہ طفلان مسلم ابن عقیل

حضرت مسلمؓ اُنہیں وصیت کر گئے تھے۔ کہ اگر میں قتل ہو جاؤں تو میرے دونوں بچوں کو بحفاظت مدینہ منورہ پہونچا دینا۔ قاضی شریح نے جب حضرت مسلمؓ کی وفات اور منادی کی اطلاع پائی تو زار زار رونے لگے۔ کبھی بچوں کی یتیمی پر آنسو بہاتے تھے۔ کبھی وفات امام مسلمؓ پر نوحہ خوانی کرتے تھے اور فرماتے تھے ؎

بنیاد دینِ ما ز حوادث خراب شد ۔۔۔ دلہا ید رد داغ جدائی کباب شد

مہرِ حرف در ابر ستم گشت مختفی ۔۔۔ بحر کرم ز حسرت و دردان سراب شد

بچوں نے جو انہیں اس طرح نالہ کناں دیکھا۔ بھولے پن سے پوچھنے لگے۔ کہ ایہا القاضی آج کیا ہے۔ کہ آپ بے اختیار ہو رہے ہیں۔ بار بار رو رہے ہیں۔ خدا کے لئے اپنی مصیبت سے ہمیں بھی آگاہ کیجئے۔ ہمارے باباجان کہاں ہیں۔ ہم نے کئی دن سے اُن کی کوئی خبر نہیں سنی۔ قاضی شریح نے بچوں کی حالت پر بے حد افسوس کیا۔ اُن کی بے بسی و بے کسی پر پھر رونے لگے اور چاہا کہ اس واقعہ جان گزا کو اُن سے چھپائیں مگر بچوں کے اصرار سے مجبور ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ اے بیکس بچو تمہارے باپ شہید ستم ہوئے۔

جب بچوں نے اپنے باپ کی خبر شہادت پائی ننھے ننھے دل ہل گئے۔ کلیجے ہاتھوں اُچھلنے لگے۔ دونوں آپس میں بغلگیر ہو کر اس قدر روئے کہ آنکھیں متورم ہو گئیں۔ چہرے زرد پڑ گئے۔ قاضی شریح نے بچوں کو تسلی دی۔ مگر باپ کی شہادت کا غم ایسا نہ تھا۔ جو اُن کے دل سے ذرا سی دیر میں دور ہو جاتا۔ وہ کبھی ایک دوسرے کی صورت دیکھتے تھے۔ کبھی آسمان کی طرف نگاہ کرتے تھے۔ کبھی کہتے تھے۔ کہ باباجان آپ نے ہمیں دشمنوں کے شہر میں بے یار و مددگار کس پر چھوڑ دیا۔ باباجان اب ہم اپنی ماں کے پاس کیونکر پہونچینگے۔ آہ! ہم تو مدینہ منورہ کا راستہ بھی نہیں جانتے۔ اب ہم اپنی بیکسی کا حال کس سے کہیں۔ ہمیں کون تسلی دے۔ اے مدینہ کے بند گنبد میں آرام سے سونے والے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم! ہمارے باپ کو بھیجدیجئے کہ وہ ہمیں گود میں لیں۔ پیار کریں۔ اور ہماری اماں کے پاس ہمیں لے چلیں

آہ! ہم تو ابّا کے ساتھ اِس لئے آئے تھے۔ کہ اُن سے جُدا ہونا ناگوار تھا۔ اب ابّا جان ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گئے۔ قاضی صاحب۔ آپ ہمیں برائے خدا ابا کی لاش پر لے چلئے ہم اُن کو اپنی حالت دکھائیں گے۔ اپنی کہانی سُنائیں گے اور اگر وہ بولینگے تو ہم بھی اپنی معصوم جانیں اُن پر فدا کر ڈالیں گے +

قاضی نے رو کر دونوں کو گلے سے لگایا۔ اور کہا کہ بچو، گھبراؤ نہیں۔ خدا کی مرضی کچھ ایسی ہی تھی۔ میں تمہیں بہت جلد مدینہ منوّرہ پہونچا دیتا ہوں۔ القصّہ جب نصف رات گذری تو قاضی نے پچاس پچاس اشرفیاں دونوں کی کمروں سے باندھیں اور اُنہیں خوب کھلا پلا کر اپنے بیٹے اسد کے ہمراہ کیا اور کہا کہ اے اسد بڑی ہوشیاری سے اِن دونوں بچوں کو دروازۂ کوفہ کے باہر لے جاؤ تا وہاں سے جو قافلہ مدینہ منوّرہ جا رہا ہو اُس کے ہمراہ اِن کو کر دینا۔ یہ کہہ کر بصد حسرت وافسوس دونوں بچوں کو اسد کے ہمراہ رخصت کیا +

جب اسد کوفہ کے دروازہ سے باہر پہنچا تو معلوم ہوا کہ حجازی قافلہ اِسی وقت کوچ کر چکا ہے گرد کاروان اُڑتی ہوئی نظر آئی۔ تو اسد نے دونوں معصوموں سے کہا کہ دوڑتے ہوئے چلے جاؤ۔ قافلہ ابھی ابھی روانہ ہوا ہے۔ ذرا آگے جا کر اُن میں شامل ہو جانا +

یہ سُن کر دونوں بچے بھاگے اور چاہا کہ کسی طرح قافلے والوں سے مِل جائیں۔ مگر تقدیر برگشتہ تھی۔ نصیب پھرا ہوا تھا۔ راستہ بھول گئے۔ اور کہیں کے کہیں جا نکلے۔ کوفہ کا سُنسان جنگل آدھی رات اور مسلمؑ بیکس کے معصوم بچے۔ افسوس صد افسوس! ظالم آسمان کو اِن کی بے کسی اور معصومی پر رحم نہ آیا۔ اور اُنہیں کوفہ کے جنگل میں گمراہ کر دیا۔ دونوں بچے سہمے ہوئے خاموش اِدھر سے اُدھر جاتے تھے مگر کہیں راستہ نظر نہ آتا تھا۔ جب کہیں راستہ نظر نہ آیا تو مجبوراً ایک جگہ بیٹھ گئے۔ اور رونے لگے

جنابِ خضرؑ غربت میں مدد فرمائے اگر　　کہ ہم اپنے وطن پہونچیں کدھر ہو کر کہاں ہو کر
ہزاروں قافلے سوئے مدینہ روز جاتے ہیں　　ہمیں پیچھے رہے جاتے ہیں گرد کاروان ہو کر

یہ ابھی پریشانی تھی کہ کوتوال شہر گشت لگاتا ہوا اُدھر آپہونچا۔ دیکھا کہ دو بچے کچھ خوف زدہ سے ایک جگہ بیٹھے ہیں۔ فوراً اُن کے پاس پہونچا اور پوچھا کہ تم کون ہو! بچوں نے اُس درشت آواز سے کانپ کر جواب دیا کہ ہم دونوں امام مسلمؑ کے یتیم بچے ہیں۔ راستہ بھول گئے ہیں۔ ہمیں مدینے پہونچا دو۔ اُس سیاہ قلب کوتوال نے فوراً دونوں کو گرفتار کر لیا۔ اور ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ اُس نے حکم دیا کہ اِن کو قید خانے میں بھیجدو۔ اور ایک خط یزید کو لکھا کہ پسران مسلمؑ کو گرفتار کر کے قید کر لیا ہے۔ اب اُن کے لئے کیا حکم ہوتا ہے۔ آیا وہ بھی قتل کر دیئے جائیں۔ یا آپ کی خدمت میں اُنہیں زندہ بھیج دیا جائے۔

اب سنیئے۔ اُس جیلخانہ کا داروغہ مشکور تھا۔ جو دل وجان سے اہلبیت کے نام پر قربان تھا۔ اُس نے جب اِن معصوم بچوں کو دیکھا تو نہایت عزت وتکریم سے رکھا۔ کھانا کھلایا پانی پلایا۔ اور رات کے وقت اپنی ایک انگوٹھی دے کر اُنہیں قید خانے سے رہا کر دیا اور قادسیہ کا سیدھا راستہ بتا کر کہنے لگا۔ کہ جب تم قادسیہ پہونچو تو یہ انگوٹھی وہاں میرے بھائی کو دکھا دینا وہ تمہیں بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دے گا۔ دونوں بھائی اُس جیلخانے سے چل نکلے۔ اور قادسیہ کے راستے پر ہو لئے۔ مگر اُف رے برگشتہ نصیبی، چلتے چلتے پاؤں تھک گئے۔ اور راستہ میں کہیں کے کہیں بھٹک گئے۔ جب صبح ہوئی تو دیکھا جہاں مشکور نے چھوڑا تھا۔ پھر وہیں موجود ہیں۔ اپنی درماندگی اور بے چارگی پر آنسو بہانے لگے۔ جب کبھی پاؤں کے چھالوں کو دیکھتے تھے۔ تو آغوش پدری کے لطف یاد آجاتے تھے۔ روتے تھے۔ گھبراتے تھے۔ مگر کسی کو اپنا مونس وغمگسار نہیں پاتے تھے بڑے بھائی نے چھوٹے سے کہا کہ اے بھائی یہ راستہ خطرناک ہے۔ دشمن پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر کوئی گرفتار کرے دن نکل آیا ہے آؤ وہ جو سامنے کھوکھلا درخت نظر آرہا ہے۔ اُس میں چھپ کر بیٹھ جائیں۔ جب رات ہو جائیگی تو پھر قادسیہ کی راہ لیں گے۔ غرضکہ دونوں معصوم ایک درخت کی جڑ میں کسی چشمہ کے کنارے جا چھپے۔

کچھ دیر کے بعد ایک حبشی کنیز اُس چشمہ پر پانی بھرنے آئی، اور چشمہ میں دو پیارے

دیکھ کر گھبرائی۔ اور کہنے لگی کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ اِس چشمہ میں کونسی دو صورتوں کا عکس پڑ رہا ہے۔ اِدھر اُدھر حیرت سے دیکھنے لگی۔ تو معلوم ہوا کہ درخت کی جڑ میں دو نور کی تصویریں موجود ہیں۔ وہ کنیز فوراً اُن کے پاس آئی اور پوچھا کہ اے بچو تم کون ہو۔ اور یہاں کیوں چھپے ہو۔ بچوں نے جو ایک ہمدردانہ آواز سُنی بے اختیار ہو کر رو دیئے اور کہنے لگے ؎

برگشتہ مقدر ہیں بہت خستہ جگر ہیں
معصوم ہیں ہم حضرت مسلمؓ کے پسر ہیں

جب اُس کنیز نے حضرت مسلمؓ کا نام سُنا بے اختیار ہو کر دونوں کو گود میں اُٹھا لیا اور اپنی بی بی کے پاس لے گئی۔ اُس کی بی بی بھی اہلبیت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی فدائی تھی۔ اِن دونوں نونہالوں کو دیکھتے ہی قربان ہوئی۔ اور ماں کی طرح پیش آنے لگی۔ بچوں کو نہایت مہربانی سے کھانا کھلایا۔ زلفوں میں کنگھی کی۔ ہاتھ پاؤں دابے اور آرام سے سُلا دیا +

اُدھر جب ابن زیاد کو معلوم ہؤا کہ مشکور نے دونوں فرزندانِ مسلمؓ کو رہا کر دیا تو اُس نے مشکور کو بُلا کر پوچھا کہ تو نے یہ کیا کیا۔ مشکور بولا کہ اے ابن زیاد کچھ تجھے خدا اور اُس کے رسولؐ کا خوف بھی ہے یا نہیں۔ حضرت مسلمؓ کو تو بے جرم شہید کروا ڈالا۔ اب اُن کے بچوں نے جو ہنوز معصوم ہیں۔ تیرا کیا لیا تھا۔ جو تو اُن کے قتل کے درپے ہے۔ بیشک میں نے اُنہیں نجات دیدی اور وہ صرف اِس لئے کہ مجھے قیامت کے دن آتش دوزخ سے نجات ملے۔ او ظالم اب بھی اپنی شقاوت سے باز آجا۔ ورنہ یاد رکھ کہ شہید ستم حضرت مسلمؓ کا خون رنگ لائیگا۔ اور تو عذاب و مصیبت میں گرفتار ہو جائیگا +

ابن زیاد کو مشکور کی یہ صاف گوئی تلوار سے زیادہ قاتل معلوم ہوئی۔ فوراً جلاد کو حکم دیا کہ اِسے پانچسو کوڑے مار۔ جلاد کوڑا لے کر کھڑا ہو گیا۔ جب پہلا کوڑا حضرت مشکور کے لگا۔ تو آپ نے فرمایا کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" جب دوسرا کوڑا لگا۔ فرمایا "الٰہی مجھے صبر عطا فرما" تیسرے پر فرمایا "الٰہی مجھے بخشیئے" چوتھے پر فرمایا کہ

اُسے خدا تو دیکھتا ہے کہ فرزندانِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر مجھے مارتے ہیں۔ پانچویں کوڑے پر فرمایا کہ "الٰہی مجھے جلد اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اہلبیت کے پاس پہونچا"۔ اس کے بعد آپ خاموش ہو گئے۔ جب پانچسو کوڑے پورے لگ چکے تو آپ نے آنکھ کھولی اور پینے کے لئے تھوڑا سا پانی مانگا۔ ابن زیاد نے پانی کی اجازت نہ دی۔ تو درباریوں میں سے عمر بن اطارس اُٹھے اور اُن کی سفارش کر کے اپنے گھر لے گئے۔ چاہا کہ پانی پلادیں۔ مگر حضرت شکورؓ کی روح چشمہ آب کوثر پہ پہنچ چکی تھی۔ اور آپ آب کوثر سے سیر لب ہو چکے تھے ؎

جانش مقیم روضۂ دار السرور باد ۔ گلشن سرائے مرقدِ او پر ز نور باد

"انا للّٰہ و انا الیہ راجعون"

اب اُدھر کا حال سنیئے کہ جس عورت نے دونو معصومان مسلمؓ کو پناہ دی تھی اُس کا شوہر حارث دن بھر کا تھکا ماندہ جب گھر پر آیا تو اپنی عورت سے کہنے لگا۔ کہ بی بی آج میں سخت پریشان ہوں۔ ابن زیاد نے فرزندان مسلمؓ کے گرفتار کرنے پر انعام مقرر کیا ہے میں انہیں تلاش کرتے کرتے حیران ہو گیا۔ مگر اُن کا پتہ کہیں نہ ملا۔ اُن کی تلاش و جستجو میں میرا گھوڑا ابھی مر گیا۔ مومنہ نے جواب دیا۔ کہ اے شوہر اس تلاش بیجا سے باز آ۔ وہ یتیم بچے ہیں۔ تو اُنہیں گرفتار کر کے کیا پائیگا۔ حارث نے جواب دیا کہ او نادان خاموش رہ۔ تجھے کیا معلوم ہے۔ اگر میں اُن دونوں کا پتہ لگا لونگا تو بے حد زر و دولت پاؤں گا۔ اور ذرا سی دیر میں امیر ہو جاؤں گا۔ یہ کہا اور کھانا زہر مار کر کے ایک طرف جا کر سو رہا۔

جب آدھی رات گذری تو یکایک حضرت مسلمؓ کے بڑے فرزند محمدؓ نے اپنے چھوٹے بھائی ابراہیمؓ کو جگایا۔ اور کہا کہ بھائی اُٹھو سفر فردوس کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں نے ابھی ابھی ایک خواب دیکھا ہے۔ کہ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام معہ بابا جان اور حضرت علیؓ کرم اور جناب فاطمہ زہراؓ کے تشریف لائے ہیں حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بابا جان سے فرمایا کہ اے مسلمؓ تم تنہا ہمارے

پاس کیوں چلے آئے۔ اپنے بچوں کو کیوں نہ لائے۔ باباجان نے عرض کیا۔ کہ حضور وہ بھی تھوڑی دیر میں حاضر خدمت ہوتے ہیں۔ پیچھے رہ گئے ہیں۔ چھوٹے بھائی ابراہیم نے کہا کہ بھائی جان میں نے بھی ابھی ہی خواب دیکھا ہے۔ یہ کہہ کر دونوں بھائی ایک دوسرے سے گلے مل کر اس قدر روئے کہ آواز گریہ وزاری کمبخت حارث کے کان میں جا پہونچی۔ گھبرا کر چونکا اور بی بی کو جگا کر پوچھنے لگا کہ یہ گھر میں رونے کی آواز کیسی آرہی ہے۔ بی بی سخت گھبرائی۔ اور اُس کی بات کا جواب نہ دے سکی۔ پھر وہ کہنے لگا کہ جلدی سے چراغ جلا دیکھوں یہ کیا ماجرا ہے۔ بی بی کے دل میں اس قدر حراس تھا۔ کہ وہ چراغ جلانے کے لئے بھی نہ اُٹھ سکی وہ ظالم خود اُٹھا چراغ جلایا اور اُس حجرہ میں پہونچا جہاں یہ دونوں بھائی رو رہے تھے۔ دیکھا کہ دو آسمان کے تارے اُس کے گھر میں ٹوٹ پڑے ہیں۔ حیرت سے اُن کے منہ کو دیکھنے لگا۔ پوچھا کہ اے بچو تم کون ہو۔ یہ تو اِس گھر کو مامن سمجھتے ہوئے تھے کہنے لگے۔ کہ بھائی ہم حضرت مسلمؓ کے بچے ہیں۔ حارث نے جو یہ لفظ سُنے، مسرت کی برقی رو اُس کے جسم میں دوڑ گئی۔ اُس کا خون حد سے زیادہ حدت پذیر ہو گیا۔ اور اپنے جی میں کہنے لگا کہ واہ یہ بھی عجب بات ہے میں تو اِن کے لئے دن بھر سرگردان و پریشان رہا اور یہ میرے ہی گھر میں چھپے بیٹھے ہیں۔ "ڈھنڈورا شہر میں لڑکا بغل میں" اس کے بعد ظالم نے دو طمانچے اُن کے رخسار رعنا پر مارے۔ اور ایک دوسرے سے الگ کر کے کہا کہ بس خاموش ہو جاؤ۔ اور چپکے چپکے یہ رات اِس گھر میں کاٹ دو۔ اگر اب کے آواز نکالی تو پھر خیر نہیں۔ دونوں بچے ظالم کے طمانچے سے سہم گئے۔ اور خاموش ہو کر ایک طرف ہو بیٹھے۔ آہ! ؎

نہ تڑپنے کی اجازت نہ فریاد کی ہے
گھُٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے جلاد کی ہے

حارث نے اُس مکان میں اپنے ہاتھ سے قفل ڈالا۔ اور اپنے بستر پر آکر سو رہا۔ اُس کی بی بی نے جب یہ حال دیکھا تو حارث کے قدموں پر گر پڑی۔ اور کہنے لگی پیارے شوہر للہ اِن یتیموں پر رحم کرو۔ یہ غریب الوطن ہیں۔ بے باپ کے بچے ہیں

یہاں کوئی اِن کا مددگار اور مونس و غمگسار نہیں ہے۔ خدا کے لئے اِن کو رہا کر دو۔ اِن کی عوض میں میرا سر تن سے جُدا کر دو۔ حارث نے کہا کہ او نادان کیا بکتی ہے۔ کہیں ایسا ہو سکتا ہے۔ اب تو یہ دونوں ابن زیاد کے پاس جائیں گے۔ اور اپنے جرموں کی سزا پائیں گے۔ بی بی نے بہتیرا سمجھایا کہ او ظالم ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن

اجابت از درِ حق بہر استقبال مے آید

مگر اُس کے گنہگار دل پر تو شقاوت کی مُہریں لگی ہوئی تھیں۔ اُس نے ایک نہ سُنی اور صبح ہوتے ہی دونوں بیکسوں کی مشکیں باندھ کر دریائے فرات کی طرف لے چلا۔ وہ دونوں معصوم و بے گناہ لاچار و مجبور بچے رحم و کرم کی اُمید میں اُس ظالم ناپاک کا منہ تکتے تھے۔ مگر خوف کی وجہ سے کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔ چلتے چلتے راستہ میں حارث کا غلام ملا۔ حارث نے غلام سے کہا کہ اے غلام اِن دونوں بچوں کو قتل کر ڈال۔ وہ بولا کہ اے حارث خدا سے ڈر ایسا کام نہ کر۔ میں تو یہ کام ہرگز نہ کروں گا۔ اور نہ تجھے اِس کام کی رائے دونگا۔ وہ بولا کہ تو میرا غلام ہے۔ تجھے رائے دینے سے کیا کام ہے۔ غلام بولا کہ اگر فرض غلامی یہی ہے۔ تو ایسی بندگی کو دُور سے سلام ہے۔ اِن بچوں کو چھوڑ دے ورنہ بجائے اِن کے میں تجھے قتل کر ڈالونگا۔ غرضکہ یہی باتیں کرتے کرتے نہر فرات آپہنچے غلام نے چاہا کہ بچوں کو اُس کے دست ظلم سے چھڑا لے۔ مگر وہ نہ مانا اور غلام کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ غلام نے اُس کی ڈاڑھی پکڑ لی اور تلوار نکال لی۔ مگر حارث اپنی قوت کی وجہ سے اُس پر غالب آیا۔ اور اُسے وہیں قتل کر ڈالا۔ اتنے میں حارث کی بی بی اور اُس کا لڑکا پیچھے سے دوڑتے ہوئے آئے اور غلام کو مقتول دیکھ کر اُس کا لڑکا بولا کہ اے ظالم تو نے اسے کیوں مار ڈالا۔ یہ تو میرا دودھ شریک بھائی تھا۔ وہ بولا کہ بس خاموش رہو تم میرے پیچھے کیوں پڑتے ہو۔ لڑکا بولا کہ میں اِن بچوں کو ہرگز تیرے ہاتھ سے قتل نہ ہونے دوں گا۔ گو تو میرا باپ ہے۔ لیکن اِس ظلم کے بدلے تیری تلوار سے تجھی کو قتل کر دوں گا۔ حارث کے سر پر تو خون سوار تھا۔ ایک ہاتھ تلوار کا

ایسا مارا کہ اُس کا لڑکا بیچارا تڑپ کر وہیں ٹھنڈا ہوگیا۔ جب اپنے بچے کو اس حال میں دیکھا تو اُس کی بی بی نے دوڑ کر اُس کا دامن پکڑ لیا۔ اور چلانے لگی کہ اے ظالم شوہر تو دو خون کر چکا اگر ان پیارے معصوموں کو چھوڑ دے تو خدا تجھے ضرور معاف کر دے گا۔ حارث بولا کہ اب شاید تو بھی قتل ہونا چاہتی ہے۔ وہ بولی بلا سے مجھے قتل کر دے مگر ان بیکس یتیموں کو چھوڑ دے۔ کہ اِن کی بیکسی و بے بسی دیکھ کر میری چھاتی پھٹی جاتی ہے۔ حارث نے ایک اوچھا سا ہاتھ عورت پر رسید کیا۔ اور وہ بھی مجروح ہو کر ایک طرف گر پڑی۔ جب اس سے فرصت پائی تو اُن معصوموں سے کہنے لگا۔ کہ اپنے کپڑے اُتارو۔ وہ بولے کہ بھائی تو ہمیں قتل نہ کر ہماری ماں کے پاس پہنچا دے۔ ہم تجھے بہت سا مال دلوائیں گے۔ یا اگر اسی وقت زر و دولت کا طلب گار ہے۔ تو ہمارے گیسو کاٹ کر کوفہ کے بازار میں بیچ لے۔ تجھے بہت سی دولت مل جائے گی۔ اور اگر کوئی ان باتوں کا خریدار نہ ہو۔ جن میں سنبل و ریحانِ جنت کی خوشبو بسی ہوئی ہے۔ تو ہمیں کو بیچ ڈال۔ کوئی نہ کوئی خدا کا بندہ ضرور خرید لے گا۔ اور تجھے منہ مانگے دام دے گا۔ حارث نے کہا کہ اے لڑکو تم زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ میں اگر تمہیں قتل کر دونگا تو ابن زیاد سے اتنا مال و زر پاؤنگا۔ کہ تمام عمر عیش کروں گا۔ یہ سن کر بچے کہنے لگے۔ کہ اچھا ہمیں ابن زیاد ہی کے پاس لے چل اب تو ہم تیرے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ اگر وہ حکم دے تو بیشک ہمیں قتل کر دیجو۔ حارث نے کہا۔ کہ اگر میں تمہیں اس حالت میں دار الخلافہ کی طرف لے چلوں گا۔ تو تمہارے طرفدار ہنگامہ کر کے تمہیں چھڑا لیں گے۔ اور میری کامیابی پھر محتاج تدبیر رہ جائے گی۔ اس لئے میں تو اب قتل ہی کروں گا۔ تمہارے تمام عذر بیکار اور تمام منتیں بے سود ہیں۔ بس سر جھکاؤ اور مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

فرزندانِ مسلمؓ نے جب دیکھا کہ ظالم کسی طرح نہیں مانتا تو کہنے لگے۔ کہ اچھا اے حارث ہمیں اجازت دے کہ ہم نہر فرات میں وضو کر کے دو دو رکعت نماز پڑھ لیں۔ حارث نے کہا۔ میں نماز بھی نہ پڑھنے دوں گا۔ اور نہ وضو کرنے کی مہلت دونگا

بچے بولے کہ اچھا بے وضو ہی نماز پڑھ لینے دے وہ شقی القلب کہنے لگا۔ کہ بس اب دیر ہوتی ہے۔ زیادہ حجت نہ کرو۔ اپنی پرہیزگاری رہنے دو۔ یہ کہا اور تلوار نیام سے نکال کر بڑے بھائی کی طرف آیا۔ چھوٹے بھائی نے کہا کہ اے ظالم پہلے مجھے قتل کر مجھ سے اپنے بھائی جان کا تڑپنا نہ دیکھا جائے گا۔ مگر حارث نے پہلے حضرت محمدؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا۔ حضرت ابراہیمؓ نے دوڑ کر بھائی کے سر کو اٹھا لیا۔ اور اُن کے منہ پر منہ رکھ دیا۔ ظالم حارث نے لاشِ بے سر دریائے فرات پھینک دی اور محمدؓ کا سر ابراہیمؓ کے ہاتھوں میں سے چھین کر ایک ضرب ایسی لگائی کہ حضرت ابراہیمؓ بھی جان بحق ہو گئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حارث نے آپ کا جسد مبارک بھی فرات میں ڈالدیا۔ اور دونوں سروں کو توبڑے میں رکھ کر ابن زیاد کے محل کی طرف روانہ ہوا۔

ظالم کی عمر کوتاہ

اہلبیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ظالموں نے جو جو ظلم کئے اُن کی پاداش اُنہیں بہت دیر میں نہیں ملی اور وہ بمصداق "عمر ظالم کوتاہ باشد" اپنی گنہگار زندگی سے کچھ زیادہ متمتع نہ ہو سکے۔ لیکن یتیمانِ مسلمؒ کی شہادت ایک ایسی شقی القلبی اور سنگ دلی کا قابلِ نفرین نمونہ تھی۔ کہ جس کی مثال آجتک چشم فلک نے نہ دیکھی تھی۔ بھلا ان دو یتیموں کا خون بالا بالا کیونکر جا سکتا تھا۔ ان کی بیکسی و بے بسی کا صبر بے اثر کیونکر رہ سکتا تھا۔ وہ بیشک ذرا سی دیر میں باغ جنت کو سدھار گئے۔ مگر اپنے قاتل کے لئے قیامت تک لعنت و نفرین کا سامان پیدا کر گئے۔

جب بندۂ زر حارث اُن دونوں مقدس سروں کو لیکر دربار ابن زیاد میں پہنچا۔ تو وہاں بڑے بڑے اکابر کوفہ جمع تھے۔ حارث نے اپنے بڑے فخر و مباہات کے ساتھ توبڑے سے سر نکالے اور کہا "یا امیر المومنین یہ آپ کے دشمن زادوں کے سر حاضر ہیں" ابن زیاد بولا کہ ان سروں کا خون اور گرد و غبار صاف کر کے ایک طشت میں

لگا کے میرے پاس لاؤ - فوراً تعمیل کی گئی - جب دونوں یتیمانِ مسلمؑ کے سر طشت میں رکھکر اُس کے سامنے لائے گئے - تو اُس نے پوچھا کہ اے حارث یہ کن نونہالانِ گلشن حسن وجمال کے سر ہیں کہ جن کے رخسار سے نور برس رہا ہے - جن کے چھوٹے چھوٹے اُلجھے ہوئے گیسوؤں سے بوئے شرافت آرہی ہے - جن کی غنچہ دہنی کہہ رہی ہے - کہ ہنوز گلزارِ دُنیا سے اُنہوں نے کوئی پھل نہیں پایا - حارث بولا کہ اے ابن زیاد یہ امام مسلمؑ کے دونوں تیمیم ہیں - جن کو میں نے بڑی مشکل اور کوشش سے گرفتار کر کے قتل کر ڈالا اِس بات کے سُنتے ہی ابن زیاد کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے اور تمام درباری بھی رونے لگے ؎

اب میرے حال پہ دشمن کا بھی دل روتا ہے
یا الٰہی کوئی اِس طرح بھی برباد نہ ہو

ابن زیاد نے پوچھا کہ اے حارث تجھے اِن معصوموں کے قتل کرنے کی ہمت کیونکر ہوئی - اور تیرے دل میں اِن کی معصومیت نے اثر کیوں نہ کیا - وہ بولا کہ وعدۂ انعام نے میری ہمت بندھائی - اور دینار و درہم کی سُنہری تھیلیوں نے میری آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دی - تیری خوشنودی کی خاطر مینے یہ کام کیا - تاکہ یزید تک اسکی خبر پہونچے اور مناصب میں ترقی ہو - ابن زیاد نے کہا کہ اے ناخدا ترس حارث دولت کی طمع نے تجھے اتنا اندھا کر دیا کہ تونے دو یتیموں کا جو حقیقت میں بے گناہ تھے خون کر ڈالا - میں نے یزید کو اِن کے متعلق خط لکھا تھا - اور اُس کے جواب کا منتظر تھا اب اگر وہ جواب میں یہ لکھے کہ اُنہیں زندہ میرے پاس بھیجدو تو میں کیا جواب دوں گا - اور اِن کے قتل کی وجہ کیا بتاؤں گا - تونے یہ کام کر کے مُفت کا گناہ اپنے سر لیا اور مجھے بھی آفت میں پھنسایا - او دولت پرست حارث اگر تو خیر خواہ حکومت تھا - تو لازم تھا - کہ تو اِنہیں زندہ میرے پاس لے آتا - اگر ایسا کرتا - تو بیشک انعام واکرام پاتا اب اِس شقاوت کے صلہ میں تو بھی اپنی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جا ÷
یہ کہا اور درباریوں کی طرف نگاہ ڈالی - دیکھا کہ حضرت مقاتل سر جھکائے

بیٹھے ہیں۔ یہ اہلبیت اطہار کے سچے خادم تھے۔ اور محبتِ و عزتِ رسول اللہ میں مُستغرق رہتے تھے۔ ابن زیاد نے انہیں بُلایا اور کہا کہ اے مقاتل فرزندانِ مسلمؓ کا بدلہ ظالم حارث سے جس طرح چاہو لیلو۔ اور اِن سروں کو بھی لے جاؤ جو چاہو کرو۔ یہ سُن کر حضرتِ مقاتل اُٹھے اور حارث کے دونوں ہاتھ اُس کی پیٹھ سے باندھ دیئے۔ سر برہنہ کر دیا۔ اور دونوں یتیموں کے سر ساتھ لیکر وہاں سے روانہ ہوئے حضرت مقاتل روتے جاتے تھے۔ اور بازار کوفہ میں اِس طرح کہتے جاتے تھے *

"اے مُسلمانو! یہ سر ہیں اُن یتیموں کے جن کا باپ مسلمؓ تھا۔ جن کے گھرانے میں نبوّت تھی۔ جن کو علیؑ اور فاطمہؓ سے واسطہ تھا۔ یہ سر ہیں اُن کے جن کی زلفیں پریشان ہوئی تھیں۔ تو والدین کے دلوں میں اُلجھنیں پڑ جاتی تھی۔ ماں ان گیسوؤں میں شانہ کرتی تھی۔ اِن چہروں کو اپنے کلیجہ کی ٹھنڈک اور آنکھوں کا نور سمجھتی تھی۔ یہ سر ہیں۔ اُن کے جن کا باپ کوفہ میں آکر مُسلمانوں کے ہاتھوں سے شہید ہوا۔ جس کے دانت توڑے گئے، منہ زخمی کیا گیا۔ جسے چھت سے نیچے گرا کر شہید کر ڈالا گیا۔ یہ سر ہیں۔ اُن کے جن کے باپ کو وقتِ شہادت ایک چُلّو پانی نصیب نہ ہوا۔ اور وقت وفات اپنے ننھے بچوں کی صورت نہ دیکھ سکا۔ یہ سر ہیں اُن کے جنہوں نے غربت کی مایوس زندگی میں اپنی جانیں خدا کی راہ میں نثار کر دیں۔ اور مرتے وقت اپنی ماں سے بھی رخصت نہ ہو سکے۔ یہ سر ہیں اُن کے جو بے یار و مددگار کوفہ میں حارث کے ہاتھ سے نہر فرات پر شہید ہوئے۔ اور یہ سر ہیں اُن کے جن کی لاشیں فرات میں بے سر بہا دی گئیں" *

کوفہ والے جب حضرت مقاتل کا یہ بیان سُنتے تھے۔ تو رنج و غم سے سر دھنتے تھے۔ اور ہر طرف "واسلماہ" "واحسرتاہ" کی آوازیں بلند تھیں۔ جو محبانِ اہلبیت تھے۔ وہ روتے روتے بیہوش ہو گئے تھے۔ اور ہر طرف سے حارث پر لعنت و نفرت کی چنگاریاں برس رہی تھیں۔ جو اِس واقعہ کو سُنتا تھا۔ حارث کو بددعائیں دیتا تھا۔ اور اُس کی اِس سفیہانہ حرکت پر نفرین کرتا تھا۔ غرضیکہ

حضرت مقاتل اسی طرح اُس مقام پر پہونچے جہاں فرزندانِ مسلمؑ قتل کئے گئے تھے۔ وہاں جاکر دیکھا کہ ایک طرف دو لاشیں خون میں نہائی ہوئی پڑی ہیں۔ اور دوسری طرف ایک مجروح عورت پڑی ہوئی آہ و فریاد کررہی ہے۔ مقاتل اُس عورت کے پاس گئے اور پوچھا کہ اے عورت تو کون ہے۔ وہ بولی کہ میں اِس ظالم حارث کی بیوی ہوں۔ میں نے اِسے بہت کچھ منع کیا۔ مگر اُس نے یتیمانِ مسلمؑ کو قتل کرڈالا۔ اور ایک غلام کو اور میرے لختِ جگر کو بھی مارڈالا۔ اور مجھے زخمی کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم نے اِسے گرفتار کیا۔ پھر حارث سے کہنے لگی کہ او ناخدا ترس ظالم خدا تجھے اِس دُنیا سے جلد اُٹھالے۔ اور یتیموں کا خون تجھ سے اپنی بیگناہی کا صلہ لے۔ یہ کہہ کر وہ عورت خاموش ہوگئی۔ تو حارث مقاتل سے کہنے لگا۔ کہ اے مقاتل اگر تم مجھے چھوڑدو تو میں تمہیں گھر چل کر دس ہزار اشرفیاں دوں گا۔ مقاتل نے کہا کہ اے مردود ازلی اگر تو ساری دنیا کا لالچ دے تو بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔

اِس کے بعد مقاتل نے دونوں یتیموں کے سر نہر فرات میں بہا دیئے بعض مورخین نے لکھا ہے۔ کہ وہ دونوں سر اسی وقت اپنے اپنے جسموں سے مل گئے اور مقاتل نے دیکھا کہ دونوں یتیم آپس میں گلے ملے ہوئے بہتے چلے جارہے ہیں۔

بعد ازاں مقاتل نے حارث کی تلوار سے اُس کے دونوں ہاتھ کاٹے۔ پھر دونوں پانوٗ۔ پھر دونوں کان کاٹے۔ پھر دونوں آنکھیں نکالیں۔ اور پیٹ چاک کرکے دریائے فرات میں پھینک دیا۔ کہتے ہیں کہ اُسے دریا نے قبول نہ کیا۔ اور باہر اُچھال اُچھال کر ڈال دیا۔ مقاتل نے تین مرتبہ ایسا ہی کیا اور تینوں مرتبہ حارث کی لاش باہر آگئی۔ آخرکار ایک تیرہ و تار غار میں اُس کی ناپاک لاش کو ڈالا۔ غار نے بھی اُس شقی کو قبول نہ کیا۔ لاچار اُسکی لاش کو لکڑیاں جلاکر اُس میں پھونکا۔ اور اس طرح اُس ظالم کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کیلئے مٹ گیا۔ دُنیا قیامت تک اُس کے ناپاک وجود و نام پر لعنت بھیجے گی۔ اور محبانِ اہل بیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نفرتیں عذاب بن بن کر اُس پر برستی رہیں گی۔

کوفہ کے اِن واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن دنوں پولیٹکل حالتیں بہت

زیادہ استبداد پسند تھیں۔ اور یزید کی دار و گیر نے اہلِ کوفہ پر اپنا سکہ جما رکھا تھا۔ باایں ہمہ ذرا سا غور کرنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ کوفہ میں اہل بیت کے جان نثاروں کی کچھ کمی نہ تھی۔ پوشیدہ طور سے لوگ محبّت آلِ عبا میں سرگرم تھے۔ اور جب وقت آتا تھا۔ تو اُس کے اظہار میں بھی اُنہیں کچھ دقت نظر نہ آتی تھی۔ وہ جس طرح حکومت کے خوف سے لرزاں رہتے تھے۔ اُسی طرح مذہب اور اراکین مذہب کا خیال بھی اُن کے دلوں میں جاگزین رہتا تھا +

اِس میں کچھ شک نہیں کہ تمام کوفہ مسلمانوں سے آباد تھا۔ اور غیر ملک کی تجارت کی وجہ سے جو کچھ لوگ اِدھر اُدھر سے آئے ہوئے بھی تھے۔ وہ سب مسلمانوں میں مل جُل کر مسلمان ہی نظر آتے تھے۔ لیکن پولیٹیکل وابستگیاں اُن دنوں اِس قدر مضبوط نہ تھیں۔ کہ ایک ملک کی خانہ جنگیوں کی اطلاع دوسرے ممالک میں بہ آسانی جا سکے۔ اِدھر حکومت کا استبداد، اُدھر ذرائع خبر رسانی مسدود، آخر وہ لوگ کیا کرتے جو ظلم و ستم میں گھرے ہوئے تھے۔ اور جنہیں بجز ذات پروردگار کوئی مونس و غمخوار نظر نہ آتا تھا +

یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسلمؑ اور اُن کے فرزندوں نیز جان نثاران اہل بیت کی شہادتیں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا دیباچہ تھیں۔ یہیں سے اُس ہنگامہ محشر خیز کی بنیاد پڑی۔ جس کی یادگار آجتک مسلمانوں میں قائم ہے۔ اور قیامت تک قائم رہیگی۔ ان معاملات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک طرف تو حکومت اپنی پوری قوت سے کام لے رہی تھی۔ دوسری طرف اسلام اپنی خالص خدا پرستی کا حامی تھا اِن خون ریزیوں کو خانہ جنگی سے تعبیر کرنا حقیقت میں مورخین کی غلطی ہے۔ کیونکہ اگر دو حکومتیں، یا دو خاندان، غرضیکہ مساوی قوتیں دست و گریبان ہوتیں۔ تو خانہ جنگی کا اطلاق اُس پر ممکن تھا۔ مگر حکومت اور مذہب کی آویزش کو خانہ جنگی نہیں کہا جا سکتا۔ خصوصاً اُس حالت میں جبکہ حکومت کے پاس اقتدار و وقار کے علاوہ لاکھوں لشکر اور خزانے موجود ہوں۔ اور دوسری طرف چند نفوس کے ماسوا کچھ بھی سامان لازم نہ ہو۔ اور نہ فریق ثانی میں حرب و ضرب کا دستور ہو +

اگر جناب امام علیہ السلام چاہتے تو اُن کی ذرا سی ہاں میں تمام جھگڑے اور فساد رفع ہو سکتے تھے۔ ہاں یہ ضرور ہوتا کہ کفر کی بنیاد جم جاتی اور اسلام کی نیو اُکھڑ جاتی۔ اور اہل بیت اطہار کے ذمہ یہ ایک بہت بڑا الزام رہ جاتا کہ اُنہوں نے امن و امان اور اطمینان کے معاوضہ میں حرمتِ اسلام کو بیچ ڈالا۔ اِدھر خدا کو یہ منظور تھا۔ کہ جناب امامؑ درجہ شہادت حاصل کریں۔ اور اُن کا نام رہتی دنیا تک روشن رہے۔ اس لئے قدرت خود بھی ایسے سامان مُہیا کرتی چلی گئی۔ جو اس عظیم الشان خونریزی کے سبب ہوئے حضرت مسلمؓ اور اُن کے یتیموں کی شہادت میں عبرت کے بڑے بڑے سبق موجود ہیں دولت پرستی و دین فروشی کی تصویریں کفار کوفہ کے دامن پر لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے۔ کہ جو شخص دنیا کی خاطر سے اور زرطلبی کے لالچ میں دینداری کی دولت نہیں رکھتا۔ اُس کی دُنیا بھی خراب ہو جاتی ہے۔

جناب امام علیہ السّلام کی روانگی

(مکّہ سے کوفہ کو)

حضرت مسلمؓ نے کوفیوں کے اعتقادات کی پہلی جھلک دیکھ کر جناب امامؑ کو بذریعہ خط اطلاع دیدی تھی۔ کہ آپ بیخوف و ہراس جانب کوفہ تشریف لے آئیں یہاں بیس ہزار کوفی آپ کی بعیت و اطاعت کے لئے تیار ہیں۔ جب یہ خط پُہنچا تو آپ نے مکّہ معظمہ سے روانگی کا انتظام کر دیا۔ جب قصد روانگی کی اطلاع اکابر مکّہ کو ہوئی تو حضرت عبداللہؓ بن عباس، عبداللہ بن عمرؓ، جابرؓ، ابوسعید خدری اور ابوواقدی اللیثی رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے آپ کو منع فرمایا اور کہا کہ یا ابن رسول اللہ کوفہ کی طرف آپ کا جانا خلافِ مصلحت ہے۔ آپ کو یاد ہے کہ کوفیوں نے آپکے بھائی اور باپ کے ساتھ کیا کیا بدسلوکیاں کیں اُن کو دیکھتے ہوئے گو واقعات کیسے ہی ناگریز کیوں نہ ہوں ہم آپ کو ہرگز یہ رائے نہیں دے سکتے کہ آپ کوفہ جائیں۔ اگر مکّہ سے جانا ہی مقصود ہے۔ تو آپ عیال و اطفال کو لیکر جانب عراق تشریف لے جائیں

وہاں کے مسلمان آپ کی قدر و منزلت میں ضرور حصہ لیں گے۔ اور وہاں آپ کو تکلیف نہ ہوگی۔ کوفہ میں ابن زیاد حکمراں ہے۔ اور یزید کی حکومت نے کوفہ والوں کو اپنے اختیار میں کر رکھا ہے۔ اس لئے نہیں نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وہ لوگ آپ کے ساتھ وفا کریں ۔

جناب امام عالی مقام نے فرمایا کہ اے دوست دارانِ اہل بیت یہ بالکل سچ ہے۔ کہ کوفی لاابوفی مشہور ہیں۔ مگر مسلم کو میں وہاں بھیج چکا ہوں وہ اپنے دو معصوم بچوں کو لئے ہوئے غربت میں پڑے ہیں۔ مجھے خط لکھ کر میرا راستہ دیکھ رہے ہیں تمہیں بتاؤ کہ میں انہیں وہاں کیونکر چھوڑ دوں اور کس طرح عزم روانگی نہ کروں۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ مشیت ایزدی سے کوئی چارہ نہیں ہے۔ بس سچ کہتا ہوں کہ میرا دامن کوئی کوفہ کی طرف کھینچ رہا ہے۔ مجھے اپنے اہل و عیال اور چھوٹے چھوٹے بچوں کا بیحد خیال ہے۔ کہ پردیس پھر پردیس ہے خدا جانے وہاں جا کر انہیں کیا کیا تکلیفیں پہونچیں مگر تقدیر الٰہی سے سخت مجبور ہوں۔ وہ لوگ بولے کہ اگر عزم روانگی اسی قدر مصمم ہے تو آپ تنہا ہی تشریف لے جائیں۔ اور اہل و عیال کو یہیں چھوڑ دیں تاکہ آپ کے دوسرے اعزا ان کی نگاہداشت میں مصروف رہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں انہیں چھوڑ دوں اور اپنے ساتھ نہ لے جاؤں۔ یہ لوگ میرے بغیر یہاں کیونکر گذار سکتے ہیں۔ اِن کا تو ہمراہ ہی رکھنا مناسب ہے۔ جب کسی کا کہنا آپ نے نہ مانا تو ناچار سب خاموش ہو گئے ۔

۳ ذی الحجہ کو جس دن جناب امام مسلم رضی اللہ تعالےٰ عنہ شہید ہوئے۔ آپ نے کوفہ کا ارادہ کر دیا۔ محمل طلب فرمائے اور خواتین کو اُن میں بٹھایا۔ اور روانہ ہو گئے صفاح میں آپ نے فرزوق سے ملاقات کی جو عرب کا ایک مشہور شاعر تھا۔ اور کوفہ سے مکہ معظمہ کی طرف آرہا تھا۔ پوچھا کہ اے فرزوق کوفہ کا کیا حال ہے۔ وہ بولا کہ یا ابن رسول اللہ کوفیوں کے دل آپ کی طرف ہیں۔ اور تلواریں یزید کی طرف۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک تو سچ کہتا ہے ۔

یہ کہہ کر آپ پھر معہ اپنے پیاسی ہمراہیوں کے چل کھڑے ہوئے۔ اور مکّہ میں پہونچے۔ یہاں زہیر بن قیس سے ملاقات ہوئی۔ جو حج سے واپس آکر کوفہ کو جا رہے تھے۔ جب انہوں نے سبب روانگی معلوم کیا تو آپ کے ساتھ ہو لئے۔ چلتے چلتے جب آپ مقام ثعلبہ میں پہونچے تو بکر اسدی سے ملے۔ جو کوفہ سے آرہے تھے اور مکّہ کو جا رہے تھے۔ اُن کی زبانی حضرت مسلمؑ اور اُن کے دونوں فرزندوں اور ہانیؓ کی شہادت کا حال معلوم ہوا۔ آپ آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور خاموش ہو گئے اس واقعہ کی اطلاع اہل بیت میں سے کسی کو نہ دی۔ خدا کا شکر کیا اور خیمہ میں آبیٹھے +

حضرت مسلمؑ کی اٹھارہ سالہ ایک لڑکی بھی آپکے ساتھ تھی۔ اور قبیلہ عقیل کے بہت سے آدمی بھی ساتھ تھے۔ اتفاقاً وہ لڑکی آپکے پاس حاضر ہوئی تو آپنے اُسے بڑی شفقت کے ساتھ اپنے پاس بلایا اور اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اُس لڑکی کو یکایک قلب میں کوئی درد محسوس ہوا۔ طبیعت گھبرانے لگی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں۔ اور بولی کہ یا ابن رسول اللہ آج کیا ہے کہ آپ اس قدر ملاطفت و رحمت فرما رہے ہیں۔ اور میرے ساتھ آپ کا برتاؤ کچھ ایسا ہے۔ جیسا کہ اکثر لوگ یتیموں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ بابا جان تو بخیر ہیں۔ کیا آپ کے پاس اُن کی کوئی خبر آئی ہے +

یہ سُن کر جناب حسین علیہ السّلام سے نہ رہا گیا۔ فوراً آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور آپ فرمانے لگے۔ کہ اے بیٹی آج سے مجھے اپنا باپ اور میری بہن کو اپنی ماں سمجھ۔ وہ اس سے سمجھ گئی کہ بیشک میرا باپ شہید ہوا۔ اس پر غم و الم کا ہجوم ہوا اور بے اختیار رونے لگی +

اتنے ہی میں ایک قاصد عمر سعد کی طرف سے آپکے پاس پہنچا اور عمر سعد کا ایک خط آپ کو دیا۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ حضرت مسلمؑ معہ فرزندوں کے کوفہ میں شہید کر ڈالے گئے۔ اور دوسرے شہیدانِ کوفہ کے حالات بھی اُس خط میں لکھ کر آپسے درخواست کی گئی تھی۔ کہ آپ واپس مکّہ معظمہ کو چلے آئیں۔ اور کوفہ کا قصد نہ فرمائیں +

اِس پیام نے آپ کو اُس سانحہ جانگداز کا اور بھی یقین دلا دیا۔ اور تمام رفقائے ہمرکاب کو بھی اِس واقعہ کی اطلاع ہو گئی۔ اکثر لوگوں نے سمجھایا کہ اب جبکہ واقعہ شہادت مسلمؑ ہمارے کانوں تک پہنچ چکا ہے لازم یہی ہے کہ کوفہ کا قصد نہ کریں اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ جناب امامؑ خاموش ہو گئے لیکن عقیل کے خاندان والے اور حضرت مسلمؑ کے عزیز و اقارب جو آپ کے ہمراہ تھے۔ اِس بات پر راضی نہ ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم مسلمؑ کا بدلہ ابن زیاد اور کوفیوں سے ضرور لیں گے۔ جو واپس لوٹنا چاہے۔ وہ لوٹ جائے۔ ہمارے قدم آگے بڑھینگے۔ اور پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں گے۔

ایک حصہ جماعت کا یہ حال دیکھ کر باقی لوگ بھی مجبور ہو گئے۔ اور آگے بڑھ چلنے کا ارادہ کر دیا۔ ثعلبہ میں جب کاروان اہل بیت مقیم تھا۔ تو ایک وقت آپ اپنی بہن کے زانو پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے۔ یکایک آپ کی آنکھ کھل گئی۔ اور آنسو جاری ہو گئے۔ آپ کی بہن نے دریافت کیا۔ کہ کیوں بھائی اِس قدر ہراساں کیوں ہو۔ کیا کوئی خواب دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں نے ابھی ابھی جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ وہ تشریف لائے ہیں اور مجھ سے فرما رہے ہیں۔ کہ اے حسین علیہ السلام اب تم عنقریب درجہ شہادت پاؤ گے اور ہمارے پاس گلشنِ فردوس میں آؤ گے۔ اِس خواب کی خبر جب عام ہوئی تو ہر طرف ایک عالم خاموشی چھا گئی۔ حضرت اکبرؓ اپنے بابا جان کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے کہ بابا جان ہم تو حق کے ساتھ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں اے لختِ جگر ہم حق کے ساتھ ہیں۔ اور حق ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت علی اکبرؓ بولے کہ جب یہ بات ہے تو پھر گھبرانا فضول ہے۔ خدا ضرور ہمارا مددگار ہو گا۔ ہمیں دشمنوں کے کید و مکر کی ذرا بھی پرواہ کرنی چاہیئے۔ تسلیم و رضا ہمارا خاندانی شیوہ ہے صبر و توکل ہمارا آبائی مشرب ہے۔ اور ہم اپنے اللہ پر پورا بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ زندگی مستعار ہے۔ جو پیدا ہوا ہے۔ وہ ناپید ضرور ہو گا۔ پھر خوف کس بات کا۔

آپ نے اُس گُل گلشنِ آلِ عبا کی ہمت و شجاعت پر آفرین کہی۔ اور تمام لوگوں کو بُلا کر فرمایا کہ اے ہمراہان حسین علیہ السلام۔ کوفی اپنے عہد وفا سے پھر گئے ہیں۔ اور اُن کے دل جور و ستم پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آگے چل کر کیا اُفتاد پڑے اس لئے میں اجازت دیتا ہوں۔ کہ تم میں سے جس کے جی میں آئے چلا جائے ٭ ابھی لوٹ جانا ممکن ہے۔ اِس کے بعد معلوم نہیں کہ تقدیر کیا دکھائے۔ اِس اعلان کے بعد بعض مورخین نے لکھا ہے۔ کہ چند لوگ ہیبت یزید سے خوف زدہ ہو کر واپس لوٹ گئے مگر جو آپ کے جان نثار تھے۔ وہ آپ پر فدا ہو جانے کو اپنے لئے عین سعادت سمجھتے تھے۔ بھلا وہ کس طرح آپ کو غربت کی تنہائی میں چھوڑ سکتے تھے۔ کہنے لگے کہ یا ابن رسول اللہ اب تو ہمارا آپ کا ساتھ قیامت تک نہیں چھوٹ سکتا ؎

اپنی جان مٹائیں گے خاک میں ملائیں گے
پر کہیں نہ جائیں گے چھوڑ کر قدم تیرا

آپ ثعلبہ سے روانہ ہو کر مقام سرات میں مقیم ہوئے۔ اور وہاں سے چل کر ایک اور مقام میں پہنچے۔ یہاں پہونچکر وہاں کے لوگوں سے آپ نے دریافت کیا کہ اس مقام کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اسے "شطُ الفرات" یا نینوا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اس کا کچھ اور بھی نام ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں عرف عام میں اِسے کربلا بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سُن کر جناب امامؑ عالی مقام بہت روئے۔ اور کہا کہ قسم ہے پروردگار عالم کی کہ یہی وہ زمین ہے۔ جس پر میرا خون بہایا جائیگا۔ اور اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ کجاوے کھول دو۔ محمل رکھدو خیمے نصب کر دو۔ یہیں ہمارے اونٹ بیٹھینگے اور یہیں ہمارے خون کی ندیاں بہیں گی۔ ہمارے بچے یہیں ذبح کئے جائیں گے۔ یہیں اُنکی لاشیں خاک و خون میں تڑپیں گی۔ اسی سرزمین پر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی تلاطم میں آئی تھی۔ اسی زمین پر دریا کا پانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بکریوں نے نہیں پیا تھا اسی جگہ کے لئے جبرئیل علیہ السلام نے محضر پر نانا جان کے دستخط لئے تھے، اور یہیں کی مٹی اُٹھا کر دی تھی۔ یہیں عنقریب بابا علیؓ اور والدہ ماجدہ نیز نانا جان میری عزاداری

کے لئے تشریف لائیں گے۔ یہ فرمایا۔ اور وہیں اتر پڑے۔ تمام ہمراہی بھی یکے بعد دیگرے وہیں کمر کھول کھول کر راضی برضا مقیم ہو گئے۔ خیمے اِدھر اُدھر نصب کر دیئے گئے۔ اور بال بچے نہر فرات کے کنارے اُن خیموں میں اُتار دیئے گئے ؁

جناب امام حسین علیہ السلام اُن پیش گویوں کو جو سُن چکے تھے۔ بار بار یاد کرتے تھے۔ اور پھر واقعات آئندہ پر غور کر کے فرماتے تھے ؎

أَهْلَ الْعِرَاقِ هَلْ لَكُمْ خَلِيلٌ ۔۔۔ وَلَكُمْ بِالْأَشْرَافِ الْفَضِيلُ
وَالْأَمْرُ فِي ذَالِكَ لِلْجَلِيلِ ۔۔۔ وَكُلُّ حَيٍّ سَالِكٌ سَبِيلٌ

گر نامِ این زمین بہ یقین کربلا بود ۔۔۔ ایں جا نصیبِ ما ہمہ کرب بلا بود
اینجا بود کہ تیغ بر آلِ نبی کشند ۔۔۔ اینجا بود کہ ماتم اہل عبا بود
کار مخدراتِ من اینجا تبہ شود ۔۔۔ پُشتِ مبارزانِ من اینجا دوتا بود
ریزند در مصیبتِ من آب چشم خویش ۔۔۔ ہر مرغ و ماہیئے کہ در آب و ہوا بود
چھوڑ جائیں گے یہاں ساتھ میں آنیوالے ۔۔۔ جمع ہونگے یہیں بیکس کو ستانے والے
آئیں گے نیزہ و شمشیر ہلانے والے ۔۔۔ جائیں گے گلشن فردوس کو جانیوالے

کارواں جادۂ منزل سے بچھڑ جائے گا
کہ یہاں باغ رسالت کا اُجڑ جائے گا

مروی ہے کہ ابن زیاد نے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔ کہ امام حسین علیہ السلام جب کوفہ کے قریب پہونچیں۔ تو فوراً یہاں آکر اطلاع دیں۔ چنانچہ ایک جاسوس نے ابن زیاد کو جاکر اطلاع دی۔ کہ آج سولہ دن ہوئے۔ جناب حسین علیہ السلام مکہ معظمہ سے کوفہ کو روانہ ہو چکے ہیں اور اب مقام سرات پر خیمہ زن ہیں۔ ابن زیاد نے جب یہ خبر پائی تو حُر ابن یزید الریاحی کو ایک ہزار مسلح سواروں کی ہمراہی میں روانہ کیا۔ اور کہا اے حُر دیکھ خبردار حسین علیہ السلام ابن علیؑ صحرائے سرات سے کہیں اور نہ جانے پائیں۔ تیر کی طرح اُن کے پاس پہنچ جا۔ اور نگاہ کی طرح اُن کو معہ ہمراہیوں کے گرفتار کر کے واپس آ۔ حُر ایک ہزار لشکر لے کر جناب امام عالی مقام کے گرفتار

کرنے کو چلا۔ راستہ میں شجر و حجر سے یہ صدائیں نکلیں۔ اور اُس کے کانوں میں گونجنے لگیں ؎

کس کو ہوتی ہے نصیب ایسی سعادت اے حُرُ — سو مُبارک ہو قدم بوسی حضرت اے حُرُ
سر کے بل جاؤ حسینؑ ابن علیؓ کے آگے — حق تمہیں دیتا ہے جنت کی بشارت اے حُرُ

حُر حیران تھے۔ کہ یہ آوازیں کیسی ہیں۔ اور کون ہے۔ جو اُن کے کانوں میں صور عبرت نصیحت پھونک رہا ہے۔ غرضکہ حُر بن ریاحی معہ لشکر کے اُس جگہ پہونچے جہاں کہ خیام اہل بیت نصب تھے۔ لشکر کو ایک جگہ ٹھہرنے کا حکم دیا اور خود بطریق سپہ سالار فوج جناب امامؑ عالی مقام کے پاس آئے۔ آپنے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ حُر نے اپنا نام و نسب بتایا۔ تو آپنے فرمایا کہ یَاحُرُّ اَلَنَا اَمْ عَلَیْنَا۔ ہماری مدد کو آئے ہو یا پیام مبارزت لائے ہو۔ حُر نے کہا مبارزت کے لئے آپ نے فرمایا لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم پھر پوچھا کہ اے حُر تمہارا کیا خیال ہے۔ اور سچ بتاؤ کہ تم کیوں آئے ہو۔ حُر نے کہا کہ مجھے پسر زیاد نے آپ کی گرفتاری کے لئے بھیجا ہے۔ کہ جب تک آپ کوفہ کے دروازے میں داخل نہ ہو جائیں آپ کو نہ چھوڑوں اور اگر آپ کہیں اور جانے کا قصد فرمائیں تو جانے نہ دوں۔ یہ سُن کر آپنے فرمایا کہ خیر اب تو وقت نماز ہے۔ تم اپنے لشکر کے ساتھ نماز پڑھو اور میں اپنی جماعت قلیل کے ساتھ خدا کی عبادت میں مصروف ہو جاؤں پھر جیسا تم چاہو کرنا۔ حُر نے کہا۔ کہ آپ امام حسینؑ رسولؐ اللہ کے نواسے ہیں۔ علیؑ کرم شیر خدا کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ امامت فرمائیں۔ دونوں لشکر آپ کی اقتدا کرینگے جناب امام علیہ السّلام نے حُر کو دعائے خیر دی۔ اور تمام لشکریوں نے آپ کے پیچھے نماز ادا کی۔ اِس کے بعد آپ اپنی تلوار کا تکیہ لگا کر کھڑے ہوئے۔ اور یہ خطبہ بیان کیا ؛

سبط الرسولؐ کا پہلا خطبہ کوفہ کے بیابان میں

اے شام کے نبرد آزما جوانو! اور اسے اسلام کے شیر دل بہادرو! یاد رکھو کہ

دنیا بالکل ہیچ ہے۔ اِس کی زندگی عارضی ہے۔ اور ہر انسان کو حیات مستعار ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۔ یہ زمین اور یہ آسمان سب خدا کے قبضے میں ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے۔ اور جو چاہیگا کرے گا۔ کسی کو اُس کے کارخانۂ قدرت میں اختیار نہیں ہے۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔

ایہاالناس۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ میں یہاں خود نہیں آیا ہوں۔ بلکہ کوفیوں کے پے در پے خطوط نے مجھے روانگی پر مجبور کر دیا۔ اور میں معہ اہل بیت کے یہاں آپہونچا۔ اب اگر تم اپنے قول اقرار پر ثابت قدم ہو تو میں اطمینان کے ساتھ تمہارے ہمراہ کوفہ میں چلنے کو تیار ہوں اور اگر میری اطاعت اور اپنے عہد و پیمان سے پشیمان ہو تو مجھے کیوں روکو میں کسی اور طرف چلا جاؤں۔ والسلام علےٰ من اتبع الہدےٰ ۔

یہ سُن کر حُر نے کہا کہ مجھے اِن خطوں کا حال بالکل معلوم نہیں ہے۔ جناب امامؑ نے وہ خطوط خیموں سے منگوائے اور حُر کے سامنے ڈالدیئے۔ حُر نے اُنہیں بآواز بلند پڑھنا شروع کر دیا۔ اُس مجمع میں بہت سے لوگ ایسے تھے۔ جن کے نام اُن خطوں میں موجود تھے۔ وہ لوگ سر جھکا کر سراسیمہ بیٹھ گئے۔ اور کچھ جواب نہ دے سکے کہ اتنے میں ابن زیاد کا ایک سپاہی آیا اور حُر کو ایک نامہ دیا۔ حُر نے پڑھا تو اُس میں لکھا تھا کہ حسین علیہ السلام ابن علیؑ کو ایسی جگہ ٹھہراوے جہاں گھاس اور پانی نہ ہو۔ حُر نے وہ خط جناب امام علیہ السلام کو دیا اور کہنے لگے کہ اب بتائیے میں کیا کروں۔ اگر حکم یزید اور فرمان ابن زیاد سے روگشی کرتا ہوں۔ تو جان کا خوف ہے۔ اور اگر آپ کے ساتھ سختی روا رکھتا ہوں تو ایمان کا خوف ہے۔ آپ نے وہ خط دیکھ کر اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔ اور اُس کا کچھ جواب نہ دیا۔

حُر نے جناب امامؑ عالی مقام کو اپنے لشکر سے علیحدہ لے جاکر سمجھایا کہ یا ابن رسول اللہ میرے ہاتھ ٹوٹیں اگر میں آپ پر تلوار اٹھاؤں اور میری آنکھیں پھوٹیں اگر میں دیدۂ بد بیں سے آپ کی طرف دیکھوں۔ جب میں بارادہ گرفتاری آرہا تھا۔ تو جنگل کی ہر جڑی بوٹی سے مجھ پر لعنت کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ اور ملہم غیب مجھے جنت

کی بشارت دے رہا تھا۔ اب میں سخت پریشان ہوں۔ لشکر میرے ساتھ ہے۔ اس لئے بظاہر آپ کے ساتھ ہمدردی سے پیش نہیں آسکتا۔ مصلحت یہ ہے کہ ہمارے آپ کے لشکر تھوڑی دور آگے چلیں۔ آپ بہ سبب اہل بیت اپنا لشکر میرے لشکر سے کچھ دور ٹھہرائیں۔ اور جب رات کے وقت میرے لشکر والے سوجائیں۔ تو آپ اہل بیت اطہار کو لیکر راتوں رات کسی طرف روانہ ہو جائیں۔ صبح کے وقت جب آپکو نہ پائینگے۔ تو کوس دو کوس تلاش کر کے واپس کوفہ کی طرف چلے جائینگے*

جناب امام عالی مقام نے حرؒ کے اس مشورہ کو قبول کیا۔ اور اُسے دعا دے کر اُس کے لشکر کے ساتھ اُس جگہ سے آگے چلے۔ جب رات ہوئی اور کوفہ کا لشکر پاؤں پھیلا پھیلا کر سو رہا تو آپ اپنے رفقا کو لیکر وہاں سے ایک طرف روانہ ہوئے۔ ساری رات جنگل میں بھٹکتے پھرے کوئی سیدھا راستہ منزل مقصود پر پہونچنے کا نظر نہ آیا۔ جب ستارہ صبح چمکا تو آپ نے آنے جانے والوں سے پوچھا۔ کہ اس مقام کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے کہا اِسے ماریہ کہتے ہیں۔ اور دشتِ کربلا بھی اِسی کا نام ہے۔ تقدیر کی اِس برگشتگی سے آپنے سمجھ لیا کہ میں جس قدر بھاگنا چاہتا ہوں موت میری طرف بھاگتی ہے۔ حکم دیدیا کہ پھر خیمے یہیں نصب کر دو۔ رفقا نے جب خیموں کے لئے کھونٹیاں گاڑیں تو زمین سے خون کے فوارے جاری ہو گئے جس پتھر کو اُٹھاتے تھے۔ اُس کے نیچے تازہ خون پاتے تھے۔ غرضکہ خیام اہل بیت وہاں نصب کر دیئے گئے*

اب جناب امام علیہ السّلام نے ایک خط سلیمان بن صرد خزاعی کے نام لکھا جو اکابرین کوفہ میں ایک مشہور و معروف اور صاحبِ رسوخ شخص تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔ کہ اے سلیمان تم نے خط بھیجکر مجھے بلایا اور میں تم لوگوں پر اعتبار کر کے یہاں آیا۔ اب حال یہ ہے۔ کہ میرے راستے بند ہیں۔ قادسیہ سے عذیب تک یزیدکی فوجیں راستہ روکے ہوئے پڑی ہیں۔ اور میری دار و گیر کے سامان ہو رہے ہیں۔ میں تجھے لکھتا ہوں۔ کہ تو میری مدد کر۔ گو میں جانتا ہوں۔ کہ کوفیوں نے

میرے باپ بھائی اور برادر عم کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔ بلکہ اُن کو اپنے ظلم و ستم سے شہید کر ڈالا۔ اور طرح طرح کی سختیاں اُنہیں پہونچائیں۔ تاہم اب کہ یہاں میرا کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ تو میری مدد کرے۔ اور مجھے اِس آفت سے نجات دلانے کا ذریعہ بنے۔ یہ خط آپ نے لکھ کر قیس عربی کو دیا۔ وہ اِس خط کو لیکر دروازہ کوفہ میں داخل ہوا۔ اور چاہتا تھا۔ سلیمان بن صرو خزاعی کے گھر جاکر نامہ حسین علیہ السّلام اُسے پہونچائے کہ کسی جاسوس نے اُسے گرفتار کر لیا۔ اور دربار ابن زیاد میں پہونچا دیا۔ جب قیس عربی نے ابن زیاد کی صورت دیکھی تو نامۂ امام علیہ السلام کو چاک چاک کر ڈالا۔ اور جرأت و ہمت کے ساتھ دربار میں جاکر کھڑا ہو گیا۔ عبد اللہ نے دریافت کیا کہ یہ تو نے کیا چیز پھاڑ ڈالی۔ قیس عربی نے جواب دیا۔ کہ ایک خط تھا۔ جو میں امام حسین علیہ السّلام کے پاس سے لایا تھا۔ اور اِسے اِس وجہ سے پھاڑ ڈالا کہ تو نہ پڑھ لے۔

یہ سن کر عبد اللہ نے کہا کہ اے شخص تیری رہائی کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو یہ کہ جن لوگوں کے نام حسین علیہ السّلام نے خط لکھا تھا۔ اُن کا نام مجھے صاف صاف بتا دے۔ اور یا ممبر پر کھڑے ہو کر حسین علیہ السّلام اور اُن کے بھائی کو گالیاں دے اور میری اور یزید کی تعریف کر۔ قیس عربی نے جواب دیا کہ دوسری کا پورا ہونا ممکن ہے۔ مگر میں اُن لوگوں کا نام بتانے سے مجبور ہوں۔ جن کو امام حسین علیہ السّلام نے وہ خط لکھا تھا۔ عبد اللہ بولا کہ اچھا منبر پر چڑھو اور اپنی رہائی کی شرط پوری کرو۔

قیس عربی نے کہا۔ کہ اے ابن زیاد تمام اکابرین کوفہ کو حکم دے۔ کہ وہ مسجد جامع میں جمع ہوں۔ میں اُن سب کے سامنے اِس شرط کو انجام دونگا۔ ابن زیاد نے فوراً اجتماع عوام کا حکم دے دیا۔ دوسرے روز مسجد کوفہ میں لوگ بکثرت جمع ہو گئے۔ صحن مسجد میں ایک ممبر رکھا گیا۔ اور اس پر قیس بن عربی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔

پہلے آپ نے خدا کی تعریف کی، پھر جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلّم پر

درود شریف پڑھا۔ اس کے بعد اولیاء اللہ پر جو مصیبتیں نازل ہوئی تھیں۔ اُن کا ذکر کیا۔ بعد ازاں لوگوں سے فرمایا کہ اے کوفے والو میں سبط الرسول کا رسول ہوں اور تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ خلافت و ولایت جناب امام علیہ السلام کو دے دو۔ اس لئے کہ وہ یزید سے زیادہ حقدار ہیں۔ وہ اولاد رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اُن کی مدد کرنا تم لوگوں پر فرض ہے۔ دیکھو وہ بے یار و مددگار بے مونس و غمگسار کئی دن سے کربلا میں پڑے ہوئے ہیں۔ نہ اُن کے پاس جمعیت کافی ہے۔ کہ وہ دشمنوں پر حملہ کریں۔ نہ اُن کے پاس سامان حرب ہے۔ کہ وہ لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں۔ ایسی حالت میں اگر تم اُن کی اعانت کرو گے تو تم سے خدا اور اُس کا رسولؐ ضرور راضی ہو گا۔ اور مرنے کے بعد تمہیں جنّت میں حور و قصور ملیں گے۔ اس کے بعد یزید پلید اور ابن زیاد بدنہاد کی خوب مذمت کی۔ کسی شخص نے یہ خبر ابن زیاد کو پہونچا دی۔ اُس نے فوراً ایک شخص کو بھیجا۔ جس نے قیس عربی کو ممبر سے اُتار دیا۔ اور ابن زیاد کے حکم سے ایک چھت سے گرا کر شہید کر ڈالا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جب شہادت قیسؓ کی خبر جناب امام کے کانوں تک پہونچی۔ آپ کو بہت بڑا صدمہ ہوا۔ اتنے میں ایک شخص نے ابن زیاد کا ایک خط لاکر آپ کو دیا۔ جسمیں لکھا تھا۔ کہ "اے حسین علیہ السلام مجھے یزید نے تمہارے متعلق یہ لکھا ہے۔ کہ اگر حسین علیہ السلام کو پاؤ تو جب تک اُنہیں میری بیعت پر راضی نہ کر لو یا قتل نہ کر ڈالو چین سے نہ سونا۔ اگر وہ میری بیعت پر راضی نہ ہوں۔ تو اُنہیں قتل کر کے اُن کا سر میرے پاس بھیجدو۔ اسلئے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ یا تو تم یزید کی بیعت کر لو یا لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاؤ"۔

جب ابن زیاد کا یہ خط آپ کو ملا تو آپ سخت غضبناک ہوئے۔ اور خط کو ہاتھ سے پھینک کر فرمایا۔ کہ تو بہ تو بہ کیسے مسلمان ہیں۔ غضب خدا اُس کے بندوں کی خوشامد کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور اُس کا ڈر نہیں رکھتے۔ ابن زیاد کے قاصد نے کہا کہ اے حسین علیہ السلام اُس خط کا جواب دو۔ آپ نے فرمایا کہ

مَالَهُ عِنْدِیْ جَوَابٌ فَقَدْ حَقَّتْ عَلَیْہِ کَلِمَۃُ الْعَذَابِ یعنی میرے پاس اِس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اور بجز سزا کے اُس کے لئے کوئی عذاب نہیں ہے۔ ابن زیاد کا ایلچی ابن زیاد کے پاس واپس آیا۔ اور تمام حال جو دیکھا اور سُنا تھا۔ اُس کے سامنے بیان کر دیا۔

عمر و سعد اور محاصرۂ آب

جب ابن زیاد نے یہ ماجرا تمام و کمال سُنا تو اُس کا غصہ اور بھی زیادہ مشتعل ہوا اور اُس نے درباریوں کی طرف نظر اُٹھا کر دریافت کیا۔ کہ تم میں سے کون ایسا جوانمرد ہے۔ جو حسین علیہ السّلام ابن علی رض سے محاربہ کرے اور اُن کا سر کاٹ لائے کوئی نہ بولا۔ دوبارہ پھر پوچھا پھر کسی نے جواب نہ دیا۔ تیسری مرتبہ پھر بزور دریافت کیا۔ لیکن اب بھی کسی کی زبان حرکت میں نہ آئی۔ اب تو ابن زیاد بہت گھبرایا۔ اور عمر و سعد کی طرف جو اُس وقت شریک دربار تھا۔ دیکھ کر کہنے لگا کہ اے عمر و سعد تجھے حکومت رے کا بہت ارمان ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر تو مجادلہ حسین علیہ السّلام کے لئے بطیب خاطر تیار ہو۔ تو حکومت ملک رے (یعنی طہران) اور ایالتِ طبرستان تیرے نام لکھدوں۔ عمر سعد نے جو دیکھا کہ اتنی وسیع حکومت ہاتھ آتی ہے فوراً اچھل پڑا۔ اور جناب امام عالی مقام سے لڑنے کے لئے آمادہ ہوگیا۔ اُسی وقت ابن زیاد نے حکم دیا کہ حکومت ملک رے اور ایالتِ طبرستان اُس کے نام لکھدی گئی۔ اور یزید نے ایک بھاری خلعت معہ زر و جواہر اور اسپ مرصع کار کے اُس کے سپرد کیا۔ اور کہا کہ میں تجھے لشکر کی سپہ سالاری بھی دیتا ہوں لیکن یہ سب کچھ صرف اِس لئے ہے۔ کہ حسین علیہ السّلام ابن علی ع کو بیعت یزید پر راضی کرلے +

عمر سعد نے کہا اے امیر یہ کام نہایت اہم ہے۔ بچوں کا کھیل تو ہے نہیں کہ میں ابھی لشکر لیکر روانہ ہو جاؤں۔ میں آج اپنے مصاحبین سے مشورہ کروں گا۔

اور کل اس کا جواب دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے گھر آیا۔

اُس کے لڑکوں نے دیکھا کہ آج تو ہمارا باپ اور ہی رنگ روپ میں چلا آرہا ہے۔ ہنسے اور اُس سے پوچھنے لگے کہ یہ خلعت فاخرہ اور اسپ چالاک کس خدمت کے صلہ میں عطا ہوا۔ عمر سعد نے جواب دیا۔ کہ آج مجھے حکومت رَے اور نیابت طبرستان دربار ابن زیاد سے عطا ہوئی ہے۔ اور یہ خلعت و اسپ بھی وہیں سے ملے ہیں۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ دولتِ دنیا حکومت و عزت کے ساتھ میرے ہاتھ آئی۔ اور میرے اقبال نے ترقی کی۔

اُس کے چھوٹے لڑکے نے پوچھا کہ یا ابی آخر یہ تمام تحائف و انعام کس طرح حاصل ہوئے۔ وہ بولا کہ ابن زیاد نے مجھے قتل حسین علیہ السّلام پر آمادہ کیا ہے۔ اور میں نے اقرار کر لیا ہے۔ بس اُس کے انعام میں یہ ساز و سامان مجھے ملے ہیں۔

اُس کا چھوٹا بیٹا کہنے لگا کہ اے باپ توبہ کیجئے۔ آپ نے حسین علیہ السّلام کے قتل کا وعدہ کس طرح کر لیا۔ وہ تو رسول اللہ کے نواسے ہیں۔ حضرت علیؑ کے فرزند ہیں ہمارے دادا اور تمہارے باپ سعد وقاصؓ ان کے نانا کے مصاحب و خادم تھے کیا تمہیں خبر نہیں ہے۔ کہ اُن کے مدارج اسلام میں بہت بلند ہیں۔ اگر آج دولت و حکومت کے لالچ میں تم ایسا کر گذرے تو کل قیامت کے دن خدا اور اُس کے رسولؐ کو کیا جواب دو گے۔ اور دادا جان آپ سے کس طرح خوش ہوں گے۔ علاوہ بریں تمام دوستدارانِ اہل بیت اور فدایانِ آلِ عبا قیامت تک تم پر لعنتوں اور ملامتوں کا مینہ برساتے رہیں گے۔ افسوس ہے۔ تم پر اور تمہارے اِس خیال پر ؎

قریب آتا ہے روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا

عمر سعد نے اپنے چھوٹے بیٹے کی اس تقریر کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور بڑے بیٹے سے پوچھنے لگا۔ کہ تو اِس معاملہ میں کیا کہتا ہے۔ وہ بولا کہ میرا بھائی کہتا تو سچ ہے مگر جو کچھ پسر زیاد دے رہا ہے۔ وہ نواب ملتا ہے۔ اور اجر و ثواب کا ملنا قیامت پر

موقوف ہے۔ اِس لئے عقلمندی یہی ہے۔ کہ حاضر کو غائب پر ترجیح دی جائے۔ اور اُمید موہوم پر دل کو نہ بھلایا جائے ؎

ہمیں معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

عمر سعد نے کہا بیشک تو سچ کہتا ہے۔ ہم پہلے دُنیا میں تو عیش کر لیں عاقبت میں جو کچھ گذرے گی سب دیکھ لیں گے ؎

اب تو آرام سے گذرتی ہے ... عاقبت کی خبر خدا جانے

حمزہ بن مغیرہ خواہر زادہ عمر سعد کو جب خبر ہوئی کہ ماموں آج سبط الرسولؐ کے مخالف ہو کر محاربہ کے لئے آمادہ ہیں۔ تو وہ آئے اور کہنے لگے۔ کہ ماموں یہ کیا غضب کرتے ہو۔ کیوں عذاب آخرت اپنے سر مُول لیتے ہو۔ ایسا کام نہ کرو کہ جس سے دُنیا اور دین دونوں خراب ہوں۔ اور بھی جو کوفہ میں اکابر و مشاہیر تھے۔ سب نے مل کر عمر سعد کو اِس ارادہ سے منع کیا۔ جب عمر سعد لوگوں کی فہمائش پر غور کرتا تھا۔ تو اُس کا دل اُسے فتح عزائم پر مجبور کرتا تھا۔ اور جب وہ حکومت رَے و طبرستان کا خیال کرتا تھا۔ تو اُس کا نفس دولتِ دنیا کی طرف اُسے مائل کر دیتا تھا۔ اِسی کشمکش میں اُس نے ایک نظم کہی جو بجنسہ یہاں نقل کی جاتی ہے

نظم ابن سعد

فَوَاللهِ مَا اَدْرِیْ وَاِنِّیْ لَوَاقِفٌ ... اُفَکِّرُ فِیْ اَمْرِیْ عَلٰی خَطَرَیْنِ
اَاَتْرُکُ مُلْکَ الرَّیِّ وَالرَّیُّ مُنْیَتِیْ ... اَمْ اَرْجِعُ مَاثُوْمًا بِقَتْلِ حُسَیْنٍ
فَاِنْ صَدَقُوْا فِیْمَا یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّنِیْ ... اَتُوْبُ اِلَی الرَّحْمٰنِ تَوْبَۃَ مَیْنٍ
وَاِنْ کَذَبُوْا فُزْنَا بِدُنْیَا دَنِیَّۃٍ ... وَمُلْکٍ عَقِیْمٍ دَائِمِ الْحَجْلَیْنِ
اَلَا اِنَّمَا الدُّنْیَا لِخَیْرٍ مُعَجَّلٌ ... وَمَا عَاقِلٌ بَاعَ الْوُجُوْدَ بِدَیْنٍ
فَاِنْ اَنَا اَقْتُلْہُ فَقَدْ فَاذَ مَوْعِدِیْ ... یَقِیْنًا وَاَعْلُوْ عَالَمَ الثَّقَلَیْنِ

وَلَکِنَّ سوءَ بَختِ المُسِرَّ تِ اَغنَتْہُ وَلٰکِنِّی ۔ وَ لَوْ کُنْتُ فِیْھَا اَظْلَمَ الثَّقَلَیْن

مرا بخواند عبید اللہ از میانِ عرب ۔ رسید بردلم از خواندنش ہزار تعب
مرا امارتِ رَے داد و گفت حرب حسینؑ ۔ قبول کن کہ از و ملکِ رَے است شور و شغب
ملک رَے دل من مائل است وی ترسم ۔ بکینہ چوں بکشم بادشاہِ ملاکِ عرب
چگونہ تیغ کشم در رُخ کسی کو راست ۔ شجاعت و نسب و علم و حلم و فضل و ادب
مزاے قاتل او دوزخ است و سیدانم ۔ کہ ایں چنیں عمل آرد خدائے را بغضب
ولے چو من نگرم در رَے و حکومتِ آن ۔ ہمی رود ز دلم خوفِ نار ذات لہب

اک سمت حکومت ہے اک سمت شقاوت ہے ۔ اب دولت و زر لینا یا خوفِ خدا کرنا
حیران ہوں کروں حائل یا لوٹ لوں دُنیا کو ۔ اِس فکر میں بیٹھا ہوں آخر مجھے کیا کرنا

بالآخر بمقتضائے مشیت ہوسِ دُنیا طلب دین پر غالب آئی ۔ اور وہ بدنہاد ناخدا ترس مسلح ہو کر دربار ابن زیاد میں پہونچا۔ اور کہنے لگا کہ اے امیر میں تیار ہوں۔ حسین علیہ السّلام ابن علیؑ سے محاربہ کروں گا۔ جوانانِ نبرد آزما کو میرے ساتھ کر دے۔ اور میرے بڑھے ہوئے حوصلوں کا تماشہ دیکھ ۔

ابن زیاد اُس کے اِس جواب سے بے حد خوش ہوا۔ اور پانچ ہزار لشکر کا سپہ سالار بنا کر اُسے کربلا کی طرف روانہ کر دیا۔ ابن سعد نے کربلا میں پہونچتے ہی سب سے پہلے نہرِ فرات کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ اور لشکر کو کنارِ نہر اُتارا۔ اس کے بعد ایک آدمی کو بھیج کر پوچھا کہ اے حسین علیہ السّلام تمہارا یہاں آنے سے کیا مدعا ہے۔ اور تم نے یہاں آکر چھاونی کیوں چھائی ہے۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ اے ابن سعد تو نے اور تیرے ملک والوں نے خود ہی خطوط بھیج بھیج کر مجھے یہاں بلایا ہے۔ اور اب تمہیں میری داد گیری پہ آمادہ ہو۔ میں تم لوگوں سے کسی قسم کا تعرض نہیں رکھتا۔ اگر سب مجھے اجازت دو تو اب بھی لوٹ جانے کے

لئے تیار ہوں۔

عمر سعد نے سمجھا کہ اس صورت میں بہت ممکن ہے۔ کہ ابن زیاد اور حسین علیہ السلام ابن علی کرم میں مصالحت ہو جائے۔ فوراً ایک نامہ اسی مضمون کا ابن زیاد کے پاس بھیجا۔ اُس نے جواب دیا۔ کہ جب تک حسین علیہ السلام بیعت یزید پر راضی نہ ہوں انہیں ہرگز نہ جانے دو۔ عمر سعد نے وہ خط ابن زیاد کا بجنسہٖ امام عالی مقام کے پاس بھجوا دیا۔ آپ نے پڑھا۔ اور پڑھ کر چاک کر ڈالا۔ اور فرمایا کہ قسم ہے رب العزت کی میں ایک فاسق۔ فاجر۔ بدکار اور زانی کی بیعت کبھی قبول نہ کروں گا۔

وہ شخص جس میں ذرا سی بھی سمجھ ہے غور کر سکتا ہے۔ کہ امام عالی مقام کے لئے اِن ظالموں کے قبضے سے رہائی پانا بالکل آسان تھا۔ اگر جناب امام بیعت یزید قبول کرنے سے انکار نہ فرماتے۔ تو اُن کے لئے لوٹ جانے کی راہیں کھلی ہوئی تھیں۔ پھر کوئی معترض و مزاحم نہ ہوتا۔ مگر حالانکہ وہ جانتے تھے۔ کہ ہزاروں کوفے والے اُن کے چند ساتھیوں کے مقابلے کے لئے آمادہ ہیں۔ اور جب وہ برسرِ پیکار ہوں گے۔ تو یہ چند ہستیاں اُن پر کبھی غالب نہ آ سکیں گی۔ پھر بال بچوں کا ساتھ۔ غربت کا معاملہ۔ پردیس کی حالت۔ دوسرا ہوتا تو فوراً مصالحت کو راہ دیتا۔ اور یزید کی بیعت برائے نام ہی قبول کر لیتا مگر واہ رے عزمِ راسخ اور ارادۂ صادق کہ دُنیا نے لاکھ طرح سے قدم استقلال کو لغزش میں لانا چاہا مگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا نواسہ علی کا بیٹا جادۂ مستقیم سے نہ ہلا پر نہ ہلا ؎

زندہ دل کب ہوسِ بقا کرتے ہیں　　ہم تو مر جانے کی لے خضر دعا کرتے ہیں
سر جھکا دیتے ہیں مرضیِ خدا کے آگے　　ملے یونہی تو رہ تسلیم و رضا کرتے ہیں

جب آپ نے بیعت یزید سے صاف انکار کر دیا۔ تو ابن زیاد نے عمر سعد کو حکم دیا۔ کہ نبی کے نواسے اور اُس کے ساتھ والوں پر دانہ پانی فوراً بند کر دو۔ اور ساتھ

ہی حصین ابن نمیر شیث بن ربعی اور شمر ذی الجوشن کو بے حد لشکر جرّار کے ساتھ عمر سعد کی کمک کے لئے روانہ کر دیا۔ ذرا سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے۔ مردانِ خدا کا خوف ایسا ہوتا ہے۔ کہ چند آدمیوں کے مقابلے کے لئے سارا کوفہ اُلٹا چلا آتا ہے۔ لشکر پر لشکر جمع ہو رہے ہیں۔ اور فوجوں پر فوجیں چلی آ رہی ہیں۔ مگر یہاں صرف خدا پر توکل ہے۔ اور وَاَنزَلَ جُنُوداً لَّم تَرَوہَا پر بھروسہ ہے۔ نہ فوج ہے نہ لشکر ہے نہ کوئی سپہ سالار ہے۔ صرف خدا پر تکیہ ہے۔ اور اُسی کی اعانت درکار ہے +

کہتے ہیں۔ کہ حرُ بن یزید ریاحی ایک ہزار سوار مسلح لیکر پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ کہ پیچھے سے حجر بن حرُ بھی بائیس ہزار سوار لیکر شریک رزم ہوا جب کئی ہزار سوار اس طرح جمع ہو گئے تو عمر سعد نے حجر بن حرؑ کو دو ہزار سوار اور ایک علم دے کر غادریات کے راستہ پر مقرر کر دیا۔ کہ اُدھر سے حسین علیہ السّلام کا لشکر پانی نہ لینے پائے۔ اور ابن ربعی کو چار ہزار سوار دے کر دوسرا ناکہ روک دیا۔ اور اسی طرح نہر فرات کے تمام راستے بند کر دیئے۔ کہ ایک قطرہ آب بھی مہمانانِ کربلا کو نصیب نہ ہو +

جب سختی اور تکلیف وہی کے اس قدر انتظامات کوفیوں نے کر لئے۔ اور جناب امام عالی مقام نے دیکھا کہ اب یہ لوگ بلائے بے درمان بنکر پیچھے پڑ گئے ہیں۔ تو آپ نے رات کے وقت عمر ابن سعد کو اپنے پاس بُلوایا۔ وہ معہ چند مصاحبین کے آپ کے پاس چلا آیا۔ آپ حضرت عباسؓ اور حضرت علی اکبرؓ کی معیت میں اُس سے ملے اور فرمایا کہ اے عمر سعد تو جانتا ہے۔ کہ میں کون ہوں۔ اُس نے کہا ہاں میں جانتا ہوں کہ آپ علیؑ کے بیٹے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلّم کے نواسے ہیں آپ نے فرمایا۔ کہ اے عمر سعد جب تو یہ جانتا ہے۔ اور تجھے یہ بھی خبر ہے۔ کہ میں بالکل بے قصور ہوں تو پھر مجھے اور میرے بچوں کو ایک قطرۂ آب کے لئے ترسانا کس طرح روا رکھتا ہے۔ عمر سعد بولا کہ اے ابا عبداللہ جو کچھ آپ نے فرمایا سچ ہے۔

لیکن مجھے خوف ہے کہ اگر میں آپ سے ملا جاتا ہوں۔ تو مجھکو فے سے یزید نکال دے گا۔ اور یہاں جو میری ملک اور جاگیر اور بڑے بڑے مکان ہیں۔ یہ سب چھین لے گا۔ آپ نے فرمایا کچھ پروا نہیں میں تجھے جنت کے نہایت عالی شان محل اور شاندار قصور نانا جان سے دلوا دوں گا۔ وہ بولا کہ یہاں میرے کھیت ہیں۔ وہ سب برباد ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا میں حجاز میں تجھے نہایت سرسبز باغات اور زرخیز زمینیں کھیت کے لئے دلا دوں گا۔ عمر سعد نے یہ سن کر سر جھکا لیا۔ اور کچھ جواب نہ دے سکا۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور اچھی طرح سوچ کر مجھے جواب دو۔ عمر سعد اُس وقت چلا گیا۔ صبح بریر بن حصیر ہمدانی پھر اُس کے پاس گئے اور بہت کچھ سمجھایا کہ اے عمر سعد حسین علیہ السّلام ابن علی کرم سے لڑائی مول لینے میں دین و دنیا کا خسارہ ہے۔ تو اِس کام سے باز آ۔ عمر سعد پھر ایکبار اس پس و پیش میں پڑ گیا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ لیکن شمر ذی الجوشن نے جو عمر سعد کو جناب امام حسین علیہ السّلام کے پاس آتے جاتے دیکھا تو بدگمان ہو کر فوراً ابن زیاد کو اطلاع دے دی۔ اُس نے عمر سعد کو ایک ڈانٹ بتائی کہ ہم نے تجھے محاربت کے لئے بھیجا ہے۔ یا مصاحبت کے لئے معلوم ہوا کہ تو حسین علیہ السّلام سے ساز باز رکھتا ہے۔ میں نے جو انعامات اور حکومت رَے کے متعلق احکام تجھے دیئے تھے۔ وہ فوراً واپس کر دے۔ اور شمر ذی الجوشن کو لشکر کی سپہ سالاری سپرد کر کے جو تیرے جی میں آئے کر۔ جب عمر سعد نے ابن زیاد کی نگاہ اِس درجہ ٹیڑھی پائی تو ظالم کا دل پھر طلبِ جاہ کی طرف مائل ہو گیا۔ اور جناب امام حسین ع سے لڑ بھڑ نے پر آمادہ کر دیا۔

عمر کے رگ و پے میں حضرت سعد وقاص کا خون تھا۔ جو آنحضرت صلعم کے ایک بہت بڑے مشہور صحابی گذرے ہیں۔ اِس لئے عمر سعد کا دل بار بار شمع کی طرح پگھلتا تھا۔ اور ہوائے دولت اُس کو بار بار مشتعل کر دیتی تھی۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ کوئی صورت مصالحت ایسی نکل آئے۔ کہ دولت بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ اور

دین داروں میں بھی سرخروئی حاصل ہو۔ مگر بقول مولانائے رُوم ؎

ہم خدا خواہی وہم دُنیائے دوں
این خیالست و محالست و جنوں

بھلا کیونکر ہو سکتا تھا۔ کہ وہ اپنی اُمیدوں میں کامیاب ہو۔ غرضکہ اُنھیں جھگڑوں میں آٹھ محرم الحرام سنہ ۶۱ھ کا دن ختم ہو گیا۔

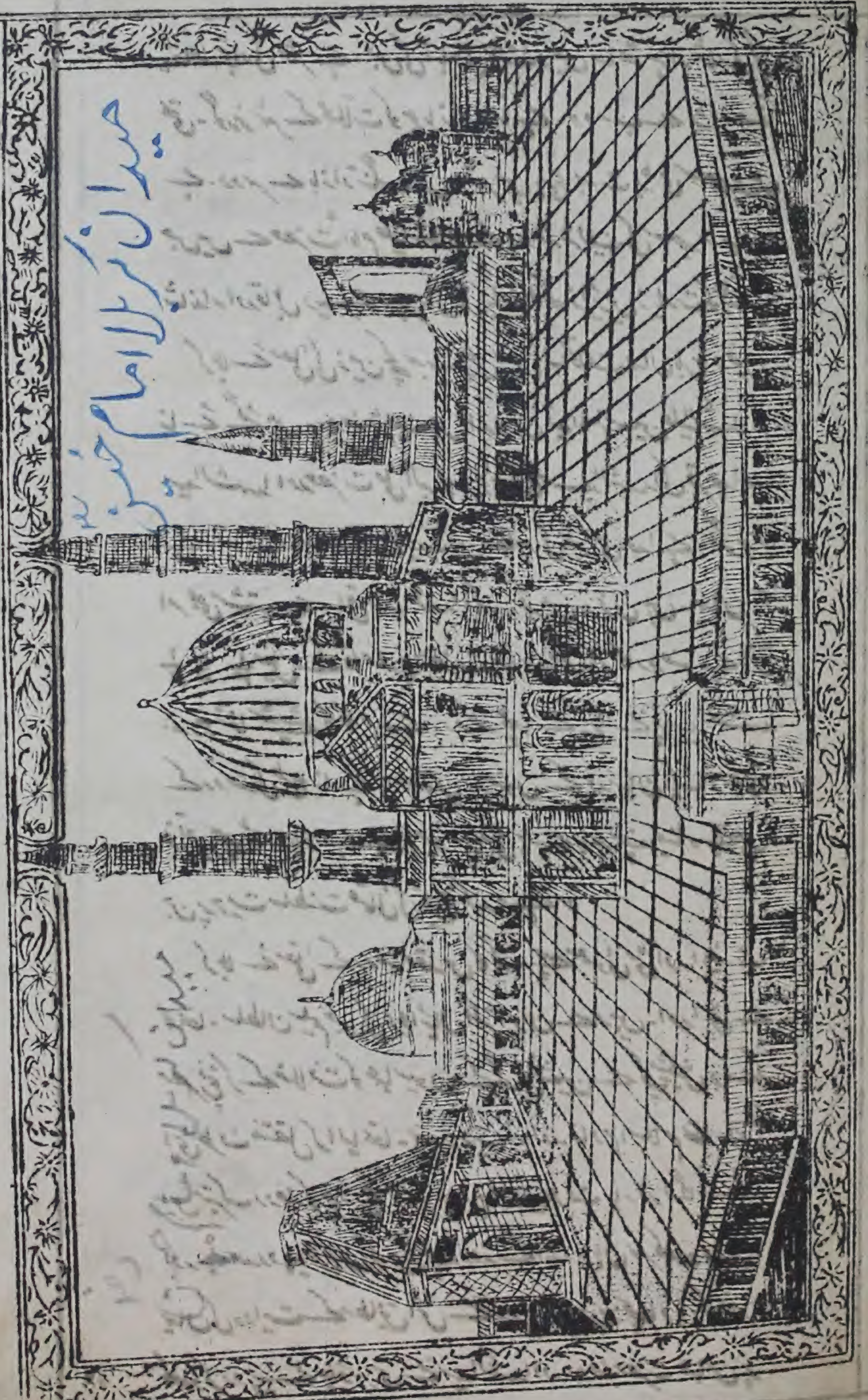
ہاں یہ واقعہ اس اثنا میں ضرور ہوا۔ کہ حبیبؓ ابن مظاہر کی تحریک سے قبیلۂ بنی اسد سے غالباً نوّے آدمی آپ کی مدد کے لئے آئے۔ لیکن وہ اس سے قبل کہ خیامِ امام کے پاس پہونچیں کچھ تو شہید ہو گئے اور کچھ واپس چلے گئے۔

۹ محرم الحرام سنہ ۶۱ھ مطابق ۹ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء

کربلا کے معرکوں کا آغاز

نویں محرم کو صبح ہوتے ہی عمر سعد مع ایک لشکر جرّار کے جناب امام عالی مقام کی طرف بڑھا۔ اور طبلِ جنگ بجوایا۔ آپ اپنی ہمشیرہ کے زانو پر سر رکھے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ کہ آپ نے شور و غل کی آواز سُنی۔ حضرت عباسؓ سے فرمایا۔ کہ دیکھو کون لوگ ہیں۔ اور کیا کہتے ہیں۔ حضرت عباسؓ باہر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک انبوہ کثیر سوار اور پیادوں کا اُمڈا چلا آتا ہے۔ اور لڑائی کے سامان وحشیت کربلا[له] میں نظر آتے ہیں۔

له اس جگہ پر اب ایک شہر آباد ہے۔ جو کربلا کے نام پر موسوم ہے آجکل یہ شہر ولایت بغداد میں واقع ہے۔ جو کہ بغداد سے جانب جنوب ۶۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے مشہد حسین علیہ السلام یا میدان کربلا دریائے فرات سے ۲۰ میل مغرب کی طرف ہے۔ جہاں پر دریا سے ایک نہر ہندیہ نکل کر جاتی ہے۔ شہر کے گرد ۳۰ فٹ اونچی دیوار ہے



یہ خاصہ تجارتی شہر ہے۔ جس کی آبادی ۱۹۰۷ء میں ساٹھ ہزار شمار کی گئی تھی۔ گورنر شہر کے محلات کو جو بازار جاتا ہے۔ وہ سب سے بڑا مصفّا ہے۔ دوسرے بازار تنگ ہیں۔ شہر میں پانچ بہت بڑی مسجدیں ہیں جس میں سے حضرت امام علیہ السلام کے روضہ شریف کی مسجد سب سے شاندار اور قابل دید ہے۔ ہر سال قریباً دو لاکھ زائرین زیارت کو جاتے ہیں۔

کربلائے معلیٰ کی زمین کچھ بہت اچھی نہیں بہ تکلف یہاں باغ وغیرہ بنائے گئے ہیں۔ روضہ شریف میں اندرون قبہ امام حسین علیہ السلام سید الشہدا اور حضرت علی اکبر پسر نوجوان سید الشہدا کی قبر جدا جدا ہے۔ قبہ سے باہر حضرت حبیب ابن مظاہر کی قبر بھی جدا ہے۔ اگرچہ یہ امر بھی مشتبہ ہے۔ باقی سب شہدا ایک قبر میں مدفون ہیں۔ یہاں سے ½ یا ¼ میل کے فاصلہ پر حضرت عباس علمدار کا روضہ ہے۔ جس کے اندر خوشنما شیشے کا کام ہے۔ روضہ چھوٹے پیمانے پر سید الشہدا کے روضہ کی طرح بنا ہے۔ دونوں روضوں کے درمیان ایک خوبصورت نوتعمیر چھوٹا سا بازار ہے۔ بلدہ (میونسپلٹی) سے باہر چند مینار بنے ہیں۔ جن پر حریت سلطنت عثمانی کی تاریخ کندہ ہے۔

کربلائے معلیٰ کے روضہ مقدس کا گنبد پہلے معمولی مٹی اور اینٹ کا تھا۔ سلطان سلیم جس کی لڑائیاں اکثر ایران سے رہیں۔ اور اسی نے مصر فتح کر کے خلافت کو عباسیوں کے گدی نشین سے کچھ پیشکش دے کر اپنی طرف منتقل کرا لیا تھا۔ بہت دیندار اور خادم اسلام تھا۔ اس نے اس متبرک روضہ کو چونہ گچ کا بنوایا۔ چاروں طرف بازار لگائے۔ اور بے حد روپیہ عربوں کو دیکر چند روز کے اندر وہاں نہر کھدوائی۔ یہاں کی روایت کے مطابق اس نے روپیہ زمین پر بچھا دیا۔ کہ نہر کھود کر روپیہ لے جاؤ۔ اسی نے سید الشہدا اور روضہ حضرت عباس پر

خادم مقرر کئے۔ جن کی اولاد کے پاس اِس نیک نام سلطان کے فرامین اب تک موجود ہیں ⁂

حال میں ناظم پاشا والئی بغداد نے بازاروں کو باقاعدہ اور سڑکوں کو وسیع کیا۔ یہاں کا متصرف (کلکٹر یا ڈپٹی کمشنر) کہتے ہیں کہ خود آکر قلیوں کی طرح کام کرتا تھا۔ اونچے اونچے پیڑوں پر چڑھ جاتا تھا۔ اور سخت محنت کرتا تھا۔ جس کی برکت سے وہ گورنر بصرہ ہو گیا وہ خدام کے ساتھ جاکر اپنے ہاتھ سے روشنی کرتا تھا ⁂

موجودہ آبادی آٹھ ہزار مکانات اور اسّی ہزار نفر کی ہے علاوہ اس کے زیارت کے لئے کئی لاکھ آدمی ہر سال آتے ہیں یہاں پریس بھی ہے جہاں سے فارسی زبان کا اخبار روزنامۂ عصر نکلتا ہے۔ دنیا کے دور دور کے حصوں کے شیعہ مسلمان یہاں دفن ہونا باعث نجات خیال کرتے ہیں۔ ایک مردہ کے دفن کیلئے سلطنت ڈیڑھ گنی سے بارہ گنی تک بلحاظ قرب قبر سید الشہدا فیس لیتی ہے۔ یہ روپیہ صیغہ اوقاف میں جمع ہوتا ہے۔ جو مرمت حرم یا دیگر ضرورتوں میں خرچ ہوتا ہے ⁂

کربلائے معلیٰ میں خصوصاً بزمانۂ زیارت جبکہ ایران و عرب کے لوگ بھر جاتے ہیں۔ کپڑے کی خرید و فروخت بہت ہوتی ہے۔ لکھے ہوئے کفن جن میں دعائیں لٹھے کے کپڑے پر چھاپہ شدہ ہوتی ہیں تسبیحیں۔ سجدے وغیرہ بکثرت فروخت ہوتے ہیں۔

آپ نے فوراً خیمہ میں آکر جو کچھ دیکھا تھا۔ عرض کر دیا۔ جناب امام علیہ السّلام اُٹھ بیٹھے۔ اور فرمایا۔ کہ اے عباسؑ تم سردار لشکر کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو کہ آج کا دن لڑائی کے لئے موقوف رکھو۔ کہ آج شب عاشورہ ہے۔ اور ہم مراسم طاعت اور لوازم عبادت میں مصروف ہیں۔ کل دیکھ لینا ⁂

حضرت عباسؑ نے یہ اطلاع لشکر کے سردار کو دی۔ عمر سعد تو چاہتا تھا۔ کہ ٹلکار ہے۔ لیکن ابن زیاد کے تقاضوں نے اُسے بھی مجبور کر دیا تھا۔ بولا کہ ایسا نہیں ہو سکتا ہم تو آج لڑیں گے۔ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو لڑنے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ وہ یہ کہہ ہی رہا تھا۔ کہ ابو شعبان کندی یا عمرو بن حجاج نے اُسے ڈانٹا اور کہا کہ اے سردار یہ کیا بے شرمی کی بات ہے۔ کہ تم مسلمان کہلاتے ہو اور بانیٔ اسلام کے نواسے کو ایک رات کی مہلت طاعت گذاری کے لئے نہیں دیتے۔ تم نہیں دیکھتے کہ وہ بیکس و لاچار ہیں۔ تمہارے بس میں ہیں۔ تم نے اُن کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ وہ تم سے بھاگ کر کہیں جانا نہیں چاہتے نہ جا سکتے ہیں پانی اُن پر اور اُن کے بچوں پر آج تین روز سے بند ہے۔ تمہیں ذرا تو شرم آنی چاہیئے اگر بجائے حسین علیہ السّلام ابن علیؑ کے اِس وقت کسی اور ملک کا لشکر ہمارے مقابلہ میں ہوتا اور وہ ہم سے مہلتِ جنگ طلب کرتا تو غالباً اُس سے بھی انکار نہ کرتے چہ جائیکہ یہ تو اہل بیت رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہیں ۔

یہ سُن کر عمر سعد بہت شرمایا۔ اور سر جھکائے ہوئے اپنے لشکر کے ساتھ واپس چلا گیا ۔

مروی ہے۔ کہ جناب امام عالی مقام نے خیموں کے گرد خندقیں کھدوادی تھیں۔ تاکہ دشمن خیموں تک نہ پہونچ سکیں۔ اور خیام مخدرات کے ارد گرد جو خندق تھی۔ اُس میں آگ روشن کرادی تھی۔ تاکہ وہ حملہ دشمن سے بہت زیادہ محفوظ و مصئون رہیں۔ جب آگ کی روشنی دشمن کی لشکر گاہ تک پہونچی تو کوفیوں میں سے ایک شخص مالک بن عروہ نکلکر آیا اور چلا کر کہا۔ اے حسین علیہ السّلام کیا جیتے جی اپنے کو آگ میں جلائے دیتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ کَذَبْتَ یَا عَدُوَّ اللّٰہِ ۔ اے دشمن خدا۔ تو نے جھوٹ کہا۔ حضرت مسلم بن عوسجہؓ کو غصہ آیا اور کہنے لگے کہ یا امام مجھے اجازت دیجئے کہ میں اِس ظالم کی دریدہ دہنی کی سزا دوں اور ایک تیر ایسا ماروں کہ اِس کے ہونٹوں کو زخمی کر دے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ ہم لڑائی میں اپنی طرف سے پہل کرنا

نہیں چاہتے۔ اگر حقیقت میں اُس نے ایسی بات کہی ہے جو اہلِ بیت رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ہے۔ تو خدا اُس کو سزا دے گا۔ آپ کی زبان سے ہنوز یہ فقرہ نکلا ہی تھا۔ کہ مالک ابن عروہ کے گھوڑے کا پاؤں ایک سوراخ میں پھنس گیا۔ اور وہ بھڑک کر بے تحاشہ مع سوار کے بھاگا۔ اور الف ہو گیا۔ یہانتک کہ مالک بن عروہ اُس پر محفوظ نہ بیٹھ سکا۔ اور نیچے گرا۔ لیکن اُس بدبخت کا پاؤں رکاب میں پھنسا رہ گیا۔ اور گھوڑا اُسی طرح اُس کو گھسیٹتا ہوا اُس آگ بھری خندق کے پاس لایا۔ اور وہ ناری اُسی خندق میں جل بھن کر کوئلہ ہوگیا۔

سچ ہے ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن

اجابت از درِ حق بہر استقبال مے آید

جب رات ہوئی تمام حجازی دشتِ کربلا میں مصروف طاعت و عبادت ہوئے۔ اور خیام آلِ عبا سے گریہ وزاری کی آوازیں بلند ہو کر آسمان تک پہونچیں رفقائے حسین علیہ السّلام سچے دل اور پورے الحاح کے ساتھ خدا کی عبادت میں صبح سے شام تک مصروف رہے۔ جناب امام عالی مقام نے ایک کرسی پر بیٹھ کر اُن سب لوگوں کو پھر اپنے سامنے بلایا۔ جو آپکے ہمراہ تھے۔ اور کہا کہ اے لوگو ناناجان نے جو کچھ فرمایا تھا۔ اب اُس کے پورے ہونے کا وقت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حسین علیہ السّلام یہیں شہید کیا جائے گا۔ اس لیئے میں تم لوگوں سے بخوشی کہتا ہوں۔ کہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ جہاں چاہو چلے جاؤ۔ اور میرے ساتھ رہ کر تکلیف نہ اُٹھاؤ۔ مجھے تو صرف اپنے خدائے واحد کی مدد کافی ہے۔ نِعْمَ الْمَوْلیٰ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ٭

جب رفقا نے یہ کلماتِ حسرت آیات سُنے رونے لگے۔ اور عرض کرنے لگے کہ یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہماری جانیں آپ پر نثار ہو جائیں۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ ہم آپ کو اس حالت میں تنہا چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو

چلے جائیں۔ کل خدا اور اُس کے رسول کو کیا مُنہ دکھائیں گے۔ ہم تو آپ پر فدا ہونے کے لئے تیار ہیں۔ اگر ہماری جانیں آپ کے کام آئیں تو قیامت میں ایک وسیلۂ نجات ہاتھ آئے۔ اور جنابِ رسولِ خدا کے سامنے سرخروئی حاصل ہو۔ آپ نے ان کو دعائیں دیں۔ اور خاندانِ حضرتِ مسلمؓ بن عقیل میں سے جو لوگ وہاں موجود تھے۔ اُنہیں بُلایا۔ اور کہا کہ اے لوگو اب میں تو خدا کی راہ اور دین کی حمایت میں سرخرو جاؤں گا۔ تم لوگ یہاں سے قبیلہ بنی طے میں چلے جاؤ وہ تمہیں بحفظ و امان مدینہ منورہ تک پہونچا دیں گے۔ وہ لوگ بولے کہ یا ابن رسول اللہ ؎

وحشتِ پُر خوف میں ہر چند کہ لاچار ہیں ہم صدمۂ مسلمؓ مرحوم سے بیمار ہیں ہم
آپ کے دامِ محبت میں گرفتار ہیں ہم لاکھ بے کس ہیں مگر پھر بھی وفادار ہیں ہم
جائیں ہم لوٹ کے آقا یہ نہیں ہو سکتا
آپ کو چھوڑ دیں تنہا یہ نہیں ہو سکتا

آپ یہ سُن کر بہت روئے اور ان کے حق میں دعا کرتے رہے۔

۱۰ محرم الحرام سنہ ۶۱ ہجری

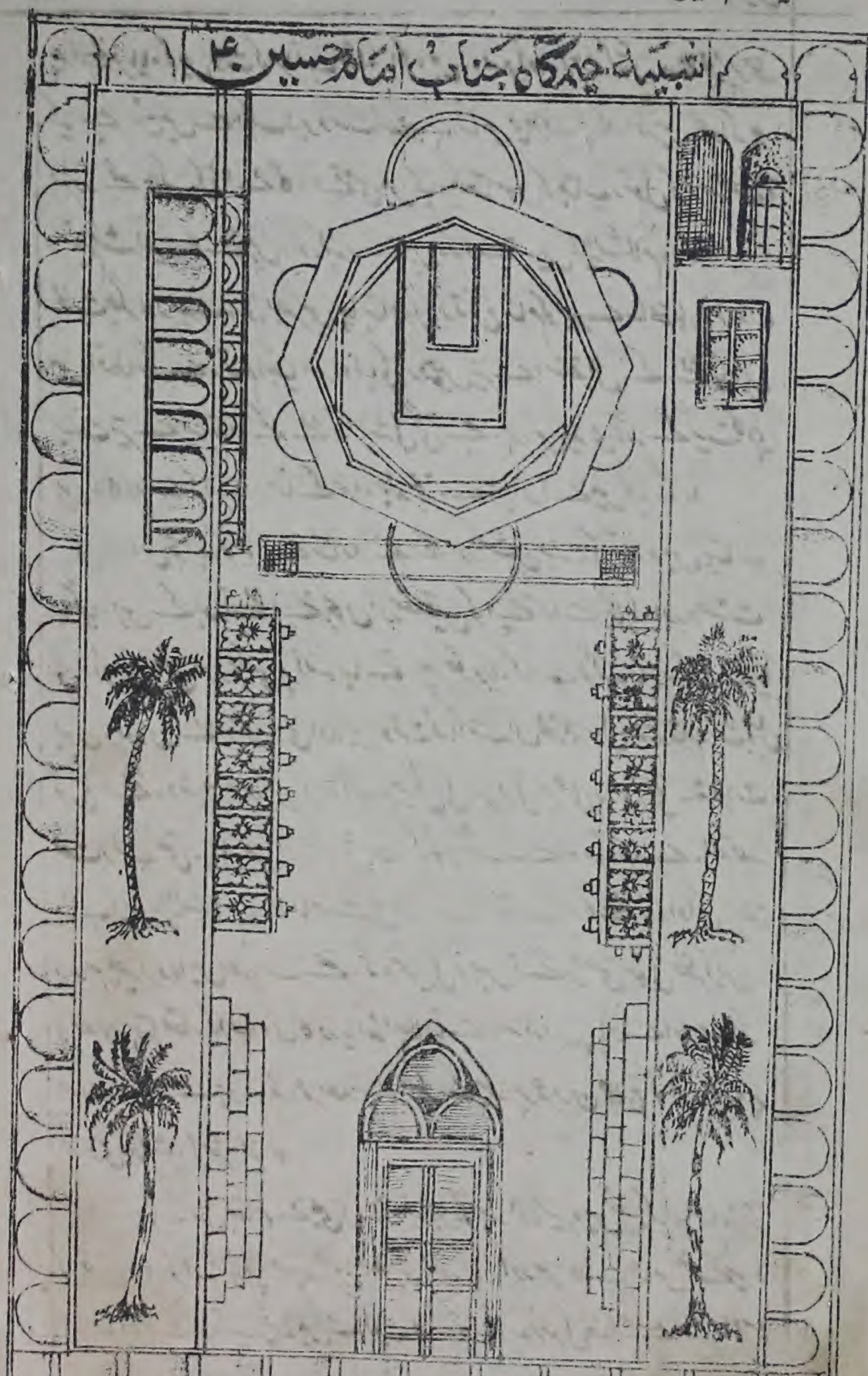
محشرستانِ کربلا

آج جو تھا محرم تھا۔ کہ جنابِ عالی مقام اپنے بچوں کو لئے خیام میں رونق افروز تھے۔ اور العطش العطش کی صدائیں خیموں سے بلند تھیں۔ کوئی اتنا نہ تھا۔ کہ اہلِ بیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تھوڑا سا پانی پلا دے۔ اور بچوں کی پیاس بجھا دے۔ صبح ہوتے ہی لشکرِ دشمن میں طبلِ جنگ بجنے لگا۔ قرنا کی صدائیں کربلا کے میدان میں آنے لگیں۔ علی الصباح ایک آوازِ غیب سے آئی۔ جسے تمام اہلِ بیت نے سُنا۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ یا خیلَ اللہ ارکبو یعنے اے لشکرِ خدا سوار ہو جاؤ۔ آپؑ نے رفقا سے فرمایا۔ کہ اے لوگو تم نے سُنا۔ سب نے اس آواز کے سُننے کا اقرار کیا

پھر آپنے فرمایا۔ کہ میں رات کو مراقب تھا۔ ناگاہ میں نے دیکھا۔ کہ چند کتوں نے مجھ پر حملہ کیا ہے۔ اُن میں سے ایک زبردست اور مہیب کُتا میری طرف لپکا۔ اور میں سمجھا کہ یہ ضرور مجھے ہلاک کر ڈالے گا۔ اتنے ہی میں کیا دیکھتا ہوں کہ جناب رسُول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تشریف لائے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں۔ کہ اے حسین علیہ السّلام، اے میرے لختِ جگر اور میرے نور بصر میں چاہتا ہوں کہ تو آج شام کو میرے ساتھ باغ فردوس میں افطار کرے۔ تمام انبیا اور اولیا کی روحیں تیرے استقبال کے لئے تیار ہیں یہ جنت تیرے خیر مقدم کے لئے آراستہ کی گئی ہے۔ حوریں تیری آمد کے گیت گا رہی ہیں۔ لازم ہے کہ اپنے رفقا کے ہمراہ جلد مجھ سے مل اور آنے میں دیر نہ کر۔

اس خواب کو جس نے سُنا رونے لگا۔ اور گلشنِ جنت کی آرزو میں بیتاب ہو گیا۔ اس کے بعد آپنے اپنے بچوں اور متعلقین کو اپنے سامنے بُلایا۔ اور وصیت کی۔ اُن کی یتیمی اور بیکسی پر آنسو بہائے۔ پھر حکم دیا۔ کہ سب لوگ نماز کے لئے تیار ہوں۔ موذن نے اذان دی اور جس وقت کہا اشہد اَن محمدؐ الرسول اللہؐ تمام دشت و جبل گونج اُٹھے۔ دشتِ کربلا میں لرزہ آگیا۔ جنگل کی ہر بوٹی جڑی روتی تھی۔ نہر فرات کف بر لب تھی۔ پانی میں ایسا جوش تھا۔ کہ گویا آگ سے اونٹایا گیا ہے۔ القصہ جناب امام علیہ السّلام نے امامت کی اور سب رفقائے ہمرکاب نے نماز ادا کی۔ ہنوز سلام پھیر کر دعا میں مصروف تھے۔ کہ دشمن کی فوجیں آگے بڑھتی ہوئی نظر آئیں۔ یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ انسانوں کا دریا اُمڈا چلا آتا ہے۔ ہزاروں پیادے اور سوار صف بستہ کھڑے ہوئے۔ عمر سعد نے لشکر کے میمنہ پر عمرو بن حجاج کو اور میسرہ پر شمر ذی الجوشن کو مقرر کیا۔

جناب عالی مقام نے بھی اپنے رفیقوں کو میمنہ اور میسرہ میں تقسیم کیا۔ میمنہ پر زہیرؓ بن قیس عربی کو اور میسرہ پر حبیبؓ بن مظہر کو مامور کیا۔ اور علم حضرت عباسؓ کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد آپ خیمہ میں تشریف لائے۔ عمامہ رسُولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سر پر باندھا۔ پٹکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کمر سے باندھا۔ ذوالفقار حیدری زیب پشت


شبیہ خیمہ گاہ جناب امام حسینؑ

حمائل فرمائی۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں تشریف لائے اور فرمایا ؎

اَنَا ابْنُ عَلِیِّ الْمُطَہَّرِ مِنْ اٰلِ ہَاشِمٍ　　　كَفَانِیْ بِهٰذَا مُفْتَخَرٌ حِیْنَ اَفْخَرُ

پھر فرمایا۔ کہ اے قوم جفا کار تمہیں جاننا چاہیئے۔ کہ مصطفےٰ ص کا نواسہ ہوں جگر گوشہ علی مرتضےٰ ہوں۔ حسن علیہ السلام مجتبےٰ میرے بھائی تھے۔ جعفر طیار میرے چچا تھے۔ دیکھو میرے سر پر اس حجازی نبی کا عمامہ ہے۔ جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو۔ اور جس کی اُمت میں ہونا اپنے لئے موجب فخر سمجھتے ہو۔ جو خدا کا خاصہ حبیب ہے۔ جس کا مرتبہ تمام انبیا سے برتر ہے۔ دیکھو میری کمر میں حضرت علی کرم کا پٹکہ ہے۔ جن کی شجاعت و بسالت سے تم خوب واقف ہو۔ اور انہیں کا گھوڑا میری زیر ران ہے۔ لشکر عمر سعد نے نعم نعم کی صدائیں بلند کیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اے ظالمو جب ان تمام باتوں کا تمہیں یقین ہے۔ تو پھر اس عمامے، تلوار، اور پٹکے کی تمہیں شرم آنی چاہیئے۔ میرا خون اور میرے بچوں کا خون تمہیں کس طرح حلال ہو سکتا ہے۔ وہ پانی جسے یہود و نصاریٰ ہی نہیں بلکہ جنگل کے وحشی جانور بھی پی سکتے ہیں۔ میرے بچوں پر اور مجھ پر بند کر کے تم نے اپنی شقاوت کا ثبوت دیا ہے ۔

میں روضۂ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا مجاور تھا۔ مدینہ والوں نے مجھے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ تو میں مکہ آیا۔ وہاں تم لوگوں نے اتنے خطوط میرے پاس بھیجے۔ کہ میں مجبور ہو کر تم لوگوں میں چلا آیا۔ دیکھو آج میرا وہ خاندان ہے۔ جس کا مقابلہ دُنیا میں کوئی خاندان نہیں کر سکتا۔ اب جو تم مجھے ستاتے ہو۔ اور میرے بچوں کو ڈلاتے ہو پانی کے لئے ترساتے ہو۔ تو کیا تمہیں کچھ خدا کا خوف نہیں ہے۔ اور تم اُس کے قہر و غضب سے بالکل نہیں ڈرتے ۔

اے عمر سعد اے عمرو بن حجاج اے شدیت ربعی کیا تم نے مجھے اپنے دستخطی خطوط بھیج کر نہیں بُلایا۔ اور کیا میں تمہارا مہمان نہیں ہوں۔ اگر مہمان ہوں تو میرا خون بہانا تمہارے مشرب میں کیونکر روا ہے۔ وہ بولے کہ ہم نے آپ کو

کوئی خط نہیں لکھا۔ آپ نے فوراً وہ تمام خطوط منگوائے۔ اور اُن کو پڑھ کر سُنائے وہ کہنے لگے۔ کہ ہم نے یہ خطوط نہیں لکھے ہیں۔ نہ اِن کے متعلق ہمیں کوئی اطلاع ہے۔ ممکن ہے کہ کسی نے ہمارے دستخط بنا لئے ہوں۔ یہ سُن کر آپ نے اُن تمام خطوں کو آگ میں جلا دیا۔ اور فرمایا۔ الحمد للہ والمنۃ کہ تم لوگوں پر حجت تمام ہوئی۔

یہ سُن کر عمر سعد آگے بڑھا۔ اور کہنے لگا کہ اے حسین علیہ السّلام اب یہ تمام باتیں بیکار و فضول ہیں۔ یا تو بیعت یزید قبول کرو یا مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہ کہہ کر بولا کہ اے اہل کوفہ گواہ رہنا اور دربار ابن زیاد میں گواہی دینا کہ سب سے پہلے لشکر گاہ حسین علیہ السّلام کی طرف جس نے تیر پھینکا وہ میں ہوں۔ یہ کہا اور ایک تیر خیمہ گاہ حسین علیہ السّلام کی طرف پھینکا۔ جناب امام عالی مقام نے اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا۔ غصہ سے آپ کا چہرہ لال ہو گیا۔ اور فرمایا کہ اے ظالمو یہودیوں نے عزیر کو خدا کا بیٹا بنایا تو اُن پر غضب الٰہی نازل ہؤا۔ نصاریٰ نے عیسےٰ کو خدا کا بیٹا جانا تو اُن پر بھی سختی ہوئی۔ اب تم فرزند پیغمبر کے مار ڈالنے کا قصد کرتے ہو۔ خدا اِس کا بدلہ تمہیں ضرور دے گا۔ میں ہر حال صابر و شاکر ہوں۔ اور اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ پر میری نظر ہے۔ اب تم جو چاہو کرو۔ مگر یہ یاد رہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ یہ کہا اور میدان مصاف سے خیام میں تشریف لے آئے۔

کہتے ہیں کہ دشمن کی فوج بائیس ہزار پیدل اور سوار تھی۔ اور اِدھر صرف ۸۲ یا ۷۲ رفیق تھے۔ جن میں سے ۳۲ سوار اور چالیس پیادہ تھے۔

شہادتِ حُرؓ بن یزید ریاحی

جس وقت جناب امام عالی مقام اور عمر سعد میں گفتگو ہو رہی تھی۔ اُس وقت حُرؓ بن یزید ریاحی عجیب کشمکش میں تھا۔ اور اُس کا دل امید و بیم میں پڑا ہؤا تھا۔ کبھی وہ لشکر کوفہ کی عظیم الشان ہیبت و جلال آمیز وسعت پر نظر کرتا تھا اور کبھی سبط الرسول علیہ السّلام کی دردناک حالت پر اُس کی نگاہ جا پڑتی تھی۔

ناگہاں اُسے ایک طرارہ آیا۔ اُس کا جسم کانپنے لگا۔ اور گھوڑا بڑھا کے وہ عمر سعد کے قریب پہونچا۔ پوچھا کہ اے ابنِ سعد کیا تو واقعی حسین علیہ السلام ابن علیؑ کو قتل کرے گا۔ وہ بولا نعم حرؑ نے کہا تجھے خدا اور اُس کے رسولؐ کا کچھ خوف نہیں ہے۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اِس ہمت وجرأت کے ساتھ حرؑ کا یہ کہنا اُسے حیرت میں ڈالنے کے لئے کافی تھا۔ حرؑ نے جب اُسے خاموش پایا تو اپنا مرکب بڑھایا۔ اور خیام سبط الرسول کی طرف بڑھا آواز دی یا امام باہر تشریف لائیے۔ آپ باہر رونق افروز ہوئے۔ وہ فوراً گھوڑے سے اُترا اور آپ کے قدموں پر گر کر کہنے لگا۔ کہ یا ابن رسول اللہ میرا قصور معاف کیجئے۔ میں اب تک یہ سمجھا تھا۔ کہ شاید آپ میں اور کوفیوں میں صلح ہو جائے گی۔ لیکن رنگِ واقعات بہت برہم نظر آتا ہے۔ اِس لئے اب مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا کہ میں اہل بیت اطہار اور فرزندانِ رسول کی ایسی بے عزتی اپنی آنکھوں سے دیکھوں میں اپنے افعال سے تائب ہوں۔ آپ مجھے اپنی خدمت کے لئے قبول فرمائیے۔ آپ نے حرؑ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ دعا دی۔ اور فرمایا کہ اے حرؑ تم کچھ خوف نہ کرو۔ تو یہ ایک ایسی چنگاری ہے۔ جو منوں گناہ کی بارود کو ذراسی دیر میں بھک سے اُڑا دیتی ہے۔ خدا تمہاری توبہ ضرور قبول کرے گا۔ اور تمہیں اس خلوص وعقیدت کا صلہ دے گا۔ تم ہمارے مہمان ہو تمہاری حفاظت ہم پر فرض ہے جاؤ خیمہ میں بیٹھو ۔

اُدھر لشکر عمر سعد منتظر تھا۔ کہ دیکھیں حسین علیہ السلام پہلے کسے بغرض محاربہ میدان میں بھیجتے ہیں۔ اور حرؑ کے اودھر چلے آنے سے اُس کے دل میں طرح طرح کے شک آجا رہے تھے۔ اِدھر سے بعض جوانانِ نبرد آزما نے اجازت رزم چاہی۔ مگر آپ نے یہ کہہ کر روکدیا کہ پہل کرنا ہمارے آبائی مشرب کے خلاف ہے جبتک دشمنوں کی طرف سے حملہ نہ ہو تمہیں خاموش رہنا چاہیئے۔ اسی اثناء میں حرؑ کا بھائی مصعب بھی لشکر کفار سے نکلا۔ اور خیامِ امام زمان کی طرف روانہ ہُوا۔ عمر سعد سمجھا۔ کہ شاید یہ اپنے بھائی سے مقابلہ کے لئے آمادہ ہو کر جارہا ہے

لیکن جب مصعب حرؔ کے پاس پہونچا کہنے لگا کہ اے بھائی مُبارک ہو کہ میں بھی سعادت دارین حاصل کرنے میں تیرا مقلد ہوں۔ تو میرے لئے خضر راہ ہُوا۔ مجھے جنابِ امام کی خدمت میں لے چل۔ حرؔ اپنے بھائی مصعب کو بھی خدمتِ امام میں لائے آپ اُس سے ہم آغوش ہوئے اور دعائیں دیں +

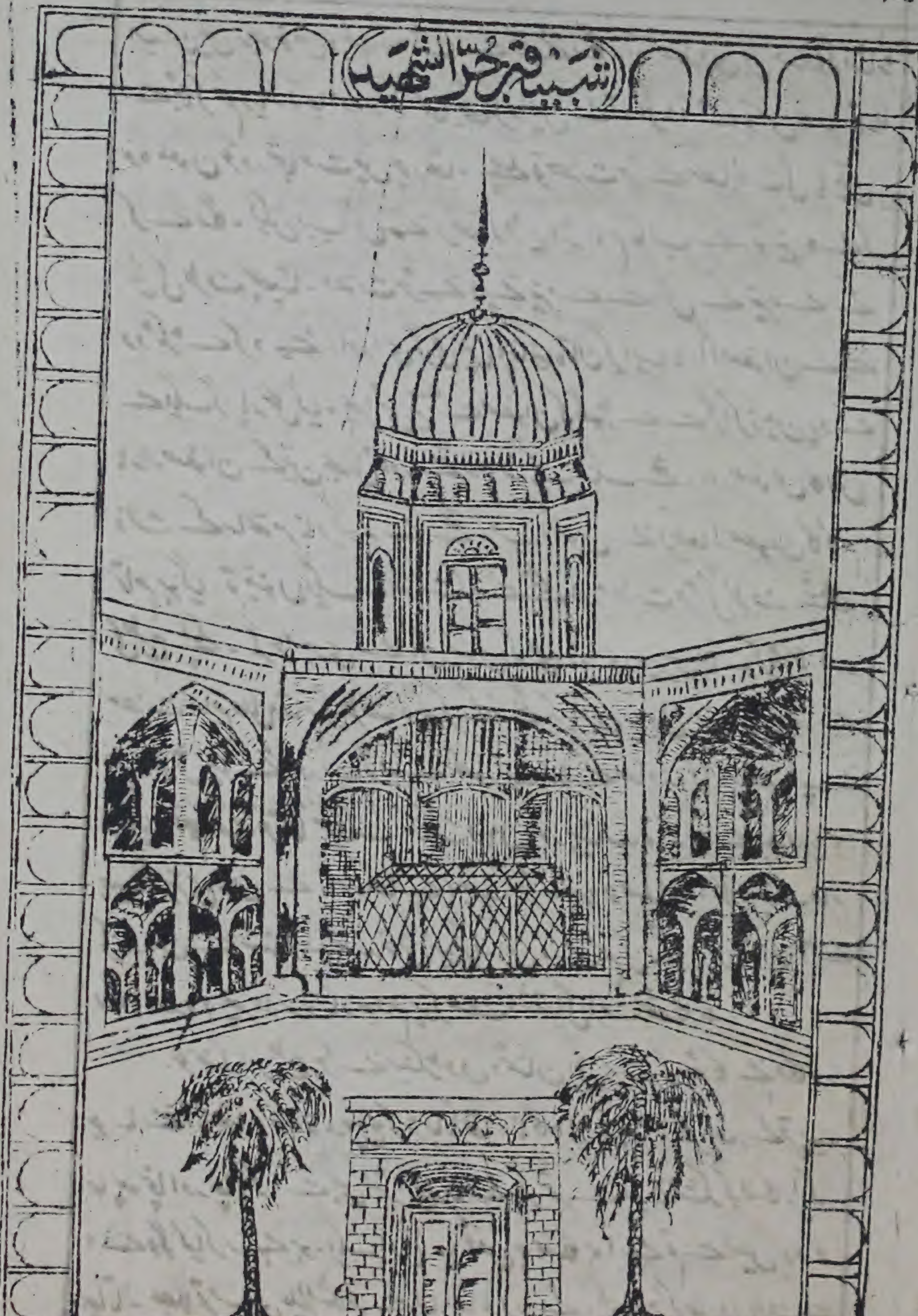
حرؔ نے کہا کہ یا امام میں نے رات کو ایک خواب دیکھا تھا۔ کہ میرے والد مجھے ملے اور پوچھنے لگے۔ کہ اے حرؔ آجکل کہاں رہتا ہے میں نے کہا کہ گرفتاری امام حسین علیہ السّلام میں مصروف ہوں اور چاہتا ہوں کہ اپنے حسن انتظام سے یزید کو خوش کر کے دولتِ دنیا حاصل کروں۔ وہ کہنے لگے۔ افسوس ہے تجھ پر اے حرؔ کہ تو دُنیا کی دو روزہ زندگی کو عقبیٰ کی دائمی شادمانی پر ترجیح دیتا ہے۔ اور خدا اور اُس کے رسُول سے نہیں ڈرتا۔ کل اُن کی شفاعت تجھے کیونکر حاصل ہوگی۔ اور تو خدا کو کیا جواب دے گا +

اس خواب کا میرے دل پر بہت زیادہ اثر ہوا ہے۔ یا امام اب مجھے اجازت دیجئے۔ کہ سب سے پہلے میں میدانِ کارزار میں جاؤں۔ اور آپکے دشمنوں کو خاک و خون چٹا کر جلد شہادت پاؤں آپؑ نے فرمایا کہ اے حرؔ تم تو ہمارے مہمان ہو۔ تمہارا پہلے جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ حرؔ نے عرض کیا۔ کہ یا ابن رسول اللہ سب سے پہلے حضور مجھی کو اجازت دیں۔ تاکہ مجھے یہ سرخروئی حاصل ہو کہ سب سے پہلے جس شخص نے دشمنانِ اہل بیت پر حملہ کیا۔ اور انہیں خون میں نہلایا وہ حرؔ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ریاحی تھا +

مجبور ہو کر جنابِ امام نے حرؔ کو میدانِ جنگ کی اجازت دی حضرت حرؔ طعوؔز پر سوار ہو کر میدانِ رزم میں پہونچے اور فرمایا ؎

منم شیر دل حُرّ مردم ربائی ۔۔۔ کمر بستہ پیش ولی خدائی
منم شیر و شمشیر بُراں بدست ۔۔۔ کہ دارد بر شیر و شمشیر پائی

حضرت حرؔ کی شجاعت تمام عرب میں مشہور تھی۔ جب عمر سعد نے آپ کو


شبیہ قبر حُرؑ الشہید

میدان میں رجز خواں دیکھا تو وحشت سے کانپنے لگا۔ اور صفوان بن حنظلہ کو اشارہ سے بُلا کر حکم دیا کہ تو جا اور حرُ کو سمجھا بجھا کر واپس لے آ۔ اگر نہ آئے تو اُس کا سر اُتار لا وہ ملعون غرور شجاعت میں چور تھا۔ پہلے تو حضرت حرُ سے مصالحت کی باتیں کرنے لگا۔ لیکن جب اُس نے دیکھا کہ حرُ پر اثرِ امام غالب ہے۔ تو نیزہ لے کر اُن کی طرف جھپٹا۔ حضرت حرُ نے اپنے نیزے سے اُس کے نیزے کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اور اسی گرمی میں اپنا نیزہ تان کر ایسا مارا کہ صفوان کے سینے سے ایک گز پار نکل گیا۔ پھر اُسی نیزے سے صفوان کو گھوڑے سے گرا کر زمین پر دے مارا۔ صفوان کے تین بھائی اور تھے۔ جو شریک جنگ تھے۔ اور صفوان کا اِس ذلت کے ساتھ مرنا دیکھ رہے تھے۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ صفوان کا کام تمام ہو گیا۔ تو تینوں ایک ساتھ لشکر سے نکلے اور حضرت حرُ کی طرف شعلے کی طرح لپکے۔ مگر حرُ جری نے اُن تینوں کو بھی ذرا سی دیر میں ہلاک کر ڈالا۔ اور حضرت امام عالی مقام کی طرف دیکھ کر کہنے لگے کہ یا ابن رسول اللہ اب تو مجھ سے آپ خوش ہوئے اور اب تو میرے قصور آپ خدا سے معاف کرا دینگے۔ آپ نے فرمایا۔ نَعَمْ اَنْتَ حُرٌّ کَمَا سَمَّتْکَ اُمُّکَ (ہاں اور بیشک تو آزاد ہے (نار دوزخ سے) جیسا کہ تیری ماں نے نام رکھا ہے) جب حرُ نے یہ حوصلا افزا کلام جناب امام کی زبان سے سُنا تو بے حد خوش ہو گیا۔ اُس کے جسم کی رگوں میں خون دوڑنے لگا۔ اور وہ پھر از سرِ نو تازہ دم ہو کر صف اشقیا کی طرف جھکا ٭

غرضکہ اس طرح حرُ نے سینکڑوں دشمنان اہل بیت کو ٹھکانے لگا دیا جو سامنے آتا تھا۔ وہ زندہ بچ کر نہ جاتا تھا۔ ناگاہ لڑتا بھڑتا عمر سعد کے قریب جا پہونچا اور چاہا کہ اُسے بھی لقمۂ تیغ بنائے مگر شمر نے اپنے لشکر کو للکارا کہ اے لوگو کیا کر رہے ہو۔ ایک ادنیٰ سا شخص جو تھکا ہوا ہے تم سے نہیں مرا جاتا۔ بھلا تم حسین علیہ السّلام سے کیا مقابلہ کرو گے۔ گھیر لو حرُ کو چاروں طرف سے گھیر لو۔ یہ اب یہاں سے جانے نہ پائے ٭

یہ سُنتے ہی حرُ کو فوجوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور تلواریں اور نیزے برسنے لگے۔ حتیٰ کہ قسور بن کنانہ نے آپ کے سینہ پر ایک نیزہ مارا اور حضرت حرُ گھوڑے سے گر پڑے۔ اور سر اُٹھا کر دیکھا تو قسور گھوڑے پر سوار کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا۔ بس آپ نے فوراً اُسی گرمی میں اپنا نیزہ اُٹھایا اور اِس زور سے قسور بن کنانہ کے سینہ پر مارا کہ وہ بھی گھوڑے سے گر کر خاک پر تڑپنے لگا۔ اور ذرا سی دیر میں داخلِ نار ہوا +

جب حضرت حرُ کے زخم کاری لگا تو آپ چلائے کہ یَا حُسَیْنَاہٗ اَدْرِکْنِیْ آپ حرُ کی ولاوری و بہادری کا تماشہ تو دیکھ ہی رہے تھے۔ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر اُس انبوہ کثیر میں پہونچے اور حرُ کو اپنے ساتھ لشکرگاہ تک لے آئے۔ یہاں لا کر اُن کے چہرہ اور جسم سے گرد و غبار پونچھا۔ شدت تشنگی سے حرُؓ کی زبان سُوکھ گئی تھی۔ مگر وہاں دوستداران اہل بیت کے لئے پانی کہاں تھا۔ ناچار اُسی سوکھی ہوئی زبان کو حضرت حرُؓ نے حرکت دی اور جناب امامؑ سے پوچھا کہ یا ابن رسُول اللہ آپ مجھ سے خوش ہیں ؟ ۔ آپ نے فرمایا کہ اے حرُ تجھ سے نہ صرف میں خوش ہوں بلکہ خدا اور اُس کا رسُول بھی بہت زیادہ خوش ہوگا۔ حضرت حرُؓ یہ جواب سُنکر مسکرائے اور زانو سے امام پر دائی اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعُونْ +

حضرت حرُؓ کی شہادت کا آپ کو بہت صدمہ ہوا اور آپ رونے لگے۔ اُسی درد و غم میں آپ نے یہ شعر فرمایا ؎

نِعْمَ الْحُرُّ حُرُّ ابْنِ رِیَاحٍ صُبُوْرٌ عِنْدَ مُخْتَلِفِ رِیَاحٍ

حضرت حرُؓ جب شہید ہو چکے تو اُن کے بھائی مصعبؓ اور اُن کے بیٹے علیؓ اور عزہؓ غلام یہ تینوں بھی صف دشمن سے نکل کر امام عالی مقام سے قدم بوس ہوئے۔ اور اجازت رزم چاہی آپ نے اجازت دی اور سینکڑوں کو مار کر یہ تینوں بھی وہیں شہید ہو گئے +

اتمامِ حجّت کا دوسرا موقعہ

جب یہ چاروں جان نثاران اہل بیت جامِ شہادت پی کر باغ جنّت کو سدھارے تو جناب امام علیہ السّلام دوبارہ لشکرِ دشمن کے سامنے تشریف لائے۔ اور یہ اشعار فرمائے ؎

اَنَا ابْنُ عَلِیِّ الْاَطْهَرِ مِنْ اٰلِ هَاشِمٍ	كَفَانِیْ بِهٰذَا مُعْجِزًا اِنْ حِیْنَ اَفْخَرُ
وَجَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَكْرَمُ خَلْقِهٖ	وَنَحْنُ سِرَاجُ اللّٰهِ فِی الْخَلْقِ نَظْهَرُ
وَفَاطِمَةُ اُمِّیْ سُلَالَةُ اَحْمَدِیْ	وَعَمِّیْ یُدْعٰی ذُوالْجَنَاحَیْنِ جَعْفَرُ
وَفِیْنَا كِتَابُ اللّٰهِ اُنْزِلَ صَادِقًا	وَفِیْنَا الْهُدٰی وَالْوَحْیُ وَالْخَیْرُ یُذْكَرُ
وَنَحْنُ اَمَانُ اللّٰهِ لِلْخَلْقِ كُلِّهِمْ	نَقُوْلُ بِهٰذَا الْاِمَامِ وَنَجْهَرُ
وَشِیْعَتُنَا وَاللّٰهِ اَكْرَمُ شِیْعَةٍ	وَمُبْغِضُنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُحْشَرُ

ترجمہ (۱) میں علیؓ پاک کا لختِ جگر ہوں۔ جو اولادِ ہاشم سے ہیں۔ اور کافی ہے میرے لئے یہ اعجاز اگر میں فخر کروں۔ (۲) اور نانا میرے اللہ کے رسول ہیں۔ جو تمام مخلوق خدا سے بزرگ ہیں۔ اور ہم کل مخلوق میں چراغ ہیں۔ جو دُنیا میں روشن ہیں (۳) اور فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ میری ماں ہیں۔ جو بیٹی ہیں رسول اللہ کی۔ اور چچا میرے جعفر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ ہیں۔ جن کا لقب ذوالجناحین (دو بازو والے) تھا (۴) اور ہمارے گھر میں اللہ کی سچی کتاب اُتری تھی۔ اور ہمارے درمیان اللہ کی وحی آتی تھی۔ اور خیر کا ذکر کیا جاتا تھا۔ (۵) اور ہم اللہ کی امانت ہیں اُس کی مخلوق میں اور یہی بات ہم بادشاہ وقت سے کہتے ہیں۔ (۶) اور ہمارے تابعدار تمام تابعداروں میں بہتر ہیں۔ اور ہمارے دشمن قیامت کے دن نقصان میں رہیں گے +

پھر آپ نے فرمایا کہ اے عمر سعد خبردار ہو جا کہ اب تک میں نے یا میرے رفقانے تیرے لشکر پہ حملہ نہیں کیا ہے۔ اور چھیڑ پہلے تیری طرف سے ہوئی ہے۔ کہ تو نے اپنے ہاتھ سے ایک تیر ہمارے خیام کی طرف پھینکا۔ جو چار انصار اللہ اب تک شہید ہوئے

وہ تیرے ہی ساتھی تھے۔ خدا نے اُن کے دل میں رحم ڈالا اور انصاف نے اُن کے دلوں کو اُبھار کر میری موافقت اور تیری مخالفت پر آمادہ کیا۔ لیکن میں ابتک خاموش ہوں۔ اب پھر تین باتیں پیش کرتا ہوں۔ اگر تو ان میں سے کسی ایک کو قبول کرلے تو بہتر ہے۔ پہلی بات یہ ہے۔ کہ تو مجھے اور میرے رفیقوں کو یزید کے پاس پہونچا دے تاکہ میں اُس کے سامنے جاکر خود معاملات کا فیصلہ کرلوں۔ اور بیعت کا جھگڑا چکالوں۔ اگر میں حق پر ہوں گا۔ تو وہ ضرور میری بیعت کرلے گا۔ عمر سعد نے جواب دیا۔ کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہم جانتے ہیں کہ تم بہت بڑے فصیح ہو۔ اپنے سحر بیان سے یزید کو مسخر کرنا چاہتے ہو۔ ہم تمہیں اس کی اجازت کبھی نہ دیں گے ہاں اگر بیعت یزید منظور ہے تو اقرار کرو اُس کے بعد ہم مختار ہوں گے۔ جو چاہیں کریں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر تم مجھے یزید کے پاس نہیں لے چلتے تو واپس مدینہ منورہ کو لوٹ جانے دو میں وہاں جاکر روضۂ منورہ کی مجاورت کروں گا۔ اور تا قائم تمہیں دعا دوں گا۔ عمر سعد بولا کہ یہ بھی غیر ممکن ہے۔ اس حیلہ سے تمہارا مقصد یہ ہے۔ کہ تم مدینہ منورہ میں جاکر انصار و مہاجرین کو جمع کرلو اور پھر پوری جمعیت کے ساتھ ہم پر حملہ کرو۔ تو ہم ایسے بھولے اور نادان نہیں ہیں۔ کہ مصیبت پیدا کرنے کے لئے تمہیں مدینے جانے دیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اچھا میرے بچوں کے لئے پانی بھجوا دو۔ کہ پانی خدا کی ایک عام نعمت ہے۔ جس سے چرند پرند درندے سبھی فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ یہ سُن کر عمر سعد بولا کہ اے حسین علیہ السّلام ؎

اگر آپ پیغمبر کے نواسے ہیں تو ہیں کیا بچّے شب ہفتم سے جو پیاسے ہیں تو ہیں کیا
محروم ہو سادات خدا سے ہیں تو ہیں کیا مجروح جو دل تیغ جفا سے ہیں تو ہیں کیا

پانی کی حقیقت نہیں پر تم کو نہ دیں گے
دکھلا کے بہا دیں گے مگر تم کو نہ دیں گے

جب یہ سُنا تو جناب امام علیہ السّلام کا مُنہ غصہ سے تمتمانے لگا اور

پسینہ آنے لگا ؎

پھر آ کے کہا شاہ نے ہم ایسے ہیں توبہ مہمان پہ ظلم اور ستم ایسے ہیں توبہ
مجرم میرے نانا کے جرم ایسے ہیں توبہ ناموسِ شہنشاہ اُمم ایسے ہیں توبہ
محشر میں رسولِ دوسرا سے بھی یہ کہنا
جو ہم سے کہا آج خدا سے بھی یہ کہنا

یہ کہہ کر آپ واپس خیام حرم کی طرف لوٹ آئے۔ اور لڑائی پھر شروع ہو گئی۔

حضرت عبداللہ بن مسلمؓ عقیل کی شہادت

اب لڑائی نے بہت طول کھینچا اور تھوڑی ہی دیر میں اکثر رفقائے امام شہادت نصیب ہوئے۔ چنانچہ آپ کے انصار خادم اور ملازمین میں سے ۵۳ شخص قتل کئے گئے اور اب صرف ۱۹ آدمی باقی رہ گئے۔ جن میں سے ۱۶ خویش اور فرزند و برادر تھے، دو رفیق تھے۔ اور ایک غلام۔ مگر ادھر تو صرف ۵۳ شخص شہید ہوئے۔ اور لشکر عمر سعد میں سے ہزاروں آدمی میدان جنگ میں ڈھیر ہو گئے۔ کوفی ان حجازی دلیروں کی جیوٹ ہمت، بہادری، استقلال، خلوص، حسنِ عقیدت، فردوس طلبی، اور خندہ جبینی دیکھ دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے اگر عمر سعد جیسا سردار لشکر اور شمر ذی الجوشن سا آزمودہ کار شخص میدانِ قتال میں نہ ہوتا۔ تو یقیناً کوفی بھاگ جاتے۔ اور تاب مقاومت نہ لاتے۔ مگر یہ لوگ اپنے لشکریوں کے دل مال وزر کا لالچ دلا دلا کر بڑھاتے تھے، اُن کے منصب بڑھوانے کے وعدے کرتے تھے۔ اُن کی ہمتوں میں یزید کے انعامات سے ترقی دیتے تھے۔ اور میدانِ جنگ میں بھیجتے تھے۔ جب کبھی لشکر میں ہزیمت کے آثار نظر آتے تھے۔ فوراً مرنے والوں کے نام لے لے کر زندہ لوگوں کو غیرت دلائی جاتی تھی۔ کہ اے لوگو تمہارا جینا حیف ہے۔ دیکھو حسین علیہ السّلام کے ساتھیوں نے تمہارے باپ کو، لڑکوں کو، دوستوں کو،

رشتہ داروں کو، اور عزیزوں کو قتل کیا ہے۔ بڑھو اور ان کے خون کا بدلہ لو۔ اس طرح ان کے خون میں عارضی جوش اٹھتا تھا۔ اور وہ لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ لیکن حجازی سورماؤں نے ذرا ہی سی دیر میں اس بات کا ثبوت اچھی طرح دیدیا۔ کہ جو لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں۔ وہ بڑے بڑے تجربہ کار مبارزین کی بھی پرواہ نہیں کرتے ؎

جادۂ فخر ہے تسلیم و رضا کی منزل
قدم اس راہ میں مردانِ خدا دیتے ہیں

جناب امام حسین علیہ السّلام خاموش سر جھکائے بیٹھے تھے۔ کہ حضرت مسلمؓ کے لاڈلے فرزند حضرت عبداللہؓ آپ کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے کہ یا ابن رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں میدانِ جنگ میں جاکر اپنے والد ماجد کا بدلہ کوفیوں سے لوں۔ اور پھر آپ پر نثار ہو کر جلد باباجان کے پاس جا پہونچوں ۔

آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ ابھی مسلمؓ کا داغ میرے دل پر تازہ ہے۔ اُن کی شہادت کا صدمہ بے اندازہ ہے۔ تم میدان میں جاکر اور اپنا سر کٹا کر مجھے اپنا بھی داغ دینا چاہتے ہو۔ حضرت عبداللہ نے کہا کہ یا امام سب سے پہلے جس نے آپ پر اپنی جان نثار کی وہ میرا باپ تھا۔ اور اب باقی ماندہ رشتوں میں سے سب کے پہلے جو آپ پر نثار ہونا چاہتا ہے۔ وہ میں ہوں۔ خدا کے لئے مجھے میدان کارزار کی اجازت دیجئے اور منع نہ کیجئے ۔

جب حضرت عبداللہؓ کا اصرار حد سے زیادہ گذر گیا۔ تو مجبوراً آپ نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اجازت دی۔ حضرت عبداللہ گھوڑے پر سوار ہو کر رجز پڑھتے ہوئے (جیسا کہ مبارزین عرب کا دستور ہے) میدان میں تشریف لائے۔ اِدھر تو شوقِ شہادت آپ کو مشتاقِ فردوس بنا رہا تھا۔ اُدھر آپ باپ کے خون کا انتقام آپکے خون کو جوش میں لا رہا تھا۔ عمر سعد کی طرف سے ایک نوجوان جس کا نام قدامہ ابن اسد فرازی تھا۔ مقابلہ کے لئے بڑھا۔ حضرت عبداللہؓ نے کئی وار نیزے سے

کے کئے مگر وہ بچا بچا کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر آپ گھوڑے سے نیچے اُتر آئے۔ اور تلوار ہاتھ میں لے کر اُس سے لڑنے لگے۔ قدامہ نے یہ دیکھ کر ایک نعرہ مسرت مارا اور چاہا کہ نیزہ آپ کے سینہ بے کینہ کے پار کر دے مگر حضرت عبداللہؓ اتنے خمیدہ ہو گئے۔ کہ نیزہ کی زد سے محفوظ رہے۔ اور پھر گھوڑے پر آ بیٹھے۔ قدامہ چاہتا تھا۔ کہ گھوم کر حملہ کرے۔ آپ نے پیچھے سے ایک ایسی تلوار ماری کہ قدامہ کا آدھا کلہ کھُل گیا۔ اور حضرت عبداللہؓ نے اُس کا کمر بند پکڑ کر زور سے زمین پر دے پٹکا۔ اور دوسرا مبارز لشکر دشمن سے طلب کیا۔ جب قدامہ نے جان دیدی تو سلامہ بن قدامہ مقابلہ میں آیا۔ اور مارا گیا۔ پھر تو سپاہ دشمن کا دل کانپنے لگا۔ بڑی دیر ہو گئی اور کوئی سوار لشکر سے نکل کر مقابلہ کے لئے نہ آیا۔ حضرت عبداللہ نے دیکھا کہ اس وقت حملہ کرنے کا اچھا موقعہ ہے۔ تلوار لے کر فوج کے میمنہ پر پل پڑے۔ اور بیس آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ پھر قلب پر جھکے۔ اور حمیر حمیری کامل بن حمیر اور صالح بن نصیر کو قتل کیا۔ اور پھر تو جو سامنے آگیا۔ وہ ہی موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ آپ اسی طرح قتل و خون کرتے پھرتے تھے۔ کہ پیچھے سے خداع دمشقی نے آپ کے گھوڑے کے دونوں پاؤں کاٹ دیئے۔ آپ فوراً جست کر کے زمین پر گرے۔ اگر تے ہی چاروں طرف سے شقی القلب لوگوں نے گھیر لیا۔ اور نوفل بن مزاحم حمیری نے آپ کو قتل کر ڈالا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ✦

آپ کے بعد جعفرؓ بن عقیل اور عبدالرحمٰنؓ بن عقیل بھی داد شجاعت دے دے کر باغِ جنّت کو سدھارے ✦

حضرت محمدؓ اور عونؓ کی شہادت

جب اولادِ عقیل بھی شہید ہو گئی۔ تو فرزندانِ جعفر طیارؓ کی باری آئی۔ سب سے پہلے حضرت محمدؓ جنابِ امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ ماموں جان ہمیں میدانِ جنگ کی اجازت دیجئے۔ اور ہاشمی خون کا جوش دیکھ لیجئے

آپ مشیت ایزدی کو پہلے ہی سمجھ چکے تھے۔ اجازت دی کہ جاؤ اور شوق سے اپنا گلا خدا کی راہ میں کٹاؤ۔

جب حضرت محمدؓ میدانِ کارزار میں تشریف لائے تو فرمایا۔ کہ اے اہل شام!

باشما کارزار خواہم کرد — بر شما کارزار خواہم کرد
وز برائے دل حسینؑ علی — جان خود را نثار خواہم کرد
تا کنم دستِ ظالمان کوتاہ — پا بجرب استوار خواہم کرد
کین خود از شما بخواہم خواست — سر دل آشکار خواہم کرد
شکوہ در پیش جعفر طیارؓ — از شما بے شمار خواہم کرد

یہ کہا اور لشکر اعدا پر ٹوٹ پڑے۔ ابھی عمر ہی کیا تھا۔ مگر شیروں کے بچے بھی شیر ہوتے ہیں بیسیوں کو قتل کر ڈالا اور آخر کار خود بھی شہید ہو گئے۔ جب حضرت عونؓ ان کے بھائی نے دیکھا کہ محمدؓ کو ایک ظالم شہید کر رہا ہے۔ فوراً میدانِ جنگ کی راہ لی۔ اور پہونچتے ہی ایک تلوار کی ضرب ایسی لگائی کہ قاتل دو نیم ہو کر بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ اُسے قتل کرنے کے بعد چونکہ ہنوز جناب امام علیہ السلام سے اجازت نہیں لی تھی واپس آ گئے۔ اور جناب امام عالی مقام سے طالب اجازت ہوئے۔ آپ نے بسم اللہ کہہ کر اجازت دے دی۔ جب حضرت عونؓ میدانِ کارزار میں تشریف لائے تو کوفی اِن حجازی نوعمر لڑکوں کی جی داری اور حوصلہ دیکھ دیکھ کر کہتے تھے۔ کہ ؎

بہادروں کے بھی اب پاؤں اکھڑے جاتے ہیں
درازدستیٔ کوتاہ آستیناں ہیں

غرضکہ حضرت عون رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی تلوار کے خوب ہاتھ دکھائے۔ اور دشمنوں کو موت کی نیند سُلا کر خود بھی ایک شقی ازلی کے ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شہادت حضرت عبداللہؓ بن حسن علیہ السّلام

جب خواہر زادگانِ امام عالی مقام اپنا حق جان نثاری ادا کر کے باغِ جنّت کو سدھارے۔ تو برادر زادگان حسین علیہ السّلام اجازت طلب ہوئے۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ آپ کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ چچا جان ہمیں بھی اجازت میدان دیجئے۔ آپ نے ہر چند منع فرمایا۔ لیکن بھلا وہ کب ماننے والے تھے۔ قسمیں دے دلا کر اجازت لے ہی لی اور میدان میں پہونچے پہونچتے ہی نعرہ مار اکہ اے یلان شام والے دشمنان امام ؎

اَنْ تُنْكِرُوْنِیْ فَاَنَا فَرْعُ الْحَسَنِ سِبْطُ النَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی الْمُؤْتَمَنِ

یہ کہہ کر آپ فوجوں کو چیرتے پھاڑتے عمر سعد تک پہونچے اور اس اثناء میں آپنے ۲۲ جوانوں کو خون میں نہلادیا۔ عمر سعد نے جو دیکھا کہ ایک جوانِ ہاشمی بجلی کی سی تلوار چمکاتا ہوا۔ اسی کی طرف بڑھا چلا آتا ہے۔ سخت گھبرایا۔ اور قلب فوج میں بھاگ کر جا چھپا۔ بختری بن عمر شامی نے جو عمر سعد کو بھاگتے دیکھا کہنے لگا کہ اے عمر سعد تو لشکر کا سالار ہو کر ایک نوجوان ہاشمی شاہزادے سے ڈر گیا۔ کیا دلاوری کے یہی معنی ہیں۔ عمر سعد بولا کہ اے بختری مجھے تو اپنی جان پیاری ہے۔ اگر تجھے اپنی جان بھاری ہے۔ تو جا اور اس کا مقابلہ کر جسے تو کم عمر اور ناتجربہ کار سمجھتا ہے۔ اگر تو اس کے حملوں کی تاب لے آئے گا۔ تو میں قائل ہو جاؤں گا۔ ورنہ اگر تو بھی چھوڑ کر بھاگا۔ تو سلام کروں گا۔

بختری نے یہ کلمات سُن کر پانچسو سوار جو اس کی سرکردگی میں تھے اپنے ہمراہ لئے اور حضرت عبداللہؓ بن حسنؑ کے مقابلے کے لئے بڑھا۔ جب امام حسین علیہ السلام نے دیکھا۔ کہ ایک تنہا آدمی کے لئے اتنا جم غفیر چاروں طرف سے گھر کر آپہونچا ہے۔ تو ادھر سے محمد بن انس اسد بن ابی دوجانہ۔ اور اپنے غلام پیروزان کو حضرت عبداللہ کی مدد کے لئے بھیجا۔ پیروزان آتے ہی

بختری سے اُلجھ پڑا۔ اُدھر وہ دونوں انصار حسین علیہ السّلام اُن پانچسو آدمیوں میں دَر آئے ہوئے چلے گئے۔ اور حضرت عبد اللہ بھی اُدھر ہی متوجہ ہو گئے۔ پیروزان نے جب دیکھا کہ سب فوج پر حملہ آور ہیں۔ تو خود بھی اُنہیں کے ساتھ ہو گیا۔ وہ پانچسو آدمی سخت پریشان ہو گئے۔ کائی سی پھٹ گئی۔ کوئی اِدھر بھاگا کوئی اُدھر بھاگا۔ کہ یکایک شیث ربعی پانچسو سوار لے کر اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہنے لگا کہ اے بختری تجھے شرم نہیں آتی۔ بزدل بنا جاتا ہے۔ ایک ہاشمی جوان سے مقابلہ کرنے میں چکراتا ہے۔ مگر پیروزان کے حملے کچھ ایسے زبردست تھے۔ کہ بختری کے ہوش پراگندہ ہو گئے۔ عمر سعد سے روایت ہے۔ کہ اُس روز پیروزان نے ایسی دلیری سے کام لیا۔ کہ اگر وہ تشنہ لب نہ ہوتا تو میرے سارے لشکر کے لئے کافی تھا۔ القصہ جب پیروزان نے لشکر کفار کو بہت زیادہ پامال کیا توجہ با خدمتِ جناب امام علیہ السّلام میں جا کر اپنی جانفشانی کی داد لے کہ پیچھے سے دھوکہ دے کر عثمان موصلی نے اُس کی کمر پر نیزہ مارا اور وہ بیچارہ گھوڑے سے گر پڑا۔ اسد ابن دوجانہ اُس کی مدد کے لئے آئے مگر چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر لیا۔ اسد نے چار شخصوں کو پھر ہلاک کیا۔ اور پیروزان کو وہیں چھوڑ کر دوسری طرف متوجہ ہوا۔

حضرت عبد اللہؓ شیث ربعی سے آویختہ تھے۔ اور اثنائے حملہ میں ستر زخم اُس کے جسم پر لگا دیئے تھے۔ لشکریوں کا یہ حال تھا۔ کہ بے ہواس اِدھر سے اُدھر بھاگتا تھا۔ اور چار حملہ آوروں کے سامنے ہزاروں سے کچھ بن نہ پڑتی تھی۔ آخر پہلے اسد ابن دوجانہ اور پھر پیروزان شہید ہوئے۔ حضرت عبد اللہؓ اُسی طرح سرگرم مبارزت تھے۔ اور عمر سعد سے کہہ رہے تھے۔ کہ اب اور کسی کو مقابلہ کے لئے بھیج عمر سعد نے اپنے لشکر میں پھر رجز خوانی کی اور قتل عبد اللہ پر یوسف بن احجاز کو اُبھارا وہ کہنے لگا۔ کہ اسے عمر سعد حکومت رے تو نے حاصل کی ہے۔ تو کیوں نہیں لڑتا ہے اور دوسروں کو کیوں اُبھارتا ہے۔

وہ بولا کہ مجھے امیر نے لڑنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ بلکہ انتظام و نگرانی کا حکم دیا ہے تجھے میں حکم دیتا ہوں کہ اس جوان سے نبرد آزما ہو اور اس کو قتل کرو ورنہ میں ابھی تیری شکایت ابن زیاد کے پاس بھیجتا ہوں۔ یوسف بن الاحبار شکایت کے خوف سے گھبرایا اور گھوڑا لے کر جانب حضرت عبداللہؓ آیا۔ چاہا کہ نیزہ آپ کے سینہ پر مارے کہ آپ نے کاوا کاٹ کے ایک نیزہ اُس کے حلقوم پر ایسا مارا کہ وہ ظالم گھوڑے سے نیچے گر کر ہلاک ہوا۔ طارق بن یوسف نے جب اپنے باپ کو اس حال میں دیکھا تو گھوڑا بڑھا کر حضرت عبداللہ کے برابر آیا اور سخت و سُست کہنے لگا۔ آپ نے اُسے بھی دو حملوں میں چپ زنگ کر دیا۔ اور اُس کے بعد مدرک بن سہل مقابلہ کے لئے آیا اُسے بھی تلوار کے گھاٹ لگایا۔ اور عمر سعد کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ او دشمن اہل بیت کیا دیکھتا ہے۔ جس میں دم ہو اور جو تیرے لشکر میں سب سے زیادہ جواں مرد ہو اُسے بھیج۔ عمر سعد نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور سراسیمہ کھڑا رہ گیا۔ جب کوئی جنگجو آپ کے مقابلہ کے لئے نہ آیا۔ تو آپ نے بسم اللہ کہہ کے ہاتھ اُٹھایا۔ اور فوج دشمن کے میمنہ پر جا پڑے۔ بارہ شخص آپ نے تیرہ بیجے ہلاک کئے۔ اور وہ پھر اپنے جناب امام عالی مقام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کرنے لگے۔ سہ

کس طرح اب لڑوں سپہ بے حواس ہے کانٹے پڑے ہوئے ہیں زباں میں پیاس ہے

آپ نے فرمایا کہ اے نور نگاہ نہ گھبراؤ عنقریب حوضِ کوثر پر حضرت علی کرم کے ہاتھ سے آب سرد پیو گے۔ یہ سُن کر حضرت عبداللہؓ پھر میدانِ جنگ میں پہونچے ناگہان چاروں طرف سے سب نے مل کر آپ کو گھیر لیا۔ اور تیر برسانے لگے۔ کہ آپ کا تمام جسم زخمی ہو گیا۔ حضرت عباسؓ علمدار نے یہ حال دیکھ کر علم جناب علی اکبرؓ کو دیا۔ اور اعانت عبداللہؓ کے لئے دوڑے اور اپنے ساتھ لا رہے تھے۔ کہ پیچھے سے فیہان بن زھیر نے حضرت عبداللہ کے شانوں کے درمیان ضرب ماری اور آپ کو شہید کر ڈالا۔ حضرت عباسؓ نے اُس موذی کو ایک

ضرب تلوار سے ٹھکانے لگا دیا۔ حمزہ بن نبھان نے چاہا کہ اپنے باپ کا بدلہ لے لیکن عونؓ علی اکبر نے بڑھ کر اُسے بھی قتل کر دیا۔ اور حضرت عبداللہؓ کی لاش کو خیمہ میں لے آئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شہادت حضرت قاسمؓ بن حسن علیہ السلام

جب حضرت عبداللہؓ شہید ہو گئے۔ تو حضرت قاسمؑ ابن جناب حسن علیہ السلام خدمتِ امام میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کرنے لگے۔ کہ چچا جان اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں رزمگاہ کو جاؤں۔ اور اپنا سر راہ خدا میں کٹاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ اے جانِ حسن علیہ السلام تم میرے برادر بزرگوار کی نشانی ہو۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ اور تم دشمنوں کے نرغ میں گھر کر اپنی جان دو۔ جاؤ خیمہ میں بیٹھو۔ اور ایسی بات زبان سے ہرگز نہ نکالو۔ آپ خاموش ہو کر خیمہ میں چلے آئے۔ اور سوچنے لگے۔ کہ یا الٰہی کیا کروں۔ اور چچا جان سے کیونکر اجازت حاصل کروں۔ آپ نہایت رنج و ملال میں بیٹھے تھے۔ کہ آپ کی نگاہ اُس تعویذ پر پڑی۔ جو آپ کے بازو سے بندھا تھا۔ فوراً خیال آیا کہ ابا جان مرحوم نے فرمایا تھا۔ کہ اے قاسم جب تمہیں سخت مصیبت و ملال کا سامنا ہو۔ تو تم اُس وقت یہ تعویذ کھول کر پڑھنا۔ وہ مصیبت دور ہو جائے گی۔ آپ نے یہ خیال آتے ہی وہ تعویذ کھولا اور پڑھا تو اُس میں لکھا تھا:

"اے قاسم ایک دن ایسا آئے گا۔ کہ میرا بھائی حسینؑ دشمنوں میں گھر جائیگا" "اور اپنا سر خدا کی راہ میں کٹائیگا۔ اُس وقت تجھے لازم ہے کہ اُس کے" "قدموں پر اپنا سر نثار کر دے۔ ہر چند کہ وہ تجھے بچہ سمجھ کر باز رکھے" "مگر میری وصیت یہی ہے کہ تجھے اُس وقت میرے بھائی پر قربان ہو جانا چاہئے۔"

تعویذ کی یہ عبارت گویا نوشتۂ قسمت تھی۔ دیکھتے ہی دل خوش ہو گیا۔ اور فوراً وہ تعویذ وصیت لیکر دوبارہ خدمت جناب امام علیہ السلام حاضر آئے۔ اور کہنے لگے۔

کہ چچا جان گو آپ مجبور کرتے ہیں۔ کہ میدانِ کارزار میں جاکر دشمنانِ اہلبیت سے بدلہ نہ لوں۔ مگر دیکھئے بابا جان کی یہ وصیت ہے۔ اور اس پر عمل کرنا میری عین سعادت ہے۔ جناب امام علیہ السّلام نے اُسے دیکھا۔ اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ پھر فرمایا کہ اے نورِ نگاہ حسن علیہ السّلام والے آرامِ جان حسین علیہ السّلام بیشک میرے بھائی کی وصیت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ مگر کیا کروں جی نہیں مانتا کہ تم جیسے جوانِ رعنا کو اجازتِ جنگ دُوں۔ خیر خدا کی یہی مرضی ہے۔ تو میں مجبور ہوں +

صاحب روضۃ الشہدا لکھتے ہیں۔ کہ جناب امام علیہ السّلام نے حضرت قاسمؓ سے فرمایا۔ کہ اے قاسمؓ جس طرح تمہیں بھائی حسنؑ نے وصیت کی ہے۔ اسی طرح مجھے بھی ایک وصیت کی تھی۔ اور وہ یہ تھی۔ کہ میں تمہاری شادی اپنی ایک لڑکی کے ساتھ کردوں۔ مجھے بھی اس وصیت پر عمل کرنا لازمی ہے۔ یہ فرمایا اور خیمہ میں جاکر اُس لڑکی کے ساتھ جو حضرت قاسمؓ سے نامزد تھیں۔ اُن کی شادی کردی۔ اور جامۂ عروسی پہنا دیا۔ ہنوز رسم عقد سے فراغت حاصل ہوئی تھی۔ کہ دشمنوں کے لشکر میں بڑے زور شور سے طبل جنگ بجا۔ اور آواز آئی کہ اے حسین علیہ السّلام کیا سوچ رہے ہو۔ اب جو کوئی اور باقی ہو اُسے بھی مقابلہ کے لئے بھیجو۔ حضرت قاسمؓ نے جب یہ آواز سُنی۔ تو فوراً خیمہ سے باہر نکل آئے۔ اور جامۂ عروسی کو ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔ گھوڑے پر سوار ہوئے اور شمشیر بکف میدانِ کارزار کا رستہ لیا +

میدان میں پہونچکر آپ نے عمر سعد کو للکارا اور کہا کہ اے مردود ازلی کیا کہتا ہے۔ آ میرے سامنے آ۔ اور مجھ سے مقابلہ کر۔ یا جس جوان پہلوان پر تجھے ناز ہو اُسے میرے مقابلہ کے لئے جلد بھیج۔ اس جرأت و ہیبت کی للکار سے کوفیوں کے پتے پھٹ گئے۔ اور سب ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ عمر سعد نے دیکھا کہ لشکری حواس باختہ ہو رہے ہیں۔ تو فوج کو

للکارا اور قتل قاسمؓ پر بُری طرح اُبھارا۔ مگر سب بغلیں جھانکنے لگے اور کوئی تاب مقاومت نہ لایا۔ آخر عمر سعد نے ارزق بن سعد کو بُلایا اور کہا کہ اے ارزق تیری دلاوری دیکھنے کا آج موقعہ ملا ہے۔ جا اور اِس جوانِ رعنا کی جوانی کو خاک میں ملا دے۔ ارزق بولا کہ اے عمر سعد مجھے جانے اور مقابلہ کرنے میں تو انکار نہیں ہے۔ مگر ذرا سوچ تو سہی کہاں میں عمر رسیدہ تجربہ کار جہاں دیدہ مبارز، اور کہاں یہ تیرہ سالہ نوجوان۔ بھلا میرا اور اُس کا کیا مقابلہ ہے۔ عمر سعد بولا کہ اے ارزق تیرا خیال غلط ہے۔ نیستان ہاشم کا بچہ بچہ شیر دلیر ہے۔ تو اِس کی کمسنی پر نہ جا۔ جب مقابلہ کرے گا۔ تو تجھے خود معلوم ہو جائے گا۔ یہ جو تو چہرے پر افسردگی دیکھ رہا ہے۔ صرف پانی نہ ملنے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ اگر اِن لوگوں کے پاس سامانِ خورد نوش ہماری طرح ہوتا۔ تو میں سچ کہتا ہوں کہ ایک ایک ہاشمی جوان ہزار ہزار کوفیوں کے لئے کافی تھا۔

ارزق یہ سُن کر مسکرایا اور کہا کہ اے ابن سعد تو کچھ بھی کہہ میں تو ہرگز اِس لڑکے کا مقابلہ نہ کروں گا۔ تیرے کہنے سے اپنے لڑکوں کو بھیجے دیتا ہوں۔ وہ جا کر ابھی اِس کو ہلاک کر ڈالیں گے۔ مختصر یہ کہ ارزق نے اپنے چاروں بیٹوں کو یکے بعد دیگرے حضرت قاسمؓ سے مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا۔ آپ نے اُن چاروں کو قتل کر ڈالا۔ اور ماسوا اُن کے وہ شیر بیشۂ حیدری جب موقعہ پاتا تھا۔ لشکر دشمن پر بے باکانہ حملہ کرتا تھا۔ اور سینکڑوں کو مار کر گرا دیتا تھا۔ یہاں تک کہ بروایت صحیح آپ نے ۸ سو دشمن ایک ہی وقت میں ہلاک کر ڈالے۔

ارزق نے جب دیکھا کہ واقعی یہ ہاشمی نوجوان تو فوجوں کا کھلیان کیئے دیتا ہے۔ غصہ میں بھر کر فوج سے باہر نکلا اور حضرت قاسمؓ سے نبرد آزما ہوا اور آتے ہی آپ کے گھوڑے کو نیزہ سے زخمی کر دیا۔ حضرت قاسمؓ کود کر زمین پر آئے اور مسکرا کر بولے کہ اے ارزق تو تو بڑا پہلوان ہے۔ مگر آج تیرے حواس کہاں ہیں۔ ذرا دیکھ تو سہی تیرے گھوڑے کی خوگیر کس قدر ڈھیلی

ہے۔ اُسے ٹھیک کر کہیں یہ تیری بات شکست کا حیلہ نہ ہو جائے۔ ارزق جناب قاسمؓ کا یہ کلام سُن کر ہکّا بکّا ہو گیا۔ اور خوگیر ٹھیک کرنے کے لئے جُھکا آپ نے موقعہ پاکر ایک ہاتھ تلوار آبدار کا ایسا جماکر دیا کہ اُس کا سر دھڑ سے زمین پر جا پڑا۔ فوج اعدا میں غل ہوا کہ "ارزق از دستِ قاسم جان داد" ادھر حضرت قاسمؓ گھوڑا دوڑاتے ہوئے خیام امام کی طرف آئے۔ اور عرض کرنے لگے۔ یا عمّاہ العطش۔ چچا جان پیاس کی وجہ سے ابتو بُرا حال ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے شاہزادہ قاسمؓ صبر کرو عنقریب شربت شہادت سے سیراب کیئے جاؤ گے۔

غرض کہ جناب قاسمؓ پھر لشکر کفار کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور تلوار اور نیزے سے دشمنوں کو ہلاک کرنے لگے۔ کہ ناگاہ شیث بن عمرو سعد نے آپکے سینہ پر تان کر نیزہ مارا۔ اور آپ زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اور آواز دی کہ عمّاہ ادرکنی ؎

خبر لیجئے جانِ رنجور کی　　　خبر لیجئے اپنے مجبور کی
ہمیں اپنا دیدار دکھلائیے　　　خدارا چچا جان ادھر آئیے

جناب امام علیہ السّلام نے جب آپ کی دردناک آواز سُنی تو فوراً سر میدان تشریف لائے۔ دیکھا تو حضرت قاسمؓ ریاض ارم کو رخصت ہو چکے تھے۔ آنسو آنکھوں سے جاری ہو گئے۔ لاش قاسمؓ اُٹھا کر خیمہ میں لائی گئی۔ اہل خیام میں شور پکار بلند ہوا اور حضرت قاسمؓ کی بیوی اپنے شوہر کے جامۂ عروسی کو کفنی سے بدلا ہوا دیکھ کر بے اختیار رونے لگی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے بعد آپ کے دو بھائی عمرؓ اور ابو بکرؓ بھی اسی طرح نرغۂ دشمن میں گرفتار ہو کر شہید ہوئے۔ اور ان دونوں کے ہاتھوں سے بھی کئی شقی واصل نار ہوئے (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

حضرت عباس رضؓ علمدار کی شہادت

اِس آویزش عظیم کے بعد حضرت عثمان بن علی، حضرت جعفر بن علی اور حضرت عبداللہ بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما یکے بعد دیگرے شربت شہادت سے سیراب ہوئے۔ جب حضرت عباس علمدارؓ نے دیکھا کہ تمام اعزا اور اقارب شہید ہوتے چلے جاتے ہیں۔ تو علم لے کر خدمت جناب امام علیہ السّلام میں حاضر ہوگئے۔ اور عرض کرنے لگے۔ کہ بھائی جان مجھے اجازت جنگ عطا فرمائیے۔ اب سینہ آتشِ غم سے پک گیا ہے۔ تابِ ضبط دل میں باقی نہیں رہی ہے۔ جب جناب امام نے رو کر فرمایا کہ بھائی تم تو میرے لشکر کے نشان ہو۔ تم سے میری ڈھارس بندھی ہوئی ہے۔ جب تم بھی اِس غربت و بیکسی میں میرا ساتھ چھوڑ دوگے تو میرا اور کون غمگسار رہیگا۔ حضرت عباس علمدارؓ عرض کرنے لگے کہ بھائی صبر کیجئے اور جس طرح ہو مجھے میدانِ کارزار کی اجازت دیجئے۔ اِن اشقیاء پر جب تک جی توڑ کر حملہ نہ کیا جائے گا۔ یہ اپنی شیطنت سے باز نہ آئیں گے۔ آپ فرماتے تھے ؎

میں چلا ساقیِ کوثر کی قسم	اب نہ ٹھیروں گا پیمبر کی قسم
دِل مرا آج پریشان ہے بہت	آپ کی زلفِ معنبر کی قسم
جوش کھاتا ہے مرا خونِ جگر	خلد کے لالۂ احمر کی قسم
حیدری حملہ کروں گا جاکر	اپنی شمشیر کے جوہر کی قسم
میرا گھوڑا نہ پھریگا رن سے	دُلدلِ حیدرِ صفدر کی قسم
رخِ شبیر کا عاشق ہوں شہید	بلبلِ زارِ گلِ تر کی قسم

جب حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کا اصرار حد سے زیادہ گذرا تو جناب امامؑ نے فرمایا کہ اچھا بھائی۔ ع

"تم میری کمر توڑو میں راضی برضا ہوں"

لیکن جس وقت عمر سعد کے قریب پہونچو تو ایک بار اور اس کے کان کھولدینا اور بطور حجت ہماری بیکسی کی داستان سُنا دینا۔ آپ نے فرمایا اچھا اور وہاں سے رخصت ہو کر میدانِ کارزار میں گونجتے گرجتے رونق افروز ہو گئے۔ جب آپ کو آتے دیکھا تو کوفیوں کے پرے پیچھے سرکنے شروع ہو گئے لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی سب کی حالت اور صورت اکبارگی بگڑ گئی۔ مگر شیث، شمر اور عمر سعد نے سب کو حوصلہ افزا تقریروں سے اور حیلہ آگین تدبیروں سے روک تھام کے رکھا۔ حضرت عباسؓ کا یہ حال تھا۔ کہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے کبھی تو فوج اشقیا میں ایک دم شیرانہ گھس جاتے تھے۔ اور دشمن ایک دوسرے پر گر کر اپنی بے حواسی و ہراس کا ثبوت دینے لگتے تھے۔ اور کبھی میدان میں آکر خیموں کی طرف دیکھتے تھے۔ اور رو دیتے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ عمر سعد سراسیمہ انتظام فوج میں مصروف ہے اور جب علمدارؓ اس کی طرف دیکھتے ہیں۔ تو آنکھیں پھیر لیتا ہے آپ فوراً گھوڑا بڑھا کر اُس کے برابر جا پہونچے اور للکار کر فرمایا کہ "او عمر سعد بد نہاد کان کھول کر سُن، اور میری بات پر دھیان لگا۔ دیکھ تو نے اور تیرے لشکر نے گلزارِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کس قدر پھول توڑ کر جنگل میں پھینک دیئے ہیں۔ ارے ظالم یہ وہ پھول ہیں۔ جن کی خوشبو سے دماغ عالم معطر اور مشامِ دُنیا معنبر تھا۔ مگر تُو نے اِن کی ذرا قدر نہ کی۔ خیر اب بھی امام عرب چاہتے ہیں کہ تو اپنے ظلم و ستم سے باز آ اور باقی ماندہ اہل بیت رسول اللہؐ کو لے کر کہیں چلا جانے دے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں ارض رُوم یا ہند کی طرف چلا جاؤں گا۔ اور کبھی عرب و شام میں قدم نہ رکھوں گا۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ چھوٹے چھوٹے بچے پیاس کے مارے بلبلا رہے ہیں۔ مجھے اجازت دے کہ میں ایک مشک پانی بھر کر بچوں کے لئے لے جاؤں۔ اور اُن کے سوکھے ہوئے حلق تر کروں۔ اگر تو اِن دو باتوں پر راضی ہو جائے۔ تو حسین علیہ السلام وعدہ فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن میں تجھ سے کسی قسم کا مواخذہ نہ لوں گا +

عمر سعد بولا کہ اے عباسؓ ابن علیؓ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے۔ کہ حسینؑ آج یزید کی بعیت کرلیں۔ تو ہم اُنہیں چھوڑ دینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن جب تک اُنہیں بعیت یزید سے انکار ہے۔ اُن کا ہمارے ہاتھ سے بچ کر چلا جانا دشوار ہے بیشک ہم جانتے ہیں۔ کہ وہ عالی نسب اور والا حسب ہیں۔ لیکن اُن کی ضدیں اُن کی پریشانیوں کا سبب ہیں۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ حکم حاکم سے تمام عملہ مجبور ہے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے۔ کہ نہر فرات کیا اگر تمام روئے زمین کا پانی ہمارے قبضہ میں آجائے تو بھی روا نہ رکھیں گے۔ کہ قبیلۂ حسین علیہ السلام تک ایک قطرہ بھی پہونچائیں۔ یزید نے حکم دے رکھا ہے۔ کہ اے ابن زیاد ؎

گرجانور پیئں تو نہ تو منع کیجیو
پر فاطمہؓ کے لال کو پانی نہ دیجیو

یہ سُن کر حضرت علی عباسؓ طیش میں آ گئے۔ اور گھوڑا بڑھا کر فوراً خیمہ امامؑ کی طرف واپس ہوئے۔ اور عرض کیا۔ کہ یا ابن رسول اللہ وہ لعین تو کوئی بات نہیں مانتے ہیں۔ اب اُن سے اِس ستم وظلم کا بدلہ لینا ضرور ہے۔ آگے جو خدا کو منظور ہے اُس سے بندہ مجبور ہے +

آپ ابھی یہی گفتگو کر رہے تھے۔ کہ خیام اہل بیت اطہار سے العطش العطش کی صدائیں حضرت عباسؓ کے کانوں میں آئیں۔ آپ سُن کر بے قرار ہو گئے اور مشک لے کر پانی لانے کو تیار ہو گئے۔ حضرت حسین علیہ السلام نے دعا کی اور اجازت دی۔ پس حضرت عباس علمدار رضی اللہ تعالےٰ عنہ مشکیزہ لئے ہوئے آنِ واحد میں لبِ دریا جا پہونچے +

راوی لکھتا ہے۔ کہ اُس وقت ۴ ہزار لعین نہر فرات کو گھیرے ہوئے تھے۔ دو ہزار پیدل اور دو ہزار سوار کالی گھٹا کی طرح نہر فرات پر چھائے ہوئے دیکھے۔ تو حضرت عباسؓ علمدار نے اُنہیں اپنی طرف مخاطب کر کے فرمایا کہ اے لعینو

ہشیار ہو میں بنت پیغمبرؐ کا پسر ہوں سقائے حرم ساقیٔ کوثر کا پسر ہوں
میں شیر خدا قاتلِ انتر کا پسر ہوں عباسؓ مرا نام ہے حیدر کا پسر ہوں
پانی کے لئے آئے ہیں ہم روک تو دیکھو
شیروں کو ترائی میں ذرا ٹوک تو دیکھو

جب ناریوں نے دیکھا۔ کہ حضرت عباسؓ پانی لینے کے ارادہ سے آئے ہیں۔ تو چاروں طرف سے گھِر آئے۔ اور آپس میں لڑائی ہونے لگی۔ آپ رجز خوانی کرتے جاتے تھے۔ اور دشمنوں کو پامال کرتے جاتے تھے۔ یہانتک کہ اسّی آدمیوں کو کنارِ فرات ڈھیر کر دیا۔ اور اپنا گھوڑا فوراً دریا میں ڈال کر چاہا کہ مشکیزہ بھریں مگر دشمنوں نے پھر آپ کو موقع نہ دیا۔ اور تیر برسانے لگے یہ دیکھ کر حضرت عباس علمدار رضی اللہ تعالےٰ عنہ دریا سے نکلے اور دشمنوں پر چھا گئے ٭

ذرا سی دیر میں صفیں کی صفیں درہم وبرہم کر کے رکھ دیں۔ لوگ ڈر کے مارے دور دور بھاگ گئے۔ جب وہ فوجوں کے کائی بادل کنار فرات سے ہٹے تو آپ نے بسم اللہ کہہ کر مشکیزہ بھرا اور چاہا کہ خود بھی دو گھونٹ پانی پی لیں۔ مگر جناب امام علیہ السّلام اور بچوّں کی پیاس یاد آگئی۔ فوراً آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ اور آپ وہاں سے مشکیزہ لے کر روانہ ہونے کے قصد سے گھوڑے پر سوار ہوئے ٭

لیکن ملاعین کوفہ اور جفا کاران لشکر یزید بھلا یہ کب دیکھ سکتے تھے کہ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ پانی لے کر خیام حسین علیہ السّلام میں چلے جائیں فوراً چاروں طرف سے آپ پر لوٹ پڑے۔ اور نوفل بن ارزق کمبخت نے پیچھے سے ایک ہاتھ تلوار کا ایسا مارا کہ آپ کا سیدھا ہاتھ جس میں مشکیزہ تھا۔ چھوٹنے لگا۔ آپ نے فرمایا ؎

وَاللّٰہِ لَوْ قَطَعْتُمْ یَمِیْنِیْ لَاَحْمِیَنَّ صَابِرًا عَنْ دِیْنِیْ

یہ کہا اور مشکیزہ بائیں ہاتھ میں لے کر روانہ ہونا چاہا۔ مگر کسی بدبخت نے وہ ہاتھ بھی جناب عباسؓ کا کاٹ ڈالا۔ مجبوراً آپ نے مشکیزہ دانتوں میں دبالیا۔ اور پاؤں کی رکاب سے دشمنوں کو دور کرنے لگے۔ کہ ناگاہ کسی ناخدا ترس نے ایک تیر ایسا تاک کر مارا کہ مشکیزہ میں چھید ہوگیا۔ اور پانی بہنے لگا۔ حضرت عباسؓ آبدیدہ ہوئے۔ اور دل میں کہنے لگے کہ یا الٰہی کیا تشنگان دشت کربلا کی قسمت میں ایک قطرۂ آب بھی نہیں ہے۔ ندائے غیب آئی کہ ہم نے اُن کے لئے شربت کوثر تیار کر رکھا ہے۔ فرات کا ناپاک پانی اُن کے لئے بیکار ہے ؎

به آب شورِ جہاں تر مکن لب ہمت | کہ شربتِ تو مہیا ست از شراب طہور
برین جہان فناول منہ کہ جائے دگر | برائے عزتِ تو برکشیدہ اند قصور

یہ آواز غیب سے جب آپ کے کانوں میں آئی۔ ایک عجیب بیخودی قلب پر چھائی اور آپ مدہوش مئے طہور ہو کر گھوڑے سے نیچے گر پڑے۔ اور فرمایا یا اخاہ ادرکنی حضرت امام حسین علیہ السّلام نے جب حضرت عباسؓ کی کمزور آواز سنی رونے لگے۔ اور فرمایا۔ اَلْاٰنَ اَنْکَسَرَ ظَہْرِیْ تحقیق اُس وقت میری کمر ٹوٹ گئی ❊

مروی ہے محمد انس اُس وقت جناب امام علیہ السّلام کے پاس کھڑے تھے۔ فوراً دوڑے ہوئے کنار فرات پہنچے۔ اور حضرت عباسؓ کو خون وخاک میں غلطان دیکھ اُن کے منہ سے منہ ملنے لگے۔ کہ نابکار کوفیوں نے آپ کو بھی نیزوں اور تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور آپ کی روح بھی بہ روح حضرت عباسؓ کے ساتھ داخل علیین ہوئی ❊

(انا للّٰہ و انا الیہ راجعون)

حضرت علی اکبرؓ کی شہادت

اب جناب امام علیہ السّلام کے پاس بجز حضرت علی اکبرؓ یا حضرت علی اصغرؓ

اور زین العابدینؓ اور کوئی شخص باقی نہ رہا۔ اُدھر دشمنوں کا یہ تقاضا کہ کسی کو مقابلہ کے لئے بھیجو۔ اِدھر یہ حال کہ ابھی ایک کی شہادت کا داغ دل سے دور نہیں ہوا کہ دوسرے کی شہادت سے کانوں میں حسرتیں گونجنے لگیں۔ جب کوئی فدائی حسینؑ باقی نہ رہا تو آپ نے بذاتِ خود میدانِ کارزار کا ارادہ فرمایا۔ اور گھوڑا سواری کیلئے منگوایا۔ حضرت علی اکبرؓ نے دیکھا کہ باباجان میدان کارزار کے عازم ہیں۔ دوڑ کر آئے۔ اور آپ کے قدموں پر گِر کر عرض کرنے لگے۔ کہ یا ابّاہ مجھے میدانِ جنگ کی اجازت دیجئے۔ کہ میں بھی اپنا سر کٹا کر آپ پر نثار ہو جاؤں۔ اور گلشنِ فردوس پاؤں۔ جناب امام حسین علیہ السّلام علی اکبرؓ کا یہ ارادہ دیکھ کر بیتاب ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہونے لگے۔ فرمایا ؎

جب لاش مری رن سے اُٹھا لاؤ بیٹا
پھر شوق سے مرنے کیلئے جاؤ بیٹا

اے علی اکبرؓ جب تم بھی میدانِ کارزار میں کام آؤ گے۔ تو پھر میرا دلِ بیکس کس کا سہارا ڈھونڈے گا۔ اور میری لاش میدانِ کارزار سے اُٹھا کر کون لائے گا۔ اے علی اکبرؓ تمہارا جانا کسی طرح ٹھیک نہیں ہے۔

حضرت علی اکبرؓ نے عرض کیا۔ کہ باباجان یہ نہیں ہو سکتا ؎

کٹوائے گا سر رن میں غلام آپ سے پہلے
زندہ ہے وہ بیٹا جو مرے باپ سے پہلے

غرضکہ جب حضرت علی اکبرؓ کا اصرار حد سے زیادہ گزرا تو جناب امام عالی مقام نے دل پر صبر کی سِل رکھ کر اپنے ہاتھ سے بیٹے کو مسلح کیا۔ عمامہ سر سے اور پٹکہ کمر سے باندھا اور عقابی گھوڑے پر اپنے ہاتھ سے سوار کر کے فرمایا کہ علی اکبرؓ جاؤ تمہیں خدا کے سپرد کیا مگر ؎

یہ دعا گو کہ تڑپے نہ کلیجہ میرا
آزماتا ہے مرے صبر کو مولا میرا

مروی ہے۔ کہ اُس وقت جناب علی اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ اور آپ شکل و شمائل میں جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے بہت کچھ مشابہ تھے۔ جب اہلِ مدینہ کو جناب رسولِ مقبولؐ یاد آتے تھے۔ تو وہ حضرت علی اکبرؓ کی زیارت کر کے دل کو تسکین دے لیتے تھے۔ اور جب گفتارِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا اشتیاق دل کو ترساتا تھا۔ تو شاہزادہ کی تقریر میں بعینہٖ گفتارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف آتا تھا۔ آپ کے سر پر چار گیسوئے معنبر تھے۔ دو سامنے اور دو پیچھے پڑے رہتے تھے۔ جس وقت آپ عمامہ رسولؐ خدا باندھ کر اور عقاب پر سوار ہو کر میدانِ کارزار میں تشریف لائے تو یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جنگ بدر و حنین میں موجود ہیں۔ ذرہ ذرہ اُس جنگل کا محوِ دیدار تھا۔ اور خرد و بزرگ شوقِ لقائے اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں چشم باطن کھولے ہوئے کہہ رہی تھی ؎

یہ جوانی کی ادائیں یہ قضا کا عالم | اور یہ چہرۂ گلفام یہ زلفِ پرخم
یوسفؑ مصر بھی دیکھے تو کہے کھا کے قسم | من بیدل بجمال تو عجب حیرانم

اللہ اللہ چہ جمالست بدین بوالعجبی

غرضکہ جب آپ اس شان سے میدان جنگ میں رونق افروز ہوئے تو کوفی حیرت سے آپ کا منہ تکنے لگے۔ آپ نے مقابلہ کے لئے مردِ میدان طلب کیا۔ مگر وہاں کسے ہوش تھا۔ جو آپ کے مقابلہ کے لئے آتا۔ ایکدوسرے سے یوں کہہ رہا تھا۔ کہ ذرا دیکھو تو سہی ؎

بخشی ہے خدا نے اسے توقیرِ محمدؐ | گیسو ہیں کہ ہے زلفِ گرہ گیرِ محمدؐ
چہرہ ہے کہ آئینہ تصویرِ محمدؐ | باتوں میں ہے رنگینی تقریرِ محمدؐ

شوکت وہ ہی پوشاک کا دستور وہی ہے
نقشہ وہ ہی انداز وہی نور وہ ہی ہے

جب کوئی مبارز صفِ لشکر سے نکل کر مقابلہ کے لئے نہ آیا تو جوشِ غضب سے

مجبور ہو کر آپ نے گھوڑا صف اعدا کی طرف بڑھایا۔ اور یمین و یسار و قلب لشکر سے سینکڑوں کوفیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ لشکر پر ایسا خوف چھایا کہ ایک دوسرے پر گرنے لگا۔ کوسوں میدان صاف ہو گیا۔ عمر سعد نے دیکھا کہ نقشہ جنگ بگڑتا نظر آتا ہے، ذرا غصہ سے کام لینا چاہیئے۔ وہ قلب لشکر میں آیا۔ اور ایک ایک لشکری سے خطاب کر کر کے سب کو قتل علی اکبرؓ پر آمادہ کیا۔ مگر کس کی شامت نے دھکا دیا تھا۔ کہ ایسے جوان رعنا کے مقابلے میں آتا۔

حضرت علی اکبرؓ گھوڑے کو ایڑ دے کر خود عمر سعد کے قریب پہونچے اور فرمایا۔ کہ اے عمر سعد تو جانتا ہے۔ کہ میں کون ہوں۔ اگر نہیں جانتا تو اچھی طرح پہچان لے۔ اور ہمارا اور ہمارے خاندان کا رتبہ جان لے ؎

سب قطرے ہیں گر فیض کے دریا ہیں تو ہم ہیں	ہر نقطۂ قرآن کے شناسا ہیں تو ہم ہیں
حق جسکا ہے جامع وہ ذخیرہ ہیں تو ہم ہیں	افضل ہیں تو ہم عالم و اعلےٰ ہیں تو ہم ہیں
تعلیم ملک عرش پہ تھا ورد ہمارا
جبرئیلؑ سا اُستاد ہے شاگرد ہمارا

اے وہ لوگو کہ تم مسلمان کہلاتے ہو۔ نبیؐ کا کلمہ پڑھتے ہو۔ پھر حیف ہے۔ کہ نبیؐ زادوں پر ہاتھ اُٹھاتے ہو۔ اُنہیں پانی کے ایک قطرہ کے لئے ترساتے ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارا اخلق عظیم زمانے میں یادگار ہے۔ جسے چشمۂ فیض کہتے ہیں وہ ہماری ہی سرکار ہے ؎

ہم سے قطرہ کوئی مانگے تو گُہر دیتے ہیں	ہیں سخی ابن سخی بات پہ سر دیتے ہیں
پیٹ مسکین کا فاقوں میں بھی بھر دیتے ہیں	یاں تو زر دیتے ہیں فردوس میں گھر دیتے ہیں
اپنے مجرم کی گنہگار کی اُمید ہیں ہم
ذرہ پرور جسے کہتے ہیں وہ خورشید ہیں ہم

عمر سعد آپ کی تقریر سُن کر دنگ رہ گیا اور خجالت سے سر جُھکا لیا۔ جب آپ نے کچھ جواب نہ پایا تو پھر گھوڑے کو ایڑ دے کر لشکر پر حملہ فرمایا۔ دشمنوں میں

شور تھا۔ کہ خدا جانے یہ کون شخص ہے۔ جس کے مقابلہ کے لئے دل کسی طرح مضبوط نہیں ہوتا ہے

آئی تھی یہ ندا فلکِ کج مدار سے
حیدرؑ کا شیر کھیل رہا ہے شکار سے

جب عمر سعد نے دیکھا کہ اب تو سارا لشکر جی چھوڑ بھاگا جاتا ہے۔ اور کسی پر رجز خوانی کا بھی اثر نہیں ہوتا۔ تو طارق بن شیث کو الگ بُلا کر کہا کہ اے طارق اگر تو فرزند حسین علیہ السّلام کا سر کاٹ لائے تو میں تجھے رقہ اور موصل کا حکمران کر دوں گا طارق نے کہا کہ اچھا بشرطیکہ تو اپنے وعدے پر استوار رہے۔ اس نے طارق کو اپنی انگوٹھی بطور شہادت دی۔ طارق نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے نشۂ نخوت میں جھومتا جھامتا حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف بڑھا۔ آپ نے جب طارق کو اپنی طرف آتے دیکھا تو مسکرا کر گھوڑے کو ایڑ دی۔ اور پاس جا کر نیزہ کا وار کیا۔ طارق نے وار خالی دیا۔ اور چاہا کہ اپنا نیزہ آپ کی طرف بڑھائے کہ آپ نے دوسرا نیزہ کا وار ایسی پھرتی سے طارق پر کیا۔ کہ اس کے سینے سے ایک بالشت نیزہ پار ہو گیا۔ اور وہ چکرا کر زمین پر گر پڑا۔ آپ نے اپنے رہوار سے اس کی لاش کو خوب کچلا۔ اور عمر سعد سے کہا کہ ہاں اب کسی اور پہلوان کو میرے سامنے بھیج۔ مختصر یہ ہے۔ کہ عمر بن طارق۔ اور طلحہ بن طارق بھی جوش انتقام میں آئے اور اپنے باپ کی طرح پامال عقاب ہوئے۔ اُن کے بعد عمر سعد کی تحریک سے مصراع بن غالب آپ پر حملہ آور ہوا۔ آپ نے اُسے بھی قتل کر ڈالا۔ روایت ہے کہ جب نعرۂ یا علیؑ میدانِ جنگ میں بلند کرتے تھے۔ تو لشکر تو لشکر تمام دشتِ کربلا گونج اُٹھتا تھا۔ اور کوئی کانپ کر اپنے دل دونوں ہاتھوں سے مضبوط تھام لیتے تھے۔

جب اس طرح ایک ایک دو دو کر کے کئی جوانانِ نبرد آزما حضرت علی اکبر رضہ کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئے تو عمر سعد نے محکم بن طفیل اور ابن نوفل کی سرکردگی میں

ایک ایک ہزار سوار کرکے یکبارگی حملہ کرنے کے لئے حکم دیا۔ دو ہزار سواروں نے آپ پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ مگر آپ کا یہ حال تھا۔ کہ "یا علی کرم" کہتے ہوئے اِدھر سے اُدھر بجلی کی طرح نکل جاتے تھے۔ اور اُدھر سے اِدھر چلے آتے تھے۔ دشمن حیران تھے۔ کہ ہم کس پر حملہ کریں۔ بدحواسی میں آپس میں تلواریں چلنے لگیں اور ایک دوسرے کے ہاتھ سے قتل ہو ہو کر گرنے لگا۔ آپ ایک مرتبہ پھر جناب امام عالی مقام کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ بابا جان شدّتِ تشنگی سے ہونٹوں پر جان ہے۔ اب آپ کا اکبرؓ کوئی دم کا مہمان ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جانِ پدر کچھ غم نہیں ہے۔ عنقریب جامِ شہادت لبریز ہو کر تمہارے سامنے آتا ہے۔ بعض مورخین لکھتے ہیں۔ آپ نے حضرت علی اکبرؓ کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی انگشتری مبارک منہ میں رکھنے کو دی۔ جس کے منہ میں رکھتے ہی تشنگی خود بخود دور ہو گئی۔

حضرت علی اکبرؓ پھر میدان میں تشریف لائے اتنی دیر میں عمر سعد نے لشکر کو بڑھاوے دے دے کر تیار کر رکھا تھا۔ پس سب نے مل کر یکجائی طور سے آپ پر حملہ کر دیا۔ اور ابن نمیر کے نیزہ نے آپ کے سینہ کو سخت مجروح کر دیا۔

جب حضرت علی اکبرؓ نیزہ کی ضرب سے نیچے گرے تو آواز دی کہ بابا جان جلد خبر لیجئے آپ کا پیارا لختِ جگر علی اکبرؓ آپ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوتا ہے آپ آواز سنتے ہی دوڑے اور حضرت علی اکبرؓ کا سر اپنے زانوئے مبارک پر رکھ لیا۔ حضرت علی اکبرؓ نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ سیّد الشہدا کے زانو پر سر ہے۔ اور آپ غبار و گرد پونچھ رہے ہیں۔ عرض کیا کہ بابا جان خدا حافظ ہے ہمیں تو فردوس کی حوریں لینے آئی ہیں۔ اماں جان سے ہمارا اسلام کہہ دیجئے۔ اور صبر کیجئے۔ یہ کہا تھا۔ کہ آپ کی روحِ مطہر گلشنِ فردوس کی طرف راہی ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شہادت حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بعد آپ نے دُنیا سے بالکل جی اٹھا لیا۔ اور فرمایا کہ الحمد للہ اب میں اپنے فرض سے ادا ہوا۔

شہادت حضرت علی اصغرؓ کا بیان

اب آپ کے صرف دو صاحبزادے باقی تھے۔ ایک تو حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور دوسرے حضرت اصغر رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت زین العابدین تو ایک عرصہ دراز سے بیمار تھے۔ اور اِس قدر نحیف و زار تھے۔ کہ آپ سے اُٹھا بھی نہ جاتا تھا۔ اِدھر بیماری اُدھر یہ مصیبت و دُشواری کہ خیام میں ہر وقت شہادت اعزّا و اقربا کی خبریں آ رہی تھیں۔ آپ کا دل اور بھی مجروح ہو گیا۔ آپ بستر علالت پر پڑے پڑے روتے تھے۔ اور دل میں شرمندہ ہوتے تھے۔ کہ کاش آج مجھے بھی درجۂ شہادت نصیب ہوتا۔ اور میں بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ گلشنِ فردوس میں مصروف سیر ہوتا۔ مگر فطرت کا جو کام ہے۔ وہ مصلحت کے ساتھ ہے۔ حضرت زین العابدینؓ سے تو نسلِ سادات کو ترقی دینا مقصود تھا۔ بھلا اُنہیں کیونکر شہادت کا مرتبہ ملتا۔

رہے علی اصغر رضی اللہ تعالےٰ عنہ تو وہ ہنوز شیر خوار تھے۔ اُنہیں کچھ خبر نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ بھائی ابھی گھر میں بیٹھے تھے۔ ابھی کہاں چلے گئے۔ بابا جان پر کیا صدمہ ہے۔ اماں جان کیوں چپکے ہی چپکے رو رہی ہیں۔ اور دل مسوس مسوس کر رہ جاتی ہیں۔ وہ کیا جانتے تھے۔ کہ کربلا میں اُن کا گھر اجڑ رہا ہے۔ وہ دُنیا جس میں اُنہوں نے ہنوز ایام رضاعت بھی پورے نہیں کئے۔ جان کی دشمن بنی ہوئی ہے۔ مگر ہاں گرمی کی شدّت سے ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ ماں پیاس کے مارے خود ہی جاں بلب تھیں، بچے کے لئے دودھ کہاں سے آتا۔ سب تو گلۂ تشنہ دہانی کر کے اپنی شکائتیں جناب امام حسین علیہ السّلام کے کانوں تک پہنچاتے تھے۔ مگر حضرت اصغر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنی سوکھی ہوئی زبان ہونٹوں پر پھیر کر رہ جاتے تھے۔

جب جناب عالی مقام نے حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو گنجِ شہیدان

میں دفنا دیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَرٰی مَا صَنَعُوْا اے خدا تو خوب جانتا ہے۔
کہ یہ لوگ میرے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ یہ اشعار پڑھتے ہوئے
خیمہ کے اندر تشریف لائے ؎

یَا رَبِّ لَا تَتْرُکَنِّیْ وَحِیْداً — بَیْنَ اُنَاسٍ اَظْھَرُوْا الْجُحُوْدَ
وَصَیَّرُوْنَا بَیْنَھُمْ عَبِیْداً — یُرْضُوْنَ فِیْ اَفْعَالِھِمْ یَزِیْداً
مَا اٰخٌ اِلَّا قَدْ مَضٰی شَھِیْداً — مُجَدَّلٌ لَا فِیْ دَمِہٖ مَزِیْداً

(۱) یعنی آپ نے فرمایا۔ کہ اے اللہ تو مجھے اُن لوگوں میں اکیلا نہ چھوڑ جنہوں نے منکر ہو کر فتح پائی ✤

(۲) وہ اپنے درمیان ہمیں غلام بنانا چاہتے ہیں۔ اور اپنے افعال سے یزید کو راضی کرتے ہیں ✤

(۳) میرا کوئی بھائی زندہ نہیں رہا۔ سب شہید ہو گئے۔ اب ایک ہی میں اکیلا رہ گیا ہوں جس میں کچھ خون نہیں ہے ✤

خیمہ میں تشریف لا کر آپ نے اپنی بہن سے فرمایا کہ میرے پاس اصغرؓ کو لاؤ میں اُسے لیکر لشکر عمر سعد میں جاؤں گا۔ اُس کی معصومانہ حالت دکھاؤں گا۔ اور اُس کے لئے پانی کی التجا کروں گا۔ آپ کی بہن روتی ہوئی اُٹھیں اور اصغرؓ معصوم کو آپ کی گود میں دیا۔ حضرت اصغرؓ نے جناب امام علیہ السلام کی گود میں آتے ہی آنکھیں کھولدیں اور زبان منہ سے نکال دی۔ آپؑ آبدیدہ ہوئے اور کندھے سے لگا کر میدانِ کارزار میں جہاں ہزاروں ستمگار اکل و شرب سے سیراب کھڑے تھے۔ تشریف لائے ✤

میدان میں آ کر آپ نے عمر سعد کو مخاطب کیا۔ اور فرمایا کہ اے قوم جفاکار خدا کو مانو میرے مرتبے کو پہچانو۔ تم نے میرے نونہالان چمن کو پامال کیا۔ میں نے تم سے کچھ شکایت نہ کی۔ اب میں اِس معصوم بچے کو لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اِس کی حالت دکھانے لایا ہوں۔ اگر تمہارا گنہگار ہوں تو میں ہوں خطاوار ہوں تو

میں ہوں۔ میرے بچوں نے تمہارا کوئی قصور نہیں کیا ہے۔ اگر ذرا سا پانی میرے اصغر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حلق میں چوا دو تو نہر فرات میں سے کچھ کم نہ ہو جائے گا تم میں بہت سے لوگ صاحبِ اولاد ہیں۔ ذرا وہ اپنے اپنے دلوں پر ہاتھ رکھ کر سوچیں۔ کہ بچوں کی مصیبت کس قدر ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ آج تم میرے بچے کو ایک قطرۂ آب دو گے۔ تو کل میں تمہیں اور تمہارے بچوں کو حوضِ کوثر پر اپنے ہاتھ سے سیراب کروں گا +

مگر بھلا اُن سنگدل جفاکاروں میں رحم کہاں تھا۔ عمر سعد بولا کہ اے حسین ع بس اب اپنی بیکسی کی داستان بیان نہ کرو۔ پانی کی اُمید نہ رکھو، تمہیں اور تمہارے بچوں کو پانی نہیں دیا جا سکتا۔ اور تمہاری یہ درد بھری باتیں ہمارے دل پر کچھ اثر نہیں کر سکتیں +

اسی اثنا میں بدباطن حرملہ بن کاہل نے ایک تیر ایسا مارا کہ حضرت علی اصغر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا حلقوم چھیدتا ہوا سید الشہدا کے بازو سے پار ہو گیا۔ دودھ پیتا بچہ ہمک کر بابا کی گردن سے لپٹ گیا اور فوراً جان دیدی آپؑ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور تیر کو فوراً بچے کے گلے سے نکالا۔ خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ آپ نے اپنے پیراہن پاک میں معصوم اصغرؓ کا خون چھپا لیا۔ اور اسی طرح گلے سے لگائے ہوئے خیمہ میں لے آئے اور اُس کی ماں کو دیکر کہا کہ لو تمہارا اصغرؓ حوضِ کوثر سے سیراب ہو کر آگیا +

جناب اصغرؓ کی والدہ ماجدہ نے جب اپنے نورِ بصر کو جان بحق پایا۔ بے اختیار دل بھر آیا۔ بچے کی لاش کو کلیجہ سے لگا لیا۔ اور فرمانے لگیں ؎

رفتی و سیر ندیدہ رُخ تو دیدہ ہنوز — گوش یک نکتہ ز لبہائے تو نشنیدہ ہنوز
چیدہ و دستِ اجل اے غنچۂ نورستہ ترا — گلے از شاخِ امل دستِ تو ناچیدہ ہنوز

آپ زار زار روتی تھیں۔ اور اس خیال سے کہ آواز خیمہ کے باہر نہ جائے چپکے چپکے فرماتی تھیں۔ کہ اے بیٹا علی اصغرؓ اس دشتِ غربت میں

مجھے چھوڑ کر کہاں سدھار گئے ؎

چندے بجہان بسر نہ کردی زنہار غمِ پدر نہ کردی
پاس خلشِ جگر نہ کردی در شامِ بلا سحر نہ کردی
رفتی و مرا خبر نہ کردی
بر بیکسیم نظر نہ کردی

اصغرؑ تمہیں گود میں بٹھاؤں آؤ تمہیں جھولنا جھلاؤں
دیکر تمہیں لوریاں سلاؤں اُٹھو تو میں دودھ بھی پلاؤں
رفتی و مرا خبر نہ کردی
بر بیکسیم نظر نہ کردی

کچھ مُنہ سے بھی تم نہ کہنے پائے بچپن میں یہ رنج و غم اُٹھائے
ماں جان سے اپنی کیوں نہ جائے اصغرؑ کھکر کسے بُلائے
رفتی و مرا خبر نہ کردی
بر بیکسیم نظر نہ کردی

خالی مری گود رہ گئی آج فریاد سُنے کوئی مری آج
غمخوار مرا نہیں کوئی آج دل کو ہے عجیب بےکلی آج
رفتی و مرا خبر نہ کردی
بر بیکسیم نظر نہ کردی

تم گھٹنیوں چلنے بھی نہ پائے دل کو کس طرح چین آئے
کیوں آنکھ نہ اشک خوں بہائے آئے ہو لہو میں تم نہائے
رفتی و مرا خبر نہ کردی
بر بیکسیم نظر نہ کردی

القصہ جناب امام علیہ السّلام نے حضرت اصغرؑ کو بھی اپنے ہاتھ سے گنج شہیداں میں دفن کر دیا۔

(انا اللہ و انا الیہ راجعون)

میدانِ کربلا کی آخری آویزش
اَور
امامِ مظلوم کی شہادت

قلم پریشان رقم اُس واقعۂ جاں گزا اور سانحۂ ہوش رُبا کو لکھتا ہے۔ جس کے خیال سے رونگٹے کھڑے ہوئے جاتے ہیں۔ فرشتے آسمان پر مضطر آتے ہیں۔ رات اِسی واقعۂ جان کاہ کے سبب سے لباس ماتمی پہنے ہوئے روز آتی ہے۔ زمین اسی حادثۂ عظیم کے سبب سے وقتاً فوقتاً کرز جاتی ہے +

مروی ہے۔ کہ جب کوئی اولاد و فرزند اور رفیقوں میں سے باقی نہ رہا۔ تو آپ نے اپنا ارادہ میدان میں جانے کیلئے ظاہر فرمایا۔ خیام سے شور اُٹھا کہ یا ابن رُسول اللہ آپ تو جاتے ہیں۔ مگر ہمیں کس پر چھوڑتے ہیں۔ اِس وحشتِ مصیبت میں ہمارا کیا حال ہوگا۔ ہم پردیس میں کس کی پناہ ڈھونڈینگے۔ آپ نے سب کو تسلی دی اور فرمایا کہ تم سب کا خدا حافظ و مددگار ہے۔ پھر عمامہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اپنے فرق مبارک پر رکھا۔ حضرت حمزہؓ کی سپر پس پشت لٹکائی۔ ذوالفقار حیدر کرار کمر سے لگائی۔ اسپ ذوالجناح سواری کے لئے منگوایا۔ اور حضرت زین العابدین کے پاس تشریف لاکر فرمایا۔ کہ اے بیٹا ہم بھی جاتے ہیں۔ اور اپنا سر خدا کی راہ میں کٹاتے ہیں۔ تم پر جو مصیبت پڑے مردانہ وار سہنا۔ اور میرے اہل بیت سے ہوشیار رہنا۔ حضرت عابد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کیا۔ کہ بابا جان کیا میں ایسا بدبخت ہوں کہ آپ میرے سامنے سر کٹائیں اور میں اپنی جان آپ پر نثار نہ کروں۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ پہلے مجھے اجازت دیجئے۔ اس کے

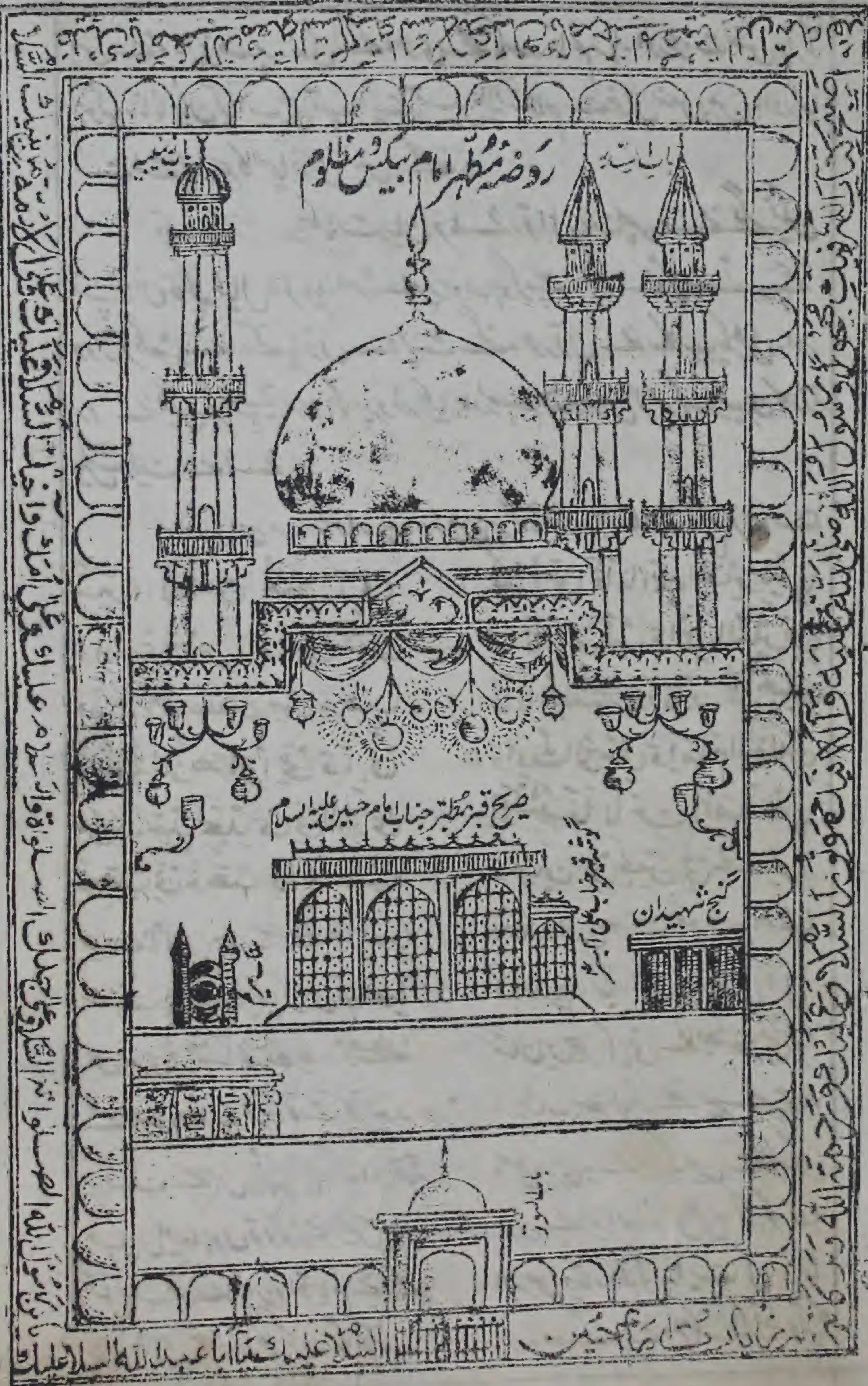
ؔ شہادت امام علیہ السلام ۱۰ر محرم ۶۱ہجری مطابق ۱۰ر اکتوبر ۶۸۰ء کو واقعہ ہوئی (انسائی کلوپیڈیا برٹینکا) جلد ۱۶ صفحہ ۵۹۸ +

بعد خود میدان میں جانے کا ارادہ فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے جانِ پدر تم میرے بعد یادگار سادات رہو گے میرے اور میرے ناناجان اور اپنے داداجان کے سچے جانشین بن گئے۔ دُنیا تم سے فیضیاب ہوگی۔ اور خدا تمہیں علوم باطن سے سرفراز فرمائے گا۔ مشیت ایزدی اسی طرح ہے۔ کہ میرے بعد سلسلۂ دردناک کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بیٹا ناموس آلِ عبا کا خیال رکھنا۔ اور بہر حال شکر خدا میں مصروف رہنا۔ صبر کرنا ہمارا شیوہ ہے۔ اور متوکل رہنا ہمارا مشرب ہے۔

حسین علیہ السلام کا پیام مدینے والے کے نام

پھر فرمایا کہ جب اِن موذیوں کے پھندے سے رہا ہو کر مدینہ منورہ پہونچو تو روضۂ جناب رسولؐ مقبول (روحی فداک) پر جانا میرا سلام کہنا۔ اور عرض کرنا کہ یارسول اللہ آپ کے نواسے کو کوفیوں نے چار دن بھوکا پیاسا رکھ کر حلال کر ڈالا۔ اُس کے فرزند کربلا کی تپتی ہوئی زمین پر قتل کئے گئے۔ اُس کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو تیروں اور تلواروں سے مارا گیا۔ آپ کی عزت و حرمت کا کچھ خیال نہ تھا۔ ناناجان اُس حلقوم پر جس کو آپ پیار کیا کرتے تھے۔ ظالموں نے خنجر جفا چلایا۔ اور جس پیشانی کو آپ بوسہ دیا کرتے تھے۔ وہ ظالموں کے پاؤں سے پامال ہوئی۔ ناناجان حسینؑ کو آپ کاندھے پر چڑھاتے تھے۔ اور گود میں اُٹھاتے پھرتے تھے۔ اُس کی لاش کربلا کی زمین پر تڑپا کی اور کسی کو اُس پر رحم نہ آیا۔ وہ حسینؑ جس کے لئے جبرئیل امین بہشت سے میوے لاتے تھے۔ بھوکا پیاسا شہید ہوا۔ اور مسلمانوں نے مرتے دم بھی اُسے ایک قطرۂ آب نصیب نہ ہونے دیا۔

ناناجان حسین علیہ السلام پر یہ تمام جور و ستم اس لئے ہوئے۔ کہ اُس نے حرمت و توقیرِ اہل بیت کا خیال کیا۔ اُس نے خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل کا لحاظ رکھا۔ اور اُس نے یزید کی بیعت کو موجب ذلت سمجھا۔ ناناجان اگر وہ یزید کی بیعت کر لیتا تو آپ کے خاندان پر ہمیشہ کے لئے الزام لگ جاتا۔


روضۂ مطہر امام بیکس مظلوم
ضریح قبر مطہر جناب امام حسین علیہ السلام
گنج شہیداں

اس لئے وہ اپنی ضد پر زندگی کے آخری لمحے تک قائم رہا۔ اور عزت نفس پر قربان ہو گیا۔ نانا جان کیا اب بھی آپ اپنے حسین علیہ السّلام سے خوش نہیں ہیں۔ اور کیا اُسے ملتِ ابراہیم کا سچا فدائی نہیں سمجھتے"۔

آپ نے جب یہ کلمات بیان فرمائے۔ تو اہل بیت پھر رونے لگے لیکن آپ نے اُن کا کچھ خیال نہ فرمایا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر چلے۔ چھوٹے چھوٹے بچے دوڑ کر گھوڑے کے پاؤں سے لپٹ گئے۔ عورتوں نے رکاب پکڑ لی۔ اور رونے لگیں مگر آپ نے رب کو سپرد خدا کیا۔ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر میدانِ کارزار میں تشریف لے آئے۔

سر میدان مردانہ وار نیزہ زمین پر گاڑا اور بفصاحت تمام فرمایا ؎

خَیرَۃُ اللّٰہِ مِنَ الْخَلْقِ اَبِیْ ثُمَّ اُمِّیْ فَاَنَا ابْنُ الْخَیرَتَیْنِ
وَالِدِیْ شَمْسٌ وَّ اُمِّیْ قَمَرٌ وَاَنَا الْکَوْکَبُ وَابْنُ النَّیِّرَیْنِ
فِضَّۃٌ قَدْ خَلَصَتْ مِنْ ذَھَبٍ فَاَنَا الْفِضَّۃُ وَاَنَا ابْنُ الذَّھَبَیْنِ
فَاطِمَۃُ الزَّھْرَاءِ اُمِّیْ وَ اَبِیْ وَارِثُ الرُّسُلِ وَاِمَامُ الثَّقَلَیْنِ
مَنْ لَّہٗ جَدٌّ کَجَدِّیْ فِی الْوَرٰی اَوْ کَشَیْخِیْ فَاَنَا ابْنُ الْعَلَمَیْنِ
ذَھَبٌ فِیْ ذَھَبٍ فِیْ ذَھَبٍ وَلُجَیْنٌ فِیْ لُجَیْنٍ فِیْ لُجَیْنٍ

میرے نانا ہیں جنابِ مصطفےٰؐ خیر الوریٰ ۔ آفتابِ اوجِ عزت شمع بزمِ اصفیا
منقبت اپنے پدر کی کیا کروں تم سے بیان ۔ دُرِّ دُرجِ لافتیٰ تھے بدرِ برجِ ہل اتیٰ
ماں میری خیر النساءؑ نورِ نگاہِ مصطفےٰ ۔ شان میں جس کی نبی نے بضعۃ منّی کہا
اے لعینو حضرتِ حمزہؓ تو تھے عمِّ پدر ۔ اور جناب جعفرِ طیارؓ تھے میرے چچا
یہ نسبت ہے جس پہ مجھ کو آج کے دن فخر ہے ۔ اصل میری یہ ہے جس کو میں نے ظاہر کر دیا
جب میں ایسا ہوں تو لوگو اپنے دل میں سوچ لو ۔ خون ہے میرا بہانا کس طرح تم کو روا
قتل سب میرے عزیز و اقربا تم نے کئے ۔ اور میں دیتا رہا تم کو ہدایت کی دُعا
جانتا ہوں میں کہ مجھ کو بھی کرو گے تم شہید ۔ اور نہ دو گے مرتے دم تک ایک قطرہ آب کا

حشر میں انصاف ہوگا بانیانِ جور و ظلم — اس تمہارے جور کا اور عترتِ مظلوم کا
خون میرا حشر کے دن رنگ لائے گا ضرور — سرخرو ہو گے نہ تم پیشِ جنابِ مصطفےٰ

آپ نے عمر سعد سے فرمایا کہ اے عمر بیٹے سعد کے تو گواہ رہنا کہ میں نے اور میرے رفقا اور فرزندوں نے اتمام حجت کے لئے تجھ سے کیا کیا کچھ نہ کہا مگر تو اور تیرے سردارانِ لشکر نے ایک بات قبول نہ کی۔ میں اب تم لوگوں سے آخری مرتبہ پھر کہتا ہوں کہ اپنے ظلم و ستم سے باز آؤ۔ سید کو نہ ستاؤ۔ مبادا کہ عذاب الٰہی تم پر نازل ہو۔ اور پھر تمہیں جان چھڑانا مشکل ہو ؎

پانی نہ ملا اس کا شکوہ نہ گِلہ ہے — تم ظلم و ستم کرتے ہو یاں لب پہ دعا ہے
ہفتم سے ہر اک سانحے پر صبر کیا ہے — پَر اب بھی برائی سے جو باز آؤ بھلا ہے
مظلوم کو بیکس کو رلانا نہیں اچھا
سید کا مسافر کا ستانا نہیں اچھا

خیر اس پہ میں راضی ہوں امام اپنا نہ سمجھو — پر چاہتا ہوں یہ کہ مزاحم نہ ہوئے ہو
لے کر حرمِ احمد مختار کو لوگو — میں یاں سے چلا جاؤں کسی اور طرف کو
بستی میں کسی سے نہ ملاقات کروں گا
جنگل میں بسر اپنے میں اوقات کروں گا

اے کوفہ کے ستمگارو۔ ہمیں خاندان نبوت و رسالت سے خاص توسل ہے۔ کیا تم ہمارا مرتبہ نہیں جانتے ؎

آدمؑ کو غم و رنج کے عمان سے نکالا — اور نوحؑ کی کشتی کو بھی طوفان سے نکالا
یوسفؑ کو گرفتاریٔ زنداں سے نکالا — یعقوبؑ کو قیدِ غمِ ہجراں سے نکالا
فرعون پہ موسےٰؑ کو عصا دیکے ظفر دی
اور قتل کی پہلے سے مسیحا کو خبر دی

تم یہ سمجھتے ہو کہ شبیر مجبور ہے۔ لیکن حقیقت ہے۔ کہ ہم تو مرضیٔ الٰہی پر صابر و شاکر ہیں۔ ورنہ اب بھی خدائے قدیر نے ہمیں وہ زور یہ کرامت دیا ہے کہ جو

چاہیں ذرا اسی دیر میں ہو جائے

کہدوں کہ سر کب یاں تو دریا ابھی ہٹ جائے
وہ حکم ہوا کو تو ابھی خاک سے پٹ جائے
یوں رعد بھی کڑکے کہ جگر شیر کا پھٹ جائے
یوں زلزلہ آئے کہ زمین رن کی اُلٹ جائے

برباد یہ سب خرمنِ ہستی نظر آئے
باران کی طرح آگ برستی نظر آئے

اُف کردوں تو سب فوج کے نیزے ابھی جل جائیں
پھل برچھیوں کے شمع کی مانند پگھل جائیں
تلواریں تڑپ کر ابھی قبضوں سے نکل جائیں
اور تم کو نیام اژدہے بن بن کے نگل جائیں

پروانہ کریں تیر پرندوں کی طرح سے
پھنس جائیں کمانوں میں کندوں کی طرح سے

جناب امام علیہ السّلام کی یہ باتیں سُن کر کوفیوں کے دل موم کی طرح پگھل گئے اور لشکر سے واحسرتاہ کی صدائیں بلند ہوئیں۔ جس شخص نے جناب امام کی تقریر سُنی رو دیا۔ اور دل کو میدانِ مصاف سے اُٹھا کر واپس جانے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں سینکڑوں آدمی چلتے پھرتے نظر آئے۔ بختری بن ربعیہ، شیث بن ربعی اور شمر ذی الجوشن نے دیکھا کہ تقریر جناب امام علیہ السّلام کا اثر لشکر پر بہت پڑ رہا ہے۔ سب کو روکا۔ اور آپ سے کہنے لگے کہ یا امامؑ آؤ ہم تمہیں ابن زیاد کے پاس لے چلیں۔ وہاں چل کر تم ابن زیاد سے یزید کی بیعت کا اقرار کر لینا۔ بس پھر ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ جناب امام علیہ السّلام سر جھکا کر کچھ سوچنے لگے۔ عمر سعد نے دیکھا کہ کام بگڑا۔ زور سے چلایا کہ اے بزدلو خبردار امامؑ کے مُنہ سے دوسری بات نہ نکلے۔ فوراً تیروں کی بارش شروع ہو جائے۔ ورنہ میں ابن زیاد سے کہہ کر تم لوگوں کے گھر اُجڑوا دونگا۔ اور تمہارے بچّے اور عورتیں کچی دیواروں میں چُنوا دوں گا۔ تم ایک تن تنہا شخص کی حمایت پر کمربستہ ہو کر حکومت سے روگردانی کرتے ہو۔ محض اُمید پر جنّت کا دم بھرتے ہو۔ بس خیریت اسی میں ہے۔ کہ کمانیں اُٹھاؤ تیر چلوں سے لاؤ۔ اور وار کرو۔

ایک جماعت یہ سُن کر کچھ جوش میں آئی۔ اور ہزاروں تیر جناب امام علیہ السّلام پر برسنے لگے۔ مگر خدا کی قدرت دیکھئے کہ آپ پر یا آپ کے گھوڑے پر ایک تیر بھی نہ لگا۔ پھر تو وہ جفاکار بڑے شرمندہ اور بہت زیادہ پشیمان ہوئے اور ندامت سے بغلیں جھانکنے لگے۔ آپنے فوج اعدا کا یہ حال دیکھا تو ذوالجناح کو تھپکی دی اور واپس خیام اہل بیت کی طرف مراجعت فرما ہوئے ۔

مروی ہے کہ جب جناب امام عالی مقام تن تنہا کربلا میں رہ گئے۔ اور کوئی آپ کا مونس و غمگسار باقی نہ رہا تو یکایک دشتِ کربلا میں ایک غبار اُٹھا اور ایسی تاریکی طاری ہوئی کہ کوئی کسی کو نظر نہ آتا تھا۔ ناگہاں ایک شخص مہیب نظر آیا جو گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس کا سر اور ہاتھ گھوڑے سے مشابہ تھا۔ اور پاؤں اونٹ کے سے تھے۔ سیدھا حضرت امام حسین علیہ السّلام کے پاس آیا اور عرض کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَعَلٰی جَدِّکَ وَعَلٰی اَبِیْکَ وَعَلٰی اُمِّکَ جناب امام حسین علیہ السّلام نے اُس کے سلام کا جواب دیا۔ اور دریافت کیا کہ اے شخص تو کون ہے جو اس مظلومی اور بیکسی کے وقت میں میرا احترام کرتا ہے۔ اور مجھے اس طرح سلام کرتا ہے۔ وہ بولا کہ یا امام میرا نام زعفر زاہد ہے۔ میں جناب مولا علی کرم کے خدام میں سے ہوں۔ اور میرا لشکر اس جنگل سے قریب ہی فروکش ہے جب آپ کے والد بزرگوار چاہ بیر العلم پر تشریف لائے تھے۔ تو دیوؤں کو ضرب ذوالفقار سے مسلمان کیا تھا۔ اور میرے باپ کو اُن سب پر سردار بنا دیا تھا۔ اب میرے باپ کی وفات کے بعد وہ امارت مجھے ملی ہے۔ اور میں عالم دیووں پر حکومت کرتا ہوں۔ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے لشکر کو یہاں لے آؤں۔ اور آپ کے دشمنوں کو ذرا سی دیر میں ہلاک کر ڈالوں۔ مجھے یہ سُن کر کمال صدمہ ہوا۔ کہ مسلمان آپکے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ اور انھوں نے آپکے فرزندوں اور یار و انصار کو مار ڈالا ہے۔ مجھے یہ حال معلوم کر کے تاب ضبط نہ رہی۔ اور میں سیدھا یہاں چلا آیا۔ اب آپ کے حکم کا منتظر ہوں ۔

آپ نے فرمایا کہ اے زعفر خدا تجھے نیکی دے۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ میرے نانا جان کے اُمتی کسی پوشیدہ مدد یا کمک سے قتل ہوں۔ اور دُنیا کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ حسین علیہ السّلام نے مجبوری کے وقت دیووں سے مدد لی تھی۔ زعفر بولا کہ آخر جنگ بدر و حنین میں بھی تو فرشتوں نے جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلّم کی معاونت کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں مگر وہ خدا کا حکم تھا۔ تم جاؤ اور آرام سے اپنے گھر بیٹھو،

زعفر نے عرض کیا کہ حضور چاہیں تو ہم خوبصورت مردوں کی صورت میں شریک جنگ ہو سکتے ہیں۔ اُس وقت تو پوشیدگی اور حیلہ نہ رہے گا۔ آپ نے فرمایا۔ جزاک اللہ الخیراً یا زعفر لیکن بات یہ ہے۔ کہ میرا دل زندگی سے سیر ہو چکا ہے۔ بھلا خیال تو کر جس باپ کے جوان اور کمسن تمام بیٹے اور بھائی دنیا سے سدھار جائیں بھلا وہ دُنیا میں کیونکر آرام کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ مرتبہ شہادت میرے لئے روز ازل سے مخصوص ہے جس کی خبر جناب رسالت مآب بیسیوں مرتبہ دے چکے ہیں۔ اِس لئے مشیت اپنی مرضی کو بدل نہیں سکتی۔ اور جو کچھ خدا کو منظور ہے وہ ہو کر رہے گا ❊

زعفر نے جب یہ بات سُنی تو مجبور ہو کر واپس چلا گیا۔ اور وہ غبار جو ہر طرف چھایا ہوا تھا غائب ہو گیا ❊

جنابِ امام عالی مقام خیمہ میں ہو کر دوبارہ میدانِ کارزار میں تشریف لائے اور فرمایا۔ کہ اے عمر سعد اگر تو میرا کہنا نہیں مانتا تو میرے مقابلہ کے لئے کسی کو بھیج اور ہاشمی خون کا آخری جوش دیکھ لے۔ عمر سعد تو کچھ نہ بولا مگر ایک شخص تمیم بن قحطبہ جو اُمرائے شام سے تھا۔ اور جو اپنی قوم میں نہایت معزز و ممتاز تھا۔ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ کہ اے حسین علیہ السّلام ابن علی کرم تمہارے تمام عزیز و اقارب کوفیوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے۔ مگر تمہارے دل میں ہنوز آرزوئے پیکار باقی ہے۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ تم ایک ہو۔ اور یہاں بیس ہزار

فوج جرّار آمادہ پیکار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے شامی ذرا سوچ تو سہی میں ان لوگوں سے لڑنے کے لئے آیا ہوں۔ یا یہ لوگ مجھ سے لڑنے آئے ہیں۔ میں نے ان لوگوں کا راستہ روک رکھا ہے۔ یا انہوں نے میرا رستہ بند کر دیا ہے۔ تم لوگ میرے تمام عزیز و اقارب اور فرزندوں کو شہید کر چکے۔ تو اب میرے ساتھ اُن سے انوکھا سلوک اور کیا کرو گے۔ بجز اس کے ایک تن تنہا شخص کو ہزاروں آدمی مل کر مجبور کر دو۔ اور سر کاٹ کر شہید کر ڈالو۔ خیر اب یہ سب باتیں فضول ہیں تو اپنا مطلب کہہ کہ کیا چاہتا ہے۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کہ آپ نے ایک ہاتھ اُس کی گردن پر ایسا مارا کہ اُس کا سر پچاس قدم پر جا کر گرا۔ ایتو لشکر عمر سعد میں بھاگڑ پڑ گئی۔ سب کا دل مٹھیوں میں آگیا۔ چہروں پر رنگ زرد چھا گیا ؎

کچھ ایسی بدحواسی چھا گئی تھی فوج اعدا پر
کوئی گھوڑے پہ کوئی اپنے اوپر زین کستا تھا

مگر یزید البطحی جو شام و عراق میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ چلایا کہ ٹھہرو ٹھہرو گھبرا نہ جاؤ میں ابھی جاتا ہوں اور اُس کا کام کئے آتا ہوں۔ جب یزید البطحی کو مقابلہ کیلئے تیار دیکھا۔ تو سب لوگ تماشہ دیکھنے کی غرض سے پھر جمع ہو گئے اور کچھ تسکین ہوئی۔ کیونکہ وہ البطحی کے زور شجاعت سے واقف تھے اور جانتے تھے۔ کہ اگر یہ جوان اس وقت نبرد آزما ہوا تو حسین علیہ السّلام دن کے بھوکے پیاسے مسافر پر ضرور بھاری پڑے گا۔

البطحی نیزہ ہلاتا ہوا اور ہونٹھ چباتا ہوا جناب امام عالی کی طرف آیا۔ تو جناب حسین علیہ السّلام نے ڈانٹ کر فرمایا۔ کہ او گستاخ ذرا ادب سے آگے قدم بڑھانا اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور چاہا کہ تلوار فرق امام پر مارے کہ آپ نے پیش دستی کی اور تلوار کا ایک ہاتھ اُس کی کمر پر ایسا مارا کہ وہ مردود لکڑی کی طرح دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔ اور اُس کے منحوس حوصلے دل کے دل ہی میں رہ گئے۔

جناب امام حسین علیہ السّلام نے چاہا کہ لب فرات چل کر کم از کم گھوڑے کو ذرا

سا پانی پلالیں مگر شمر چلّایا کہ دیکھنا خبردار رہنا حسین علیہ السّلام لبِ آب تک نہ جانے پائیں اگر ذرا سا قطرۂ آب بھی اِن کی زبان اور حلق تک پہنچ گیا۔ تو پھر ہمارا زندہ رہنا دشوار ہے۔

یہ سُن کر تمام فوج فرات اور جناب امام علیہ السّلام کے درمیان حائل ہوگئی۔ اور آپ کو اُدھر جانے سے روک دیا۔ مگر بھلا یہ حیدر کا شیر نبیؐ حجازی کا نواسہ رُکنے والا تھا۔ گھوڑے کے ایک ایسی ایڑ لگائی کہ وہ ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ اور جناب امام علیہ السّلام تلوار سونت کر لشکر میں گھُس پڑے جو سامنے آیا کٹ کر دونیم ہوا۔ اور جگہ صاف ہوگئی۔ آپ لبِ فرات آئے۔ چاہا کہ گھوڑے کو پانی پلائیں۔ مگر اُس ذوالجناح نے منہ پھیر لیا۔ اور پانی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا (اللہ اکبر جانوروں کو تشنگیٔ اہلِ بیت اطہار کا اِس درجہ خیال تھا۔ وائے اُن مُسلمانوں کی حالت پر جو نبیؐ کا کلمہ پڑھتے تھے۔ خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کہلاتے تھے، اور جناب امام علیہ السّلام اور اُن کے فرزندوں کو بھوکا پیاسا دیکھ کر اُنہیں رحم نہ آتا تھا۔ دیکھئے خدا اِن نابکاروں اور ناخدا ترس مخلوق سے اِس ظلم وستم کا انتقام قیامت کے دن کیونکر اور کس طرح لیتا ہے) کوئی سمجھے کہ اب جنابِ حسین علیہ السّلام فرات پر پہنچ گئے ہیں۔ یہ ضرور پانی پی لیں گے۔ کسی نے پیچھے سے آواز دی کہ اے حسین علیہ السّلام تم تو یہاں پانی پینے آئے ہو۔ دیکھو کوفی تمہارے خیمے لُوٹے لیتے ہیں۔ یہ آواز جونہیں آپ کے کانوں میں آئی۔ آپ فوراً گھوڑے کو موڑ کر بھاگے ہوئے خیمۂ حرم کی طرف آئے اور راستہ میں چار سو دشمنوں کو خاک میں ملایا یہاں آکر دیکھا تو خیمے محفوظ تھے۔ سمجھ گئے کہ آج پانی کا پینا پلانا حکم خدا سے موقوف ہے اِس لئے اِس کی کوشش کرنا بھی فضول ہے۔ حوضِ کوثر پر میرے ناناجان میرے منتظر بیٹھے ہوں گے۔ عباس، قاسم، اکبر، اور اصغر (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) رستہ دیکھ رہے ہوں گے۔ والد بزرگوار چشم براہ کھڑے ہوں گے۔ مجھے دُنیا کے اِس ناپاک پانی کی طرف سے اب اپنا خیال ہٹا لینا ہی مناسب ہے۔ آپ خیمہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت عابدؓ بیمار کو گلے سے لگا۔ عورتوں کو وصیّت کی کہ دیکھو خبردار جب میرے قتل ہونے کی خبر پاؤ تو زنہار بہ آوازِ بلند گریہ وزاری نہ کرنا۔ سر نہ کھولنا،

سینے نہ پیٹنا۔ فریاد و بکا نہ کرنا۔ صبر سے کام لینا۔ خدا تمہاری مدد کرے گا۔ میرے یتیموں اور بیکس بچوں کا خیال رکھنا۔ اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ دینا۔ جب وہ رو کر مجھے یاد کریں تو کہنا ہیں کہ تمہارے بابا جان کام سے گئے ہیں۔ ابھی آتے ہوں گے دُنیا کی تمام مصیبتوں کو صبر کے ساتھ برداشت کرنے کی عادت ڈالنا۔ اگر کوئی تمہارے ساتھ ظلم و ستم سے بھی پیش آئے تو تم اُسے بد دعا نہ دینا۔ حضرت عابدؓ سے فرمایا۔ کہ بیٹا اگر قسمت تمہیں مدینے لے جائے تو رسُولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض حال کرنے کے بعد مدینے والوں سے میرا سلام کہہ دینا۔ اور کہنا کہ جب غربت و مصیبت میں گرفتار ہوں۔ تو میری مصیبت کو یاد کر لیں۔ اور جب کسی کو مقتول دیکھیں۔ تو میرے حلق بریدہ کا ضرور خیال کر لیں۔ جب ٹھنڈا پانی پئیں تو یہ ضرور یاد رکھیں۔ کہ حسین علیہ السلام تین دن کا بھوکا پیاسا دشمنوں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔

القصہ آپ سب سے ایک ایک کرکے وداع ہوئے۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر میدانِ کارزار میں تشریف لائے۔

عمر سعد نے جب آپ کو دوبارہ میدان میں رونق افروز دیکھا فوجوں کو اُبھارا اور بڑھاوے دے دے کر قتل جناب امام علیہ السلام پر آمادہ کیا۔ کسی کو جاگیر کی حرص دلائی۔ کسی کو خلعت و انعام کا لالچ دیا۔ الغرض کوئی چاروں طرف سے گھیر کر جناب امام علیہ السلام کے ارد گرد کھڑے ہو گئے۔ اور تیر برسانے شروع کئے۔ جناب امام علیہ السلام کا جسم مطہر تیروں کی بوچھار سے زخمی ہو گیا۔ جب کوئی تیر آپ کے جسم پر لگتا تھا۔ آپ الحمد للہ علیٰ کل حال فرماتے تھے۔ اور آپ کی زبان سے کچھ ایسے اشعار جاری تھے۔ اور بارگاہ الٰہی میں اس طرح دعا فرما رہے تھے ؎

تن وہ دے کہ جو زخم تری راہ میں کھائے — سر وہ دے کہ جو کٹ کے تری راہ میں آئے
دل وہ دے کہ جو سینے پہ قاتل کو بٹھائے — لب وہ دے کہ شکوہ نہ کبھی پیاس کا لائے

دُنیا سے جزائے خالقِ قیوم اُٹھوں میں
مظلوم کا فرزند ہوں مظلوم اُٹھوں میں

دعائے حسین علیہ السّلام مقبول ہوئی۔ اور زخموں کی کربت نے آپ کو بیجان کردیا۔ اسی اثناء میں آپ نے دیکھا کہ عمر سعد تلوار لئے ہوئے آپکے پاس آیا۔ آپنے فرمایا کہ اے عمر ابن سعد کیا تو مجھے اپنے ہاتھ سے قتل کرے گا۔ وہ یہ سُن کر نہایت شرمندہ ہوا۔ اور واپس لوٹ کر شمر ذی الجوشن کے ہاتھ میں تلوار دی۔ آپنے دیکھا کہ کچھ لوگ خیام اہلِ بیت کی طرف جا رہے ہیں فرمایا کہ اے آلِ ابو سفیان اگرچہ تم اپنے دین کی حرمت کو پامال کر چکے ہو مگر کیا تمہاری حمیت قومی بھی جاتی رہی تمہارا مقصود اصلی مجھے قتل کرنا ہے۔ تو میں یہاں حاضر ہوں۔ میرے حرم کی طرف جانا یا اُس کی بے حُرمتی کا ارادہ کرنا شرافت عرب سے بالکل بعید ہے۔ شمر نے اُن لوگوں کو واپس بُلا کر ڈانٹا اور کہا کہ ہاں ہمیں حرم حسین علیہ السّلام سے تعرض نہ ہونا چاہیئے۔ ہمیں تو صرف سرِ حسین علیہ السّلام سے کام ہے۔ خبردار کوئی اُدھر نہ جانا۔

جناب امام علیہ السّلام دیکھ رہے تھے۔ کہ اتنے ہزار لوگوں میں کوئی آپ کا یار و مددگار نہیں ہے۔ بار بار اپنے نانا جان کے وقت کو یاد کرتے تھے۔ جبکہ لوگ اُن کے سایہ کو اپنی آنکھوں پر جگہ دینا عزت سمجھتے تھے۔ یا آج یہ حال تھا کہ حیدر کا لال اور نبیؐ کا نواسہ بھوکا پیاسا تن تنہا ہزاروں دشمنوں میں گھرا ہوا تھا اور کوئی اُس کا پرسان حال نہ تھا۔

بھر کرمی نگرم رونمے کنند سوئے من میان ایں ہمہ بیگانہ آشنائی نیست

آخرکار اُس تیروں کی بارش میں ایک تیر جناب امام عالی مقام کی پیشانی پر لگا۔ اور خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔ آپنے اُس پر فوراً ہاتھ رکھ لیا۔ جب ہاتھ میں خون بھر جاتا تھا۔ تو آپ سر اور منہ پر مل لیتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ میں اسی حالت اور اسی صورت سے جناب محمدؐ الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے جاؤں گا اور اُن کی اُمت کے کارنامے اُنہیں دکھاؤں گا۔

راوی لکھتا ہے۔ کہ آپ کے جسم پر نیزے اور تیروں کے ۷۲ زخم لگے تھے۔
زخموں کی کثرت اور تیروں کی بوچھاڑ سے تنگ آکر آپ گھوڑے سے نیچے اُتر آئے۔ کہ
مبادا ذوالجناح کے جسم پر کوئی تیر لگ جائے اور آباؤاجداد کی اس یادگار کو مجروح
کر دے۔ جب آپ زمین پر اُتر پڑے تو رو بقبلہ ہو بیٹھے۔ کئی شخص ارادہ قتل سے
اُس طرف آئے لیکن جیسا آپ کے خون آلود سر و چہرہ پر نگاہ پڑی تو جسم میں لرزہ آگیا
اور واپس لوٹ لوٹ گئے ؎

سہل کارے نیست خونِ آلِ احمد ریختن خاکِ غم بر فرقِ فرزندِ محمدؐ ریختن

جب شمر نے دیکھا کہ کسی میں ہمت قتل نہیں ہے۔ تو لشکر میں جو بڑے بڑے
بہادر نوجوان تھے۔ انہیں للکارا اور پکارا کہ اے مرد و عورتوں کے لباس پہنو
زخمی شیر کے شکار سے اس طرح نہ گھبراؤ۔ یہ سُن کر زرعہ بن شریک آیا اور آپ کے
دستِ مبارک پر زخم لگا کر بھاگ گیا۔ سنان بن انس نے نیزہ جناب امامؑ کے
پیچھے سے آکر پیٹھ پر مارا کہ آپ سر بسجود ہو گئے۔ خولی بن یزید نے چاہا کہ گھوڑے
سے اُتر کر جناب امام عالی مقام کا کام تمام کر ڈالے۔ لیکن اُس کا ہاتھ کانپنے لگا۔
اور وہ بھی پشیمان ہو کر الگ ہٹ گیا۔ ایک اور شخص بارادۂ قتل آیا تو جناب امامؑ نے
اُس سے فرمایا کہ اے شخص تو میرا قاتل نہیں ہے۔ تو اپنے ہاتھ خون میں آلودہ نہ کر
مبادا کہ قیامت کے دن عذاب دوزخ میں گرفتار ہو۔ وہ شخص رو کر کہنے لگا۔
کہ یا ابن رسول اللہ گو آپ اس حال کو پہنچ گئے ہیں۔ مگر پھر بھی ہماری غمخواری آپ
کو منظور ہے۔ اور آپ نہیں چاہتے۔ کہ ہم آتش دوزخ میں جلیں۔ اس کے بعد وہ
ہی تلوار لئے ہوئے جو حضرت امام کے قتل کے لئے سونتی تھی۔ عمر سعد کے پاس
دوڑا ہوا پہونچا۔ عمر سعد نے کہا آؤ کیا قتل حسین علیہ السّلام کی خوشخبری لائے ہو۔
کیا یہی وہ تلوار ہے۔ جس سے سر امام علیہ السّلام تم نے اُتارا ہے۔ وہ کہنے لگا۔ کہ
نہیں بلکہ یہ وہ تلوار ہے۔ جو تیرا سر اُتارے گی۔ اور تجھے قتل کرے گی۔ میں تجھے
تیری ہلاکت کی خوشخبری دینے آیا ہوں اور بجائے حسین علیہ السّلام کے تیری جان لینے

آیا ہوں۔ یہ کہا اور تلوار عمر سعد کی طرف اُٹھائی۔ مگر اُس کے نوکروں نے فوراً روک تھام کر لی۔ اور اُس فدائے حسین علیہ السّلام کو تلواروں پر رکھ لیا۔ وہ شخص کہنے لگا۔ کہ یا ابن رسول اللہ گواہ رہنا کہ میں آپ کی محبت میں جان سے جاتا ہوں۔ کل قیامت کے دن مجھے بھی اپنے ساتھ گلزار میں رکھئے۔ جناب امام نے اُس کی آواز سُنی اور وہیں سے فرمایا کہ "خوش ہو جا اور اطمینان رکھ کہ ایسا ہی کروں گا"۔

اِدھر یہ حال تھا۔ کہ لوگ غرور کبر میں بھرے ہوئے آتے تھے۔ اور ہر شخص چاہتا تھا۔ کہ پہلے وہ ہی سر امام علیہ السّلام کو اُتار کے فہرست شقاوت میں اول نمبر پر رہے۔ مگر جس وقت جناب امام علیہ السّلام کی نگاہ اُس پر پڑتی تھی۔ جسم لرزنے لگتا تھا۔ اور ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر بھاگ جاتا تھا۔

مختصر یہ ہے۔ کہ نماز ظہر کے وقت شمر ذی الجوشن، جس کے حصہ میں یہ شقاوت روز ازل سے لکھی ہوئی تھی۔ سنان بن انس کو دھکے دیتا ہوا آ پہنچا اور سینہ جناب امام عالی مقام پر چڑھ بیٹھا۔ جناب امام عالی مقام نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ اور فرمایا کہ تو کون ہے۔ وہ مردود بولا کہ میرا نام شمر ذی الجوشن ہے فرمایا کہ اپنے سر سے زرہ الگ کر۔ اُس نے زرہ الگ کر دی تو آپ نے دیکھا کہ اُس کے دانت سور کے دانتوں کی طرح ہونٹھوں سے نکلے ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ سینہ کھول۔ اُس نے سینہ کھولا تو اُس پر کوڑھ کا نشان موجود تھا۔ آپ فرمانے لگے صَدَقَ جَدِّیْ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ اے شمر میں نے جناب رسولِ خدا کو آج خواب میں دیکھا تھا۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ اے حسین علیہ السّلام کل تم نماز ظہر ہمارے ساتھ یہاں ادا کرو گے اور تمہیں جو شخص قتل کرے گا۔ اُس میں فلاں فلاں نشانیاں موجود ہوں گی تو تجھ میں میں وہ نشانیاں نمودار پاتا ہوں بیشک تو میرا قاتل ہے۔

آپ نے پوچھا کہ اے شمر آج کیا دن ہے۔ وہ بولا جمعہ۔ پوچھا تاریخ وہ بولا یوم عاشورہ اور ماہ محرم الحرام ہے۔ پوچھا کہ اِس وقت مسجدوں میں کیا ہو رہا ہو گا۔

وہ شقی بولا کہ نماز کی تیاریاں ہو رہی ہوں گی۔ اور خطیب ممبروں پر خطبہ پڑھ رہے ہوں گے آپ نے پوچھا کہ اے شمر تو جانتا ہے خطبہ کیا چیز ہے۔ وہ بولا کہ ہاں خطبہ تعریف ہے۔ خدا کی اور اُس کے رسُول کی۔ آپ نے فرمایا کہ شمر حیف ہے۔ مسجدوں میں خطیب تو میرے نانا جان کی تعریف و تکریم کریں۔ اور تو اُن کے نواسے کو قتل کرے جس سینہ پر جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم منہ ملتے تھے۔ تو اُس پر پاؤں رکھتا ہے اور جس حلق کو وہ بوسہ دیتے تھے۔ تو اُس پر تلوار پھیرنا چاہتا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت زکریا علیہ السّلام کی روح میرے داہنی طرف اور روحِ حضرت یحییٰ بائیں طرف موجود ہے۔ اے شمر میرے سینہ سے ہٹ جا کہ میں وقتِ اخیر دو سجدے تو درگاہِ خدا میں کرلوں ؎

شمر ٹھہر جا ذرا سجدہ تو کر لینے دے
قتل میں جلدی ہے کیا سجدہ تو کر لینے دے
ٹوٹنا تو گھر مرا کرنا مرا سر جُدا
پر مجھے بہرِ خدا سجدہ تو کر لینے دے

شمر یہ کلمات حسرتِ آیات سُن کر آپ کے سینے سے علیحدہ ہوا۔ آپ کو زخموں کی وجہ سے بیحد تکلیف تھی۔ مگر جس طرح ہو سکا اُٹھے۔ خاکِ مقتل سے تیمم کیا اور نماز میں مصروف ہو گئے۔ جب آپ سجدہ میں گئے۔ تو شمر سے صبر نہ ہو سکا اور فوراً خنجر سے آپ کو شہید کر ڈالا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؎

غمِ شبیر سے واحسرتا ارض و سما روئے
جہاں کے رہنے والے از ثریا تا ثریٰ روئے
مہ و خورشید عرش و کرسی و لوح و قلم کیا کیا
شکستہ دیکھ کر حال شہید کربلا روئے
ہوا جب تشنہ لب مقتول وہ لختِ دلِ حیدر
تو تڑپیں مچھلیاں پانی میں مرغانِ ہوا روئے

اس واقعہ جانگزا سے زمین لرزے میں آئی۔ آسمان کانپا۔ طیور وحوش نے شیون کیا۔ طائرانِ کربلا نوحہ سرا ہوئے۔ غم و ہم کی آندھیاں چلیں۔ حسرت و غربت کی گھٹائیں اُٹھیں۔ جلال و ہیبت کی بجلیاں چمکیں۔ خوف و بیم کے بادل گرجے۔ اور دنیا میں قیامتِ صغریٰ کا سماں لوگوں کی آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا ٭

تاریخ اعثم کوفی میں لکھا ہے۔ کہ جس وقت جناب امام علیہ السّلام شہید ہوئے سُرخ آندھی اُٹھی۔ اور دُنیا تاریک ہوگئی۔ کہ کسی کو کسی کی صورت نظر نہ آتی تھی تھوڑی دیر کے بعد وہ آندھی دُور ہوگئی اور مطلع صاف ہوا۔ اسپ ذوالجناح بعد شہادت امام علیہ السّلام اِدھر اُدھر بھاگا پھرتا تھا۔ آخر کار جناب امام علیہ السّلام کے پاس آیا آنکھوں سے آنسو بہائے اور خون سید الشہدا میں اپنے بال تر کر کے خیمۂ حرم کی طرف پہنچا۔ اہل بیت نے جب گھوڑے کو بغیر سوار کے خون آلودہ آتے ہوئے دیکھا۔ فریاد و شیون بلند کیا۔ ذوالجناح حضرت امام زین العابدین کے پاؤں سے اپنا منہ ملتا تھا۔ اور اُس کی آنکھوں سے دریائے اشک رواں تھا۔ الموید خوارزمی لکھتے ہیں۔ کہ وہ گھوڑا اُسی وقت زمین سے سر مار مار کر فنا ہوگیا۔ اور ابو المفاخر راوی ہیں۔ کہ وہ جنگل کی طرف چلا گیا۔ اور اُس دن کے بعد پھر کبھی اُس کو کسی نے کہیں نہ دیکھا۔ اس طرح مشیت ایزدی کا وہ حکم جو روز ازل سے منضبط تھا پورا ہوا۔

جب شمر ذی الجوشن علیہ ما علیہ جناب امام علیہ السّلام کو قتل کر چکا تو یہ اشعار اور ادا تہنیت میدانِ رزم میں پڑھنے لگا ؎

اَقْتُلُكَ الْيَوْمَ وَنَفْسِيْ تَعْلَمَا — عِلْمًا يَقِيْنًا مَّا بِهٖ تَوَهُّمَا
اِنَّ اَبَاكَ خَيْرُ مَنْ تَكَلَّمَا — وَهُوَ صِهْرُ لِلنَّبِيِّ الْمُكَرَّمَا
اَقْتُلُكَ الْيَوْمَ وَسَوْفَ اِنْدَمَا — وَسَوْفَ اُصْلٰى بِهِمْ جَهَنَّمَا

(ترجمہ)

(۱) میں نے آج تجھے قتل کیا۔ اور میرا النفس یقین رکھتا ہے۔ کہ مجھے وہم نہیں ہے۔ (۲) تیرا باپ بیشک بہتر تھا۔ اُس سے جیسا کہ تو نے بیان کیا۔ وہ داماد تھا۔ رسولِ مکرم کا۔ (۳) میں نے قتل کیا تجھے آج کے دن اور عنقریب نادم ہوں گا اور اس وجہ سے عنقریب جہنم میں مجھے جانا پڑیگا۔ صواعق محرقہ میں لکھا ہے۔ کہ جس وقت آپ شہید ہوئے آپ کی عمر چھپّن برس پانچ مہینہ پانچ دن کی تھی۔

شمر بداختر نے آپ کا سر ابن الزیاد اصبحی کے سپرد کیا۔ اور چاہا کہ خیام عالی مقام میں جا کر قتل و غارت کرے۔ لیکن عمر سعد نے اُسے جھڑکا اور اس فعل شنیع سے منع کیا۔

دوسرے دن عمر سعد نے اپنے لشکر کے مقتول سپاہیوں کی لاشیں جمع کیں۔ اور اُن پر نماز پڑھ کر اُن کو دفنا دیا۔ مگر جناب امام کی لاشِ پاش پاش کی کچھ پرواہ نہ کی۔ بلکہ بعض روایتوں میں ہے۔ کہ آپ کی لاش کو بیس سواران شام سے روندا ہوا پایا۔

کربلا سے اہل بیت کی روانگی کوفہ کو

تیسرے دن اہل بیت نے شہیدانِ راہ خدا کا سوئم کیا۔ اور ان کی روحوں پر فاتحہ پڑھی۔ اس کے بعد عمر سعد کے حکم سے تمام اہل بیت کو اونٹوں پر سوار کیا گیا۔ ۲۲ شہیدوں کے سر قبیلۂ ہوازن کے سرداروں کو دیئے۔ چودہ ال بنی تمیم کو دیئے۔ ۱۳ سر ابن اشعث کو سپرد کئے۔ اور چھ سر بنی اسد کو دیئے پانچ سر ایک اور قبیلے کو دیئے۔ اور بارہ سر اور لوگوں کو دے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔

جب اہل بیت جناب امام علیہ السّلام کے اونٹ قتل گاہ کی طرف سے گذرے تو محملوں میں سے شور فریاد بلند ہوا۔ حضرت زین العابدین روتے تھے اور یا ابتاہ کے نعرے بلند کرتے تھے۔

خولی آپ کا سر مقدس لیکر پہلے ہی روانہ ہو چکا تھا۔ جب کوفہ سے ایک منزل اِدھر اپنے مکان پر پہنچا تو سر مطہر کو اپنے گھر کے ایک تنور میں چھپا دیا کیونکہ اُس کی بی بی انصار سے تھی۔ اور اہل بیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بیحد محبت رکھتی تھی۔ جب شوہر کو دیکھا۔ تو اُس کی بی بی نے پوچھا کہ اے خولی تو اتنے دن سے کہاں تھا۔ وہ بولا ایک شخص یزید کا مخالف ہو گیا تھا میں اُس کی مخالفت دور کرنے کے لئے مامور کیا گیا تھا۔ وہ عورت پیشن کر حاضر ...

ہو گئی۔ اور وہ کھانا زہر مار کر کے سو رہا۔

وہ عابدہ عورت جب نماز تہجد کو اُٹھی اور کسی ضرورت سے تنور کی طرف گئی تو دیکھا کہ ایک تجلی ایک نور تنور سے جلوہ گر ہے۔ اور اُس کا گھر انوار تجلیات سے معمور ہو رہا ہے۔ اُسے سخت تعجب ہوا کہ میں نے تو تنور میں آگ بھی نہیں جلائی پھر اس میں یہ تنویر کہاں سے آئی۔ ناگہاں کیا دیکھتی ہے۔ کہ چند عورتیں وہاں آئیں۔ اور ایک سر تنور میں سے نکالا۔ اُس پر مشک و گلاب لگایا اور کافور سے اُسے دھویا۔ اور تھوڑی دیر وہاں آنسو بہا کر رخصت ہو گئیں۔ اُس انصاریہ نے جب یہ حال چشم ظاہر سے دیکھا۔ تو اُس کی حیرتیں اور بھی زیادہ ہو گئیں۔ اور وہ فوراً اُٹھ کر تنور کے پاس آئی۔ اور دیکھا تو اُسے معلوم ہوا۔ کہ تنور میں ایک سر رکھا ہوا ہے۔ چونکہ اُس نے جناب امام حسین علیہ السّلام کو اکثر دیکھا تھا۔ اس لئے دیکھتے ہی پہچان گئی۔ اور سر امام علیہ السّلام کو رو کر اپنے کلیجہ سے لگا لیا۔ اور فرط الم سے بیہوش ہو گئی۔ اسی عالم غشی میں ہاتف غیب نے اُسے آواز دی کہ اے محبّہ اہل بیت اُٹھ اور خبردار ہو کر اپنے شوہر کے ساتھ تو مواخذہ دار نہیں ہے وہ عورت تھوڑی دیر کے بعد اُٹھی اور سر امامؑ کو بعزت و تکریم کے ساتھ غسل دیا۔ اور جو خوشبویات اُسے اُس وقت میسر تھیں۔ اُن سے بسایا۔ اور ادب کے ساتھ ایک اچھی جگہ رکھ دیا۔ اور فوراً اپنے شوہر کے پاس آ کر اُسے جگایا اور پوچھا کہ اے خولی یہ تو کس کا سر لایا ہے۔ جسے تنور میں چھپایا ہے۔ ارے یہ تو فرزند رسول اللہ۔ دلبند علیؑ حضرت امام حسین علیہ السّلام کا سر ہے۔ اُٹھ اور دیکھ کہ ملائکہ آسمان سے اُس کی زیارت کو آ رہے ہیں۔ اے ملعون یہ تو نے کیا کیا۔ میں تجھ سے بیزار ہوئی۔ یہ کہا اور چادر سر پر ڈال کر گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ خولی بولا کہ اے بیوی تو کہاں جاتی ہے۔ اور میرے بچوں کو کیوں یتیم کئے جاتی ہے۔ وہ بولی کہ او ظالم تو نے فرزند رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یتیم کیا۔ اُس وقت اُن کی یتیمی اور بیکسی کا تجھے خیال نہ آیا۔ تف ہے۔ تیری

اِس بے حمیتی اور شقی القلبی پر۔ مجھے تجھ سے اور تیری اولاد سے اب کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ کہا اور گھر سے نکل کر خدا جانے کدھر چلی گئی۔ کہ لوگوں نے اُس دن کے بعد اُس عورت کو پھر کہیں نہ دیکھا +

جب صبح ہوئی تو خولی سرِ مقدس لے کر کوفہ میں پہونچا۔ اور ایک طشت میں رکھ کر سرِ امام ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ دوپہر تک دوسرے سر بھی اُس تک پہونچ گئے۔ پس ابن زیاد نے حکم دیا۔ کہ سارے شہر میں نیزوں پر رکھ کر ان سروں کو گشت کراؤ اور دشمنانِ یزید کا جو حشر ہؤا۔ وہ اہلِ کوفہ کو دکھاؤ +

بہت سے سوار اور پیادے جا بجا محلوں اور ناکوں پر مامور کر دیئے گئے۔ کہ کوئی حکومت کے خلاف شورش نہ پھیلائے۔ جب قریب ظہر حرم امام معہ سروں کے دربار ابن زیاد میں پہونچے تو اُس نے عورتوں کو الگ ایک مکان میں اُتروا دیا۔ اور سروں کو اپنے سامنے رکھا۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ جس سے وہ بار بار جناب امامؑ کے دانتوں کو لگاتا تھا۔ اور ہنستا تھا۔ بعض محبانِ رسول اللہ جو اُس وقت موجود تھے۔ اِس امر سے مانع آئے۔ اور ابن زیاد نے ۷ آدمی اُس دن بھی شہید کروا دیئے +

روایت ہے کہ جس وقت ابن زیاد بدنہاد نے اہل بیت اطہار کو قید کیا تو قید خانے میں جناب امام زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک قصیدہ اپنی مصیبت کے بیان میں تصنیف فرمایا تھا۔ جس کے بعض اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں +

اشعار حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ

اِنْ کُنْتَ یَا رِیْحَ الصَّبَا یَوْمًا اِلٰی اَرْضِ الْحَرَمْ ‏ بَلِّغْ سَلَامِیْ رَوْضَۃً فِیْہَا النَّبِیُّ الْمُحْتَرَمْ

قرآنه برهاننا نسخ الأديان مضت — إذ جاءنا أحكامه كل الصحف صار العدم
أكبادنا مجروحة من سيف هجر المصطفى — طوبى لأهل بلدة فيها النبي المحترم
يا حسرتا اسمع لنا لم كنا صف المصطفى — في كل حين قد مضى الآن ما يحصل بهم
يا مصطفى يا مجتبى ارحم على عصياننا — مجبورة أعمالنا طمعا وذنبا كالظلم
لست براج مفردا بل أقربائي كلهم — في الفقر اشفع يا شفيع بالصادقين يوم القلم
يا رحمة للعالمين أنت شفيع المذنبين — أكرم لنا يوم الحزين بالجود والحسن الكرم
يا رحمة للعالمين أدرك لزين العابدين — محبوس أيدي الظالمين في الموكب والمزدحم

شام کے وقت کوفے کے بازاروں میں نیزوں پر رکھ کر شہیدوں کے سر گشت کو نکلے جو محبان اہل بیت تھے۔ وہ اپنے گھروں میں ماتم کناں تھے۔ اور جو دشمن تھے۔ وہ بھی اس بیکسی اور بے حرمتی کو ٹھنڈے دل سے نہ دیکھ سکتے تھے۔ اور اُن کا دل بھی شہیدوں کی بیکسی پر بھر آتا تھا۔

حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں۔ کہ جس وقت سرِ امام گشت کرتا کرتا میرے مکان کے پاس آیا۔ میں کھڑکی میں موجود تھا۔ میں نے سُنا کہ اُس سر سے صاف یہ آواز آرہی تھی اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَھْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا یہ صدا جب میرے کانوں میں آئی تو میرا بدن کانپ گیا اور رونگٹا رونگٹا جسم پر کھڑا ہو گیا۔ میں نے پہچان لیا کہ ضرور یہی سر ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

ابن زیاد نے سرِ امام علیہ السّلام کو گشت سے آنے کے بعد پھر ہاتھ میں اُٹھایا۔ اور ہر ہر چیز کو بنگاہِ تمسخر دیکھتا رہا۔ لیکن وہ جب نگاہ بھر کے دیکھتا تھا۔ اُس کے جسم پر رعشہ پیدا ہو جاتا تھا۔ اور آنکھیں بند ہو جاتی تھیں۔

کوفہ سے اہل بیت کا سفر دمشق کو

جب ابن زیاد بدنہاد اپنے دل کے تمام حوصلے نکال چکا اور قیدیان ستم کو اچھی طرح دیکھ بھال چکا تو زحر بن قیس، محض بن ثعلبہ اور شمر ذی الجوشن کو حکم دیا کہ یہ لوگ تمام سروں اور قیدیوں کو ساتھ لے کر دمشق میں پہونچیں اور یزید سے میری محنت و کوشش اور حسن انتظام کی داد لیں ⁂

چنانچہ یہ قافلہ معہ سران شہدائے کربلا جو نیزوں پر رکھے ہوئے تھے۔ دمشق کو چلا۔ پانچہزار شامی سواران سوگواران غم دوست کے ساتھ تھے جس جس موضع میں یہ قافلہ جاتا تھا۔ شہیدوں کے سروں سے ایک نیا کرشمہ اور نئی کرامت ظاہر ہوتی تھی ⁂

حرّان میں

جب یہ قافلہ حرّان میں پہونچا، جو زرتشت کی پیدائش گاہ اور شام میں ایک مشہور شہر ہے۔ تو یحییٰ حرّانی اُن سروں کا تماشہ دیکھنے یا استقبال کرنے کے لئے شہر سے باہر آیا۔ جب اُس کی نگاہ سر امام علیہ السّلام پر پڑی۔ تو اُسے معلوم ہؤا۔ کہ آپ کے ہونٹ جنبش میں ہیں۔ وہ اور قریب آیا اور کان لگا کر سنا۔ اُس کے کان میں صاف آواز آئی وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ یہودی یہ ماجرا دیکھ اور سُن کر سخت متحیر ہؤا۔ اور اہل کاروان سے پوچھا کہ یہ سر کس کا ہے جواب ملا کہ حسین علیہ السّلام ابن علیؑ کا۔ پوچھا کہ باپ کا نام تو معلوم ہؤا۔ ماں کا کیا نام تھا۔ جواب دیا ان کی ماں بنت الرسول صلے اللہ علیہ وسلّم تھیں۔ جب یہ سُنا تو وہ یہودی کہنے لگا۔ کہ اگر ان کے جدِ بزرگوار کا دین سچا نہ ہوتا تو اُن کے سر سے ہرگز یہ کرامت ظاہر نہ ہوتی۔ یہ کہا اور بڑی بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھنے لگا۔ اور مسلمان ہوگیا۔ عمامہ مصری جو سر پر باندھے ہوئے تھا۔ اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے خواتین کے پاس بھجوا دیا۔ اور جامہ خزی جو پہنے ہوئے تھا۔ معہ ایک ہزار دینار کے حضرت

زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ کے پاس لے کر حاضر ہؤا۔ جب شامیوں نے اِس کو
اِس قدر فدائے اہل بیت پایا تو کہا اے یحییٰ یہ یزید کے مجرم ہیں۔ تجھے اِن کی
حمایت واعانت سے باز رہنا چاہیئے۔ ان لوگوں کے پاس سے ہٹ جا۔ اور
اپنا کام کرنے دے۔ کہ یحییٰ کو اِس بات سے غصہ آگیا اپنی تلوار منگوائی۔ اور دشمنان
اہل بیت سے برسرِ پیکار ہو گیا۔ پانچ آدمی اُس لشکر کے مار ڈالے آخر خود بھی
شہادت کے درجہ کو پہونچا۔ یحییٰ شہید کی تربت ابتک دروازہ حرّان پر
زیارت گاہ خواص وعوام ہے۔ اور آپ کی درگاہ مقبولیت دعا کیلئے مشہور ہے۔

موصل میں

جب یہ لشکر موصل کے قریب پہونچا۔ تو شمر نے اپنا ایک آدمی امیر موصل
کے پاس بھیجا۔ کہ اُس سے کہو ہم شہدائے کربلا کے سر لے کر آئے ہیں۔ تمہارے
شہر میں قیام کریں گے۔ اپنے شہر کو خوب آراستہ کرو۔ اور ہمارے استقبال کیلئے
بڑی دھوم دھام سے شہر کے باہر آؤ۔ جب وہ شخص امیر عماد الدولہ کے پاس
پہونچا۔ اور اُس کو یہ پیغام دیا۔ تو وہ بہت بگڑا اور شہر کے اکابرین کو جمع کر کے
کہا کہ خبردار کوئی شخص خوشی نہ منائے۔ اور شہر سے باہر نہ جائے۔ اور اُس آدمی
سے کہا کہ تمہارے لشکر کو شہر میں آنے کی اجازت نہیں ہے۔ تم شہر سے باہر باہر
چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ قافلہ موصل سے ایک کوس دور ٹھیرا اور وہاں سر
جناب امام علیہ السّلام کو ایک پتھر پر رکھ دیا۔ اُس پتھر پر آپ کے سر سے
ایک نقطۂ خون ٹپک کر جم گیا۔ جس کا اثر یہ ہؤا کہ ہر برس دسویں تاریخ وہ نقطۂ
خون تازہ ہو جاتا تھا۔ اور لوگ گرد ونواح سے آ آ کر وہاں جناب امام علیہ السّلام
کی رسم تعزیت کو تازہ کیا کرتے تھے۔ حکومت عبد الملک بن مروان تک وہ
پتھر وہیں نصب رہا اِس کے بعد خدا جانے کہاں کھدیا گیا۔ لیکن اب اُس جگہ ایک
گنبد بنا دیا گیا ہے اور "مشہد نقطہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ہر سال اب بھی لوگ
ماتم سادات کے لئے وہاں جمع ہوتے ہیں۔

غرضکہ اسی طرح حلب اور عسقلان کو طے کرتا ہوا یہ قافلہ دمشق پہونچا۔ جب دمشق تھوڑی دور رہ گیا۔ تو شمر نے وہاں قافلہ کو ٹھہرایا اور ایک آدمی کو اطلاع کے لئے دربار یزید میں بھیجا۔ جہاں یہ قافلہ ٹھہرا تھا۔ وہاں ایک کنیسہ تھا جب رات ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ اُس کنیسہ سے ایک ہاتھ نکلا۔ اور دیوار پر اُس ہاتھ نے یہ شعر لکھا ؎

اَتَرْجُوْا اُمَّۃٌ قَتَلَتْ حُسَیْنًا ۔۔۔ شَفَاعَۃَ جَدِّہٖ یَوْمَ الْحِسَابِ

اس شعر کو رات کے وقت دیوار کنیسہ پر چمکتا دیکھ کر شامی بہت گھبرا گئے اور جلد از جلد وہاں سے روانہ ہو کر دروازۂ دمشق پر پہنچے ؛

یزید پلید نے جب شہیدان کربلا کے سروں اور اسیران بلا کی آمد سُنی اپنے دربار کو نہایت تزک و احتشام کے ساتھ سجایا۔ اُمراؤ روساء کو بلایا طرح طرح کی مسندیں بچھائیں۔ اور محل میں کافوری شمعیں جلائیں۔ شمر معہ دو دوسرے سرداروں کے دربار میں پہونچا۔ اور شہیدوں کے سروں کو یزید کے سامنے رکھا۔ اہل بیت اطہار ایک دوسرے پردہ کے مکان میں اُتار دیئے گئے۔ یزید ایک ایک سر کو غور و مسرت کے ساتھ دیکھتا تھا۔ اور خوش ہوتا تھا اور سب کا حال مفصل دریافت کرتا جاتا تھا۔ جب تمام شہیدان کربلا کے سر دیکھ چکا تو حکم دیا کہ سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر لایا جائے۔ شمر تو ایک ہی حیلہ جو شخص تھا یہ معلوم کرنے کو کہ آیا یزید کا قاتلانِ حسین علیہ السلام کی طرف سے کیا خیال ہے بشیر بن مالک سے کہا کہ مجھ سے حسین علیہ السلام ابن علی کے سر کو آپ پیش کیجئے۔ اور خوب نمک مرچ ملا کر اس واقعہ کو یزید سے بیان کیجئے۔ بشیر بن مالک جناب امام علیہ السلام کا سر لے کر یزید کے سامنے آیا۔ اور بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ کہنے لگا ؎

اَمْلَأُ رِکَابِیْ فِضَّۃً وَذَھَبًا ۔۔۔ اِنِّیْ قَتَلْتُ الْمَلِکَ الْمُحْتَجَبَا

قَتَلْتُ خَیْرَ النَّاسِ اُمًّا وَّ اَبًا

ترجمہ (۱) میرے چار پایوں کو زر و نقرہ سے بھر دے (۲) کہ میں نے ایک بڑے بادشاہ کو قتل کر ڈالا (۳) تحقیق قتل کیا میں نے ایسے شخص کو جو بہترین خلائق تھا باعتبار مادر و پدر کے۔ یزید کو یہ کلمات سُن کر بے حد غصّہ آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ اے بشیر جب تو جانتا تھا۔ کہ حسین علیہ السّلام اس قدر برگزیدہ اور ذی مرتبہ شخص ہے تو پھر تو نے اُسے قتل کیوں کیا۔ واللہ میں تجھے کچھ انعام نہیں دے سکتا۔ بلکہ تجھے بھی وہیں پہونچانا چاہتا ہوں۔ جہاں تیرے ممدوح گئے ہیں۔ یہ کہہ کر حکم دیا کہ بشیر بن مالک کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ جلادوں نے کوشک سے باہر لے جا کر فوراً قتل کر ڈالا۔

اس کے بعد یزید اُمرائے کوفہ سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگا۔ کہ حسینؑ کو کس طرح قتل کیا۔ زہر بن قیس یا شمر ذی الجوشن نے بیان کیا۔ کہ یہ شخص مع اپنے چند رفقاء کے کربلا میں آکر قیام گزیں ہوا۔ ہم نے ہر چند کوشش کی کہ آپ کی بیعت قبول کرے۔ لیکن یہ نہ مانا آخر ہم نے اس پر حملہ کیا اور ذرا سی دیر میں بغیر کسی نقصان کے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا۔ ہمراہیان حسینؑ اور حسین علیہ السّلام کی لاشیں بے گور و کفن اب تک کربلا کے میدان میں پامال بیکسی ہو رہی ہیں۔ اور اُن سب کے سر آپ کے سامنے تحفتاً پیش ہیں۔

یزید یہ سُن کر کچھ دیر عالم سکوت میں رہا پھر بولا کہ اچھا اس کو طشت زرین میں رکھو۔ فوراً ایک سنہری طشت آئی جس میں سر امام رکھا گیا۔ یزید کے ہاتھ میں ایک بید تھا۔ اُس سے وہ جناب امام علیہ السّلام کے ہونٹوں کو چھونے لگا اور کہنے لگا کہ کتنے اچھے ہونٹ اور دانت والا شخص تھا۔ حاضرین میں سے ایک شخص بولا کہ اے یزید کیا کرتا ہے۔ بید ہٹا لے اور لبہائے حسین علیہ السّلام کی بے حرمتی نہ کر ہم نے دیکھا ہے۔ کہ جناب رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم ان ہونٹوں کو بوسہ دیا کرتے تھے۔

اسی طرح جب سمرۃ بن جندب رضؓ نے دیکھا کہ یزید بلید بید سے لبہائے

مبارک کی تضحیک کر رہا ہے تو فرمایا کہ قَطَعَ اللّٰہُ یَدَکَ یَا یَزِیْدُ اے یزید خدا تیرے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ یہ کیا کرتا ہے۔ یہ وہ ہونٹ ہیں جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہونٹوں سے مس ہوتے تھے +

یزید بولا کہ اے سمرۃ اگر تم جناب رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور دیکھنے والے نہ ہوتے تو واللہ میں ابھی تمہیں قتل کر ڈالتا۔ سمرۃ بولے کہ اے یزید یہ عجب ماجرا ہے کہ میں تو ایک صحابی ہونے کی حیثیت سے امان پا گیا اور حسین علیہ السّلام جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے خاص نواسے تھے۔ تیرے حکم سے شہید کر ڈالے گئے اس پر حاضرین دربار کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ قریب تھا۔ کہ کوئی فساد اُٹھ کھڑا ہو۔ مگر لوگوں نے سمرۃ کو باہر نکالدیا۔ اور یزید دوسری طرف مشغول ہو گیا +

اُسی روز ایک یہودی تاجر یزید کے پاس آیا تھا۔ وہ بھی اُس وقت دربار میں موجود تھا۔ سر امام علیہ السّلام کو طشت زر میں دیکھ کر پوچھنے لگا۔ کہ یہ سر کس کا ہے۔ یزید نے کہا حسین علیہ السّلام ابن علیؓ کا۔ وہ بولا اُمّ حسین علیہ السّلام کون تھیں۔ اُس نے کہا خیر النساؓ پوچھا وہ کس کی بیٹی تھیں۔ کہا جناب محمّد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی۔ یہودی نے سر ہلایا اور کہا کہ اِس حساب سے تو حسین علیہ السّلام تمہارے پیغمبرؐ کے نواسے ہوئے۔ یزید بولا کہ ہاں وہ سبط الرسولؐ تھے۔ یہودی نے کہا کہ اے افسوس ہے۔ تم پر اگر حقیقت میں تمہارے پیغمبرؐ برحق تھے۔ مجھے دیکھو کہ حضرت داؤد پیغمبرؑ کی ستّر ویں پشت میں ہوں۔ لیکن یہودی اُس نسبت سے اب تک میری تعظیم کرتے ہیں۔ تمہارے نبی صلے اللہ علیہ وسلّم ابھی کل اِس دُنیا کو چھوڑ کر سدھارے ہیں۔ تم نے آج اُن کے نواسے کو قتل کر ڈالا۔ یہودی کا یہ کلام سُن کر یزید آگ بگولا ہو گیا۔ اور جلاد کو حکم دیا کہ اِس بد زبان یہودی کو قتل کر ڈال۔ یہودی نے یہ سُنتے ہی سر امام دوڑ کر اُٹھا لیا اور کہا یا ابا عبد اللہ۔ میں آپ کا غلام ہوں اور مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر بھری مجلس میں اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھنے لگا۔ یزید نے کہا کہ او حیلہ ساز جب تو نے اپنی جان جاتی

دیکھی تو مسلمان ہو گیا۔ وہ یہودی بولا کہ اے یزید گو میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ مگر اسلام میں حسین علیہ السّلام ابن علیؑ سے زیادہ افضل نہیں ہوں۔ جب تو نے انہیں کا خیال نہ کیا تو پھر بھلا میرے مسلمان ہو جانے سے کیا ہوتا ہے۔ یزید نے جلاد کو اشارہ کیا اور اُس نے اُس نو مسلم کا سر فوراً جدا کر دیا ٭

اس کے بعد قریب شام یزید قیدیوں کی جانب متوجہ ہوا۔ اور چاہا کہ خواتین کو بلائے مگر انہوں نے سامنے آنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ یزید کو شرم آنا چاہیئے۔ کہ وہ اپنی عورتوں کو پردہ میں چھپاتا ہے اور ناموسِ رسولِؐ انام کو سرِ دربار بے پردہ بلاتا ہے۔ یزید یہ سُن کر کانپ گیا۔ اور انہیں سامنے آنے پر مجبور نہ کیا ٭

لوگوں نے حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو پیش کیا۔ پوچھا یہ کون ہے کہا کہ علیؑ بن الحسین علیہ السّلام پوچھا میں نے تو سُنا ہے کہ علیؑ بھی قتل کر دیا گیا۔ لوگوں نے کہا جناب امام حسین علیہ السّلام کے تین فرزند تھے۔ علی اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور علی اصغر رضی اللہ تعالےٰ عنہ شہید ہوئے اور یہ باقی ہیں۔ یزید نے حضرت عابد سے پوچھا کہ کیوں اے لڑکے تیرا باپ خلافت کا حقدار بن کر اُٹھا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ خطبوں میں سرِ ممبر اُس کا نام لیا جائے۔ آخر وہ اپنی سزا کو پہونچا ٭

آپ نے فرمایا کہ اے یزید یہ ممبر ہمارے باپ دادا نے دیئے ہیں۔ یا تیرے باپ دادا نے۔ خلافت ہمارے باپ دادا کو زیبا تھی۔ جو خدا کی راہ میں لڑے اور قتل ہوئے یا تیرے باپ دادا کو جو ہمیشہ شرک میں مبتلا رہے۔ خیر اب ہمارا تیرا انصاف قیامت کے دن ہو گا۔ ؎

جو چپ رہیگی زبانِ خنجر لہو پکاریگا آستین کا

یزید اس جواب سے بہت جھنجھلایا اور ایک سپاہی کو حکم دیا کہ اس لڑکے کو لیجاؤ اور اس کا سر کاٹ کے میرے سامنے لاؤ۔ سپاہی نے اُس کا ہاتھ پکڑا تو حرم حضرت حسین علیہ السّلام کی طرف سے ایک رقعہ یزید کے نام آیا۔ جس میں یہ شعر لکھا تھا ؎

اَنَادِیْکَ یَاجَدَّاہُ یَاخَیْرَ مُرْسَلٍ　　حُسَیْنُکَ مَقْتُوْلٌ وَنَسْلُکَ ضَائِعٌ

یہ شعر پڑھ کر یزید نے حکم دیا کہ حضرت زین العابدین کو چھوڑ دو۔ اور اپنے لڑکے کے پاس بیٹھنے کا حکم دیا۔

تھوڑی دیر گذری تھی۔ کہ شاہی نقارہ خانے سے نقاروں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ پسر یزید نے حضرت سجادؑ سے دریافت کیا۔ کہ یہ نوبت میرے باپ کی ہے۔ یا تمہارے باپ کی۔ حضرت عابدؑ اُس وقت تو خاموش ہو گئے۔ اور کہا کہ میں اس کا جواب ٹھہر کر دوں گا۔ جب نقارہ کی آواز بند ہو گئی۔ تو کسی قریب کی مسجد سے اذان کی آواز آئی۔ حضرت عابدؑ نے کہا اے پسر یزید یہ میرے باپ دادا کی نوبت ہے۔ جو پانچ مرتبہ دن رات میں بجتی ہے۔ تیرے باپ کا نوبت خانہ پنج روزہ ہے۔ اور یہ وہ نوبت ہے کہ قیامت تک بجتی رہے گی۔ پسر یزید خاموش ہو گیا۔ اور حاضرین دربار آپ کی فصاحت سے بہت محظوظ ہوئے!

ایسے ہی اور بہت سے سوالات یزید نے کئے۔ اور حضرت عابدؑ نے اُن کا ایسا برجستہ جواب دیا۔ کہ یزید ہونٹ چاٹتا رہ گیا۔ اور بعض اوقات اُس کے جسم پر لرزہ آگیا۔

قاتلِ حسین علیہ السلام بننے سے عام انکار

جب یزید نے جناب عابدؑ کو ہر طرح صداقت پسند اور علم و فضل میں چست پایا تو کہنے لگا کہ اپنی خواہشیں مجھ سے بیان کرو۔ میں اُنہیں پورا کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اے یزید میرے باپ کے قاتل کو مجھے دے تاکہ میں جس طرح چاہوں اُسے قتل کروں۔ دوسرے یہ کہ میرے پدر بزرگوار کا سر مجھے سپرد کر دے تاکہ اُسے بحرمت دفن کر دوں۔ تیسرے یہ کہ مجھے مع حرم امام عالی مقام اور اہلبیت کے مدینہ منورہ جانے کی اجازت دے تاکہ میں وہاں جا کر روضہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی مجاورت کروں۔ اور اپنے آباؤ اجداد کا جانشین بن کر بیٹھوں۔ چوتھے یہ کہ

جمعہ کا روز ہے میں چاہتا ہوں کہ جامع دمشق میں خطبہ پڑھوں۔ بس ان کے سوا میری اور کوئی آرزو نہیں ہے ✤

یزید نے کہا بہتر ہے۔ اُسی وقت سرداران کوفہ کو بُلا کر پوچھا کہ حسینؑ کو کس نے قتل کیا۔ لوگوں نے کہا کہ خولی بن یزید نے۔ کہا کہ خولی کو بلاؤ خولی آیا پوچھا حسینؑ کو تو نے قتل کیا ہے خولی بشیر بن مالک کا واقعہ تو دیکھ ہی چکا تھا۔ صاف انکار کر گیا۔ اور کہا کہ بھلا مجھے قتل حسین علیہ السّلام سے کیا سروکار ہے پوچھا کہ پھر حسین علیہ السّلام کو کس نے قتل کیا۔ اُس نے سنان بن انس کا نام لے دیا۔ سنان بن انس سے پوچھا تو اُس نے کہا کہ میں تو اپنے حساب قاتلانِ حسین علیہ السّلام پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اب تو یزید کو سخت غصہ آیا پوچھا تو پھر آخر قاتلِ حسین علیہ السّلام کون ہے اُس نے شمر کا نام لے دیا۔ یزید نے شمر کو بُلایا اور پوچھا کہ حسین علیہ السّلام کو تو نے قتل کیا۔ وہ کہنے لگا معاذ اللہ۔ مگر یزید نے کہا کہ سب لوگ متفق ہو کر کہتے ہیں کہ تو نے ہی امام حسینؑ کو قتل کیا ہے۔ شمر کہنے لگا کہ وہ سب بکتے ہیں۔ یزید غضبناک ہو کر اُس پر برہم ہوا تو شمر کہنے لگا۔ کہ کیا میں سچ سچ بتا دوں۔ کہ حسین علیہ السّلام کو کس نے قتل کیا ہے ✤

یزید بولا کہ ہاں میں بھی تو پوچھنا چاہتا ہوں۔ جب تجھے معلوم ہے تو پھر جلدی سے بتا کیوں نہیں دیتا وہ بولا کہ حسین علیہ السّلام کا قاتل وہ ہے جس نے قبائل عرب کو جمع کیا۔ بیت المال کے دروازے کھول دیئے۔ لشکر کو ہتھیار اور زر و مال اور انعام و اکرام دے کر نہال کر دیا۔ اور حسین علیہ السّلام کا قاتل وہ ہے۔ جس نے لوگوں کو اُن کے قتل پر اُبھارا اور آپ چین سے محلوں میں بیٹھا رہا۔ یزید نے جو دیکھا کہ پانی مرتا ہے کہنے لگا کہ بس چلے جاؤ۔ ورنہ میرے غیض و غضب کی بجلیاں ہم گرا کر تمہیں ابھی خاک سیاہ کر دیں گی ✤

دوسرے دن جمعہ تھا۔ جناب سید الساجدین حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نماز کے لئے جامع دمشق میں تشریف لے گئے۔ یزید نے اپنے وقار کا کچھ خیال نہ کیا۔ اور ایک شامی خطیب کو حکم دیا کہ خطبہ پڑھے۔ خطیب نے ممبر پر

بیٹھتے ہی آلِ سفیان کی تعریف کے دفتر کھول دیئے۔ اور جناب علیؑ اور جناب امام عالی مقام کی مذمت میں زبان کھولی۔ اور یزید کا حق خلافت کے لئے جتانے لگا۔ حضرت عابد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب یہ لغو بیانی سُنی تو طاقتِ برداشت نہ رہی اور فرمایا یَاشَامِیْ بِئْسَ الْخَطِیْبُ الْقَوْمِ اَنْتَ۔ یعنی اے شامی تو اِس قوم کا بدترین خطبہ خوان ہے۔ کہ قوم کی خوشامد کو خدا کی مرضی پر ترجیح دیتا ہے۔ اور حق کو چھپاتا ہے پھر یزید سے فرمایا کہ کل جو تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ اُسے وفا کر اور مجھے اجازت دے کہ ممبر پر خدا اور اُس کے رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق خطبہ پڑھوں۔ یزید نے کہا ممبر پر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ جو کچھ کہنا ہے یہیں کھڑے ہو کر کہدو۔ مگر شرفائے شام کھڑے ہوئے اور درخواست کی کہ ہمیں نوائے حجاز سُننے کا بیحد اشتیاق ہے۔ سُنا ہے کہ حجازی بڑے فصیح و بلیغ ہوتے ہیں۔ یزید نے کہا کہ اے اہل شام یہ ایک ہاشمی نوجوان ہے۔ جو فصاحت و بلاغت میں اپنے خاندان کی یادگار ہے۔ مجھے خوف ہے کہ ممبر پر جاکر یہ آلِ سفیان کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ اور بنی اُمیّہ کو نہ کوس بیٹھے لیکن اکابرین کوفہ نے کہا کہ یہ ایک کمسن لڑکا ہے بھلا یہ کیا کہہ سکتا ہے۔ اجازت دیجیے کہ ممبر پر جاکر خطبہ پڑھے۔ اور ہمیں اپنے جدّ امجد کے طریق پر وعظ سُنائے ؛

جب مسلمانانِ شام کا اصرار حد سے زیادہ گذرا تو مجبوراً یزید نے اجازت دی۔ اور حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ بسم اللہ کہہ کر اُٹھے اور ممبر پر جاکر رونق افروز ہو گئے ؛

حضرت عابدؓ کا خطبہ جامع دمشق میں

ممبر پر بیٹھ کر پہلے آپ نے خدا کی تعریف کی پھر نعتِ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں گوہر افشانی فرمائی۔ اور اُن کے مراتب جتائے۔ اِس کے بعد خلفائے رسُولؐ کی ثنا میں رطب اللسان ہوئے اور فرمایا کہ اے اہل شام جانو اور آگاہ ہو کہ میں خاندانِ

نبوت کا چراغِ افسردہ ہوں ۔ اور گلزارِ امامت کی لُٹی ہوئی بہار ہوں ۔ میں اُس کا فرزند ہوں ۔ جو خاتم الانبیا، محبوبِ خدا ہے ۔ جس کے سر پر لَولاکَ لَمَا کا تاج رکھا گیا ہے ۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس پر قرآن مجید نازل ہؤا ۔ اور جس کی ظلمتوں میں اُجالا کر دیا ۔ میں اُس کا فرزند ہوں ۔ جو بُراق پر سوار ہو کر معراج کی رات عرش پر پہونچا ۔ اور مرتبۂ قَابَ قَوسَینِ اَوْ اَدنیٰ سے ممتاز ہؤا ۔ میں اُس کا فرزند ہوں ۔ جس کی شان میں وَ رَفَعنَا لَکَ ذِکرَکَ آیا ہے ۔ اور میں اُس کا فرزند ہوں ۔ جس کا اسلام تمام عالم پر نور بنکر چھایا ہے ؎

اَنَا ابنُ الرَّسُولِ المُختَارِ اَنَا ابنُ المُصطَفٰے سَیِّدِنَا الاَخیَارِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ ۔ شہر یارِ ختنگاہِ لَافَتیٰ میرے جدِ بزرگوار ہیں ۔ اور میں اُن کا پوتا ہوں جنکی شان میں جناب رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے اَنَا مَدِینَۃُ العِلمِ وَ عَلِیٌّ بَابُہَا فرمایا ہے ۔ جو مظہرِ عجائب والغرائب ہے ۔ اور جس کا نام علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے +

میں مظلومِ کربلا، بیکس و مایوسِ تمنا ، تشنہ لب بیابانِ امید ، سیّد الشہداء حضرت حسین علیہ السّلام کا لختِ جگر ہوں ۔ جو بھوکے پیاسے کربلا کی تپتی ہوئی زمین پر بے جرم و بے قصور شہید ہوئے ۔ جن کے سر نیزوں پر چڑھائے گئے ، جن کے گھوڑوں کی کونچیں کاٹی گئیں ۔ اور جن کی لاش پاؤں سے رُندوائی گئی +

میں اُس شہیدِ ستم کی یادگار ہوں ۔ جو نبیؐ کا نواسا کہلاتا تھا ۔ جسے خدا کا رسولؐ اپنے کاندھے پر چڑھاتا تھا ۔ جو بے یار و مددگار اپنی قوم کے ہاتھ سے قتل کر ڈالا گیا ۔ اور جس کے عزیز و اقارب پر ہر ممکن ظلم توڑا گیا +

میں اُس مسافرِ تشنہ لب کا نورِ نگاہ ہوں ۔ جس کے حرمِ محترم ابن زیاد کے قیدی بنائے گئے ، جو پردہ کیلئے ترستے ہوئے پھٹے پُرانے محملوں میں بٹھائے گئے ۔ جو کوفہ کی گلیوں میں تماشہ بنا کر پھرائے گئے ۔ اور جن کی بے حرمتی کے استقبال میں شام و عراق کے شہر سجائے گئے ۔ محلوں میں گھی کے چراغ جلائے گئے +

راوی لکھتا ہے کہ آپ یہاں تک پہونچے ہی تھے ۔ کہ مسجد میں شور فریاد بلند

ہوا، یوں تو لوگ بہت پہلے سے رو رہے تھے۔ مگر اب یہ آواز بلند واحسنیاہ کی نعرے مارنے لگے۔ اور مسجد میں ایسا شور برپا ہوا کہ دمشق کے ہر محلے میں اُس کی آواز پہونچی۔ یزید بہت گھبرایا اور سوچا کہ مبادا میرے لئے یا میری حکومت کے لئے کوئی برائی ہو۔ موذن کو حکم دیا کہ اذان کہے موذن فوراً کھڑا ہو گیا۔ جس وقت اُس نے کہا اَللّٰہُ اَکْبَرُ جناب سید الساجدین نے فرمایا نَعَمْ لَاشَیْءَ اَکْبَرُ مِنْہُ موذن نے کہا اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ امامؑ بولے نَعَمْ شَہِدَ بِھَا لَحْمِیْ وَشَعْرِیْ وَدَمِیْ وَبَشَرِیْ جب موذن نے کہا اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُوْلُ اللّٰہِ آپؑ نے فوراً عمامہ سر اقدس سے اُتار ڈالا۔ اپنی زلفیں پریشان کر دیں۔ اور فرمایا کہ اے موذن میں تجھے اصلی محمد الرسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی قسم دلاتا ہوں ذرا ٹھہر جا۔ وہ خاموش ہو گیا تو آپ نے یزید سے فرمایا۔ کہ اے یزید یہ محمد الرسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے جد بزرگوار تھے یا تیرے۔ اگر تو کہے کہ میرے تھے۔ تو جھوٹ ہے اور غلط ہے ساری دُنیا جانتی ہے کہ یہ میرے جد معظم تھے، اِس لئے کہ میں علی ابن حسینؑ ہوں جب یہ سچ ہے اور مسلّم ہے تو پھر تجھے کس بات نے اُبھار کر جناب حسین علیہ السّلام کے قتل پر آمادہ کیا۔ جو بہترین عترت رسول اللہ تھے۔ اُن کی مخدرات کو قید اور مجھے یتیم کیوں کیا۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنے پیرہن پاک کا دامن و گریبان چاک کر ڈالا اور زار زار رونے لگے پھر لوگوں سے فرمایا۔ کہ اے اہل شام کیا میرے سوا آج یہاں اور ساری دنیا میں کوئی شخص ہے۔ جس کے جد بزرگوار جناب محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہوں۔ لوگوں کا یہ حال تھا۔ کہ چیخیں مار مار کے روتے تھے۔ اور فرش مسجد سے سر پھوڑتے تھے۔ یزید کانپنے لگا۔ اور کھڑا ہو کر موذن سے کہنے لگا۔ کہ اقامت کہہ۔ موذن نے اقامت کہی اور لوگ چارو ناچار نماز کیلئے کھڑے ہو گئے۔ بعد نماز لوگوں کے چہروں پر نہایت گہرے حزن و ملال کے آثار دیکھ کر یزید نے اُن کے خیالات کی اصلاح کے لئے اہل شام کے روبرو شمر اور تمام اکابر کوفہ کو بُلایا اور کہا کہ "اے کوفیو تم پر لعنت ہے۔ کہ تم نے جناب امامؑ

کو قتل کر ڈالا۔ اگر تم اونہیں میرے پاس زندہ لے آتے تو میں ضرور اُن کی اطاعت کر لیتا لعنت ہے ابن مرجانہ پر کہ اُس نے ایسے فعل شنیع کا ارتکاب کر کے مجھے شام و عراق میں بدنام کیا۔ میں تم لوگوں سے سخت ناخوش ہوں"۔ یزید کے یہ کلمات صرف حیلتاً اور مصلحتاً تھے۔ اِس لئے کہ لوگوں کا خیال اُس کی طرف سے بدل گیا تھا۔ اور وہ اُسے بُرا بھلا کہنے لگے تھے۔ ورنہ جو شخص قتلِ امام علیہ السّلام کا خود محرک ہو بھلا وہ اپنے افعال و اعمال کی تردید اِس طرح کیونکر کر سکتا ہے۔

راوی لکھتا ہے۔ کہ اہل بیت ایک پردہ کے مکان میں فروکش تھے۔ اُن میں جناب امام عالی مقام کی ایک چہار سالہ لڑکی تھی۔ جسے قتلِ امام کی کسی نے خبر نہیں دی تھی۔ وہ اکثر اپنی ماں اور پھوپھی سے دریافت کیا کرتی تھی۔ کہ یا اُمیِّ اَینَ اَبِیْ اے اماں میرے ابا کہاں ہیں۔ وہ کوئی حیلہ کر دیا کرتی تھیں۔ اور کہدیتی تھیں کہ کسی کام سے گئے ہوئے ہیں۔ آتے ہوں گے۔ ایک دن اُس معصومہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے باپ کی گود میں بیٹھی ہوئی ہے۔ اِس کے بعد اُس کی آنکھ کھُل گئی تو جناب حسین علیہ السّلام کو کہیں نہ پایا۔ رونے لگی۔ اور باپ کے لئے بیقرار ہونے لگی۔ اہل بیت نے ہر چند تسلی دی مگر اُسے تسکین نہ ہونی تھی نہ ہوئی حتیٰ کہ یزید کی آنکھ کھُل گئی اور گھبرایا ہوا اپنے محل سے نکل آیا۔ اور ایک خادمہ کو بھیج کر دریافت کیا کہ اہل بیت کو کیا تکلیف ہے اور رونے کی آواز کیوں آرہی ہے۔ خادمہ نے جا کر سبب شور و فغاں دریافت کیا تو خواتین عرب نے کہا کہ یہ معصوم بچی اپنے باپ کو یاد کر کے رو رہی ہے۔ اور اُن کے فراق میں پریشان ہو رہی ہے۔ خادمہ نے یہ اطلاع یزید کو پہونچائی اُس نے فوراً جناب امام علیہ السّلام کا سر ایک سُنہری طبق میں رکھوا کر بعزت و احترام خادمہ کے ہاتھ اہل بیت کے پاس بھجوا دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ اُس لڑکی کو یہ سر دکھا دو شاید کچھ تسکین ہو۔

جب وہ سر طبق میں رکھا ہوا اُس معصومہ کے سامنے آیا تو اُس نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ بیبیوں نے کہا یہ وہی ہے جس چیز کو تم طلب کرتی ہو۔ اُس لڑکی نے

جونہی سرپوش اُٹھایا دیکھا کہ اُس کے ناز بردار مظلوم باپ کا سر طشت میں رکھا ہؤا ہے بے اختیار ہو کر چپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ کبھی اُن کے منہ سے اپنا منہ ملتی تھی۔ کبھی اُس سر مقدس کو چھاتی سے لگاتی تھی۔ غرضکہ اسی حالتِ اضطرار میں وہ لڑکی وفات کر گئی۔ اب بھلا اہل بیت کی بیقراری و اضطراب کا کیا پوچھنا تھا بے اختیار ہو کر رونے لگے۔ تعزیت شہید کربلا اہل بیت میں تازہ ہوگئی۔ اور اپنی مصیبتوں کا خیال دل میں چٹکیاں لینے لگا۔ یزید کو جب اِس سانحۂ ہوشربا کی خبر ہوئی تو پیام تعزیت اہل بیت تک پہونچایا۔ اور افسوس کرنے لگا۔ غرضکہ اسی غم و الم میں رہائشِ دمشق کی مدت ختم ہوگئی ؛

یتیموں اور بیواؤں کا قافلہ

دمشق سے مدینے کو

جب اہل بیت اطہار کو دمشق میں رہتے کئی دن ہو گئے تو یزید نے اُن سب کو کپڑے دیئے۔ اور زاد راہ خرچ اپنے سے دلایا۔ اور نعمان بن بشیر کو معہ تیس سواروں کے مقرر کیا۔ کہ اہل بیت اطہار کے ساتھ مدینۂ منورہ روانہ ہوں اور باحترام و آرام اِن لوگوں کو مدینہ تک پہونچا دیں۔ حضرت امام زین العابدین شہیدوں کے سر لیکر دمشق سے معہ اہل بیت روانہ ہوئے۔ اور ۲۰ ماہ صفر کو کربلا پہونچے بعض سروں کو وہاں دفنایا اور جد اطہر جناب امام عالی مقام کا بعد غسل و کفن کربلائے معلےٰ میں دفن کیا گیا۔ سر امام عالی مقام کے متعلق راویوں میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں۔ کہ یزید نے جناب امام کا سر حضرتِ عابد کو دے دیا تھا۔ اور اُنہوں نے کربلا میں جدِ اطہر کے ساتھ دفنا دیا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یزید نے جناب امام حسین علیہ السّلام کا سر بعد میں بھیجا تھا۔ جو جنت البقیع مدینہ میں حضرت خیر النساء رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مزار مبارک کے پاس دفن کیا گیا ؛

ایک روایت کے مطابق دمشق کے جامع اموِیہ کے اندر اور ایک اور روایت کے

مطابق القاہرہ جامع حسینین میں آپ کا سر مبارک دفن ہے واللہ اعلم بالصواب ۔

مسجد امویہ واقعہ دمشق میں ایک مقام جس کا فوٹو اس کتاب میں دیا گیا ہے۔ مسجد راس سیدنا الحسین کے نام سے موسوم ہے۔ مسجد امویہ کے باہر امام ہمام کا سر لٹکایا گیا تھا۔ اور بعدہ صندوق میں رکھ کر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حوالے کیا گیا۔ وہ الماری یا دریچہ جہاں مسجد کے اندر سر مبارک دمشق کی جامع امویہ میں رکھا گیا اس کی عمارت میں داخل ہونے سے پہلے دیوار پر یہ شعر منقوش ہے ؎

لی خمسۃ اطفی بھا شر الوبا الحاطمہ
لمصطفےٰ والمرتضیٰ وابناھما والفاطمہ

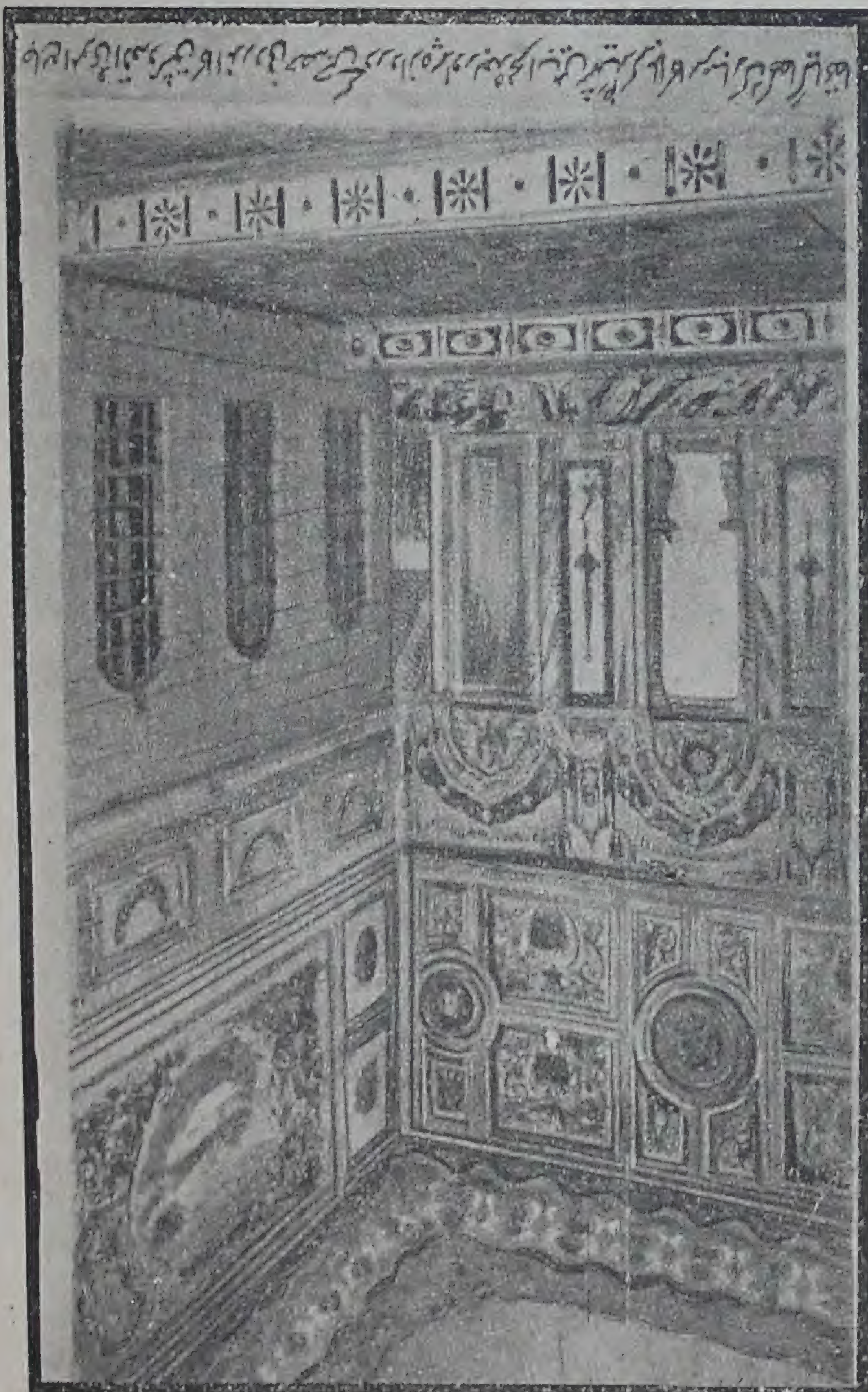
اندر ایک دالان ہے۔ جس میں بہت سے خوبصورت کتبے پنجتن کے نام کے آویزاں ہیں ایک کتبہ یہ ہے ؎

ادلجہ معامیتہ لکل غم وحزن
حُبّ نبیؐ وعلیؓ وحسینؓ وحسنؓ

مسجد کے اندر وہ مقام ایک طرف واقع ہے۔ جہاں سر مبارک مدفون بتایا جاتا ہے۔ اس میں ایک خوبصورت کٹہرا لگا ہوا ہے۔ جس کے اوپر ایک خوبصورت گنبد ہے اس پنجرے یا کٹہرے میں سنہری حرفوں میں لکھا ہے!

مرقد راس سیدنا الامام ابی عبداللہ الحسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ ۔

اس اندرونی گنبد یا مسجد میں سنہری حرفوں میں چھت کے قریب اوّل یہ حدیث لکھی ہے۔ عن ابن عباس اذ جاء ایۃ لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ سئل عن رسول اللہ من ھولاء الذین حب المودۃ علیہ قال علی و فاطمہ وابناھما د فی المسند لامام احمد یعنے ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ جب یہ آیت آئی کہ میں تم سے اجرت نہیں چاہتا۔ مگر محبت تمام اقربائی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جن کی محبت واجب کی گئی فرمایا علیؓ و فاطمہؓ اور ان کے دونوں فرزند اس کے بعد طریقہ سنت جماعت کے مطابق دیگر احادیث فضیلت حسنین میں لکھی ہیں



چھت گنبد کے قریب نہایت خوبصورت سُنہری حرفوں میں قل ھو اللہ لکھی ہے۔ اور دیوار کے چاروں طرف ائمہ اثنا عشر کے نام لکھے ہیں۔ اور سر مبارک کے مرقد پر نہایت قیمتی کپڑے پڑے ہیں +

القاہرہ (مصر) میں شہر کے عین وسط میں ایک بہت بڑی عالیشان عمارت واقع ہے۔ جس کو جامع سیدنا الحسین یا مسجد راس سیدنا الحسین کہتے ہیں (اس کا فوٹو بھی کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے) بعض روایات کے مطابق یہاں اہل بیت کے بعض افراد نے سر مبارک دفن کیا۔ اس مسجد کے بازاروں میں جو چاروں طرف ہیں۔ تین طرف سے دروازے ہیں۔ عمارت میں صحن نہیں اور کرسی صرف ایک فٹ بلند ہے۔ غالباً دور زمانہ سے سڑک بلند ہو گئی ہوگی۔ مسجد میں نہایت ہی قیمتی سُرخ قالین بچھے ہیں۔ اور کتبے نہایت خوشخط۔ جھاڑ فانوس لگے ہیں۔ پنجتن کے نام اور احادیث فضائل امام حسین علیہ السّلام لکھی ہوئی ہیں۔ مسجد کا طول یا ہر کے حصہ کا یعنے جو روضہ سے جدا ہے۔ ۷۰ گز۔ اور عرض ۳۵ گز۔ ہے اس میں ۴۵ ستون ہیں۔ صفائی بہت ہے۔ مسجد کے اندر سے گذر کر ایک خوبصورت گنبد آتا ہے۔ جس کے اندر سُنہری کام نہایت خوبصورت بنا ہوا ہے۔ اس کے وسط میں ضریح ہے۔ جہاں سر امام حسین علیہ السّلام مدفون بتایا جاتا ہے۔ عورت و مرد ہر وقت آتے ہیں۔ ضریح کو بوسہ دیتے ہیں۔ اور اس کے چاروں طرف طواف کرتے ہیں۔ اکثر ضریح کے سامنے مراقبے میں بیٹھتے ہیں۔ اکثر مردوں کو بھی یہاں ضریح کا طواف کرا کر پھر جنازہ پڑھتے اور دفن کرتے ہیں +

اس گنبد کی تیاری میں کئی لاکھ روپیہ صرف ہوا ہے۔ اس میں قالین کا نہایت قیمتی فرش بچھا ہے۔ اور چاروں طرف برج کے اہل بیت و حضرت سرور کائنات صلعم و امام حسین کی تعریف میں بحروف زرین اشعار لکھے ہیں +

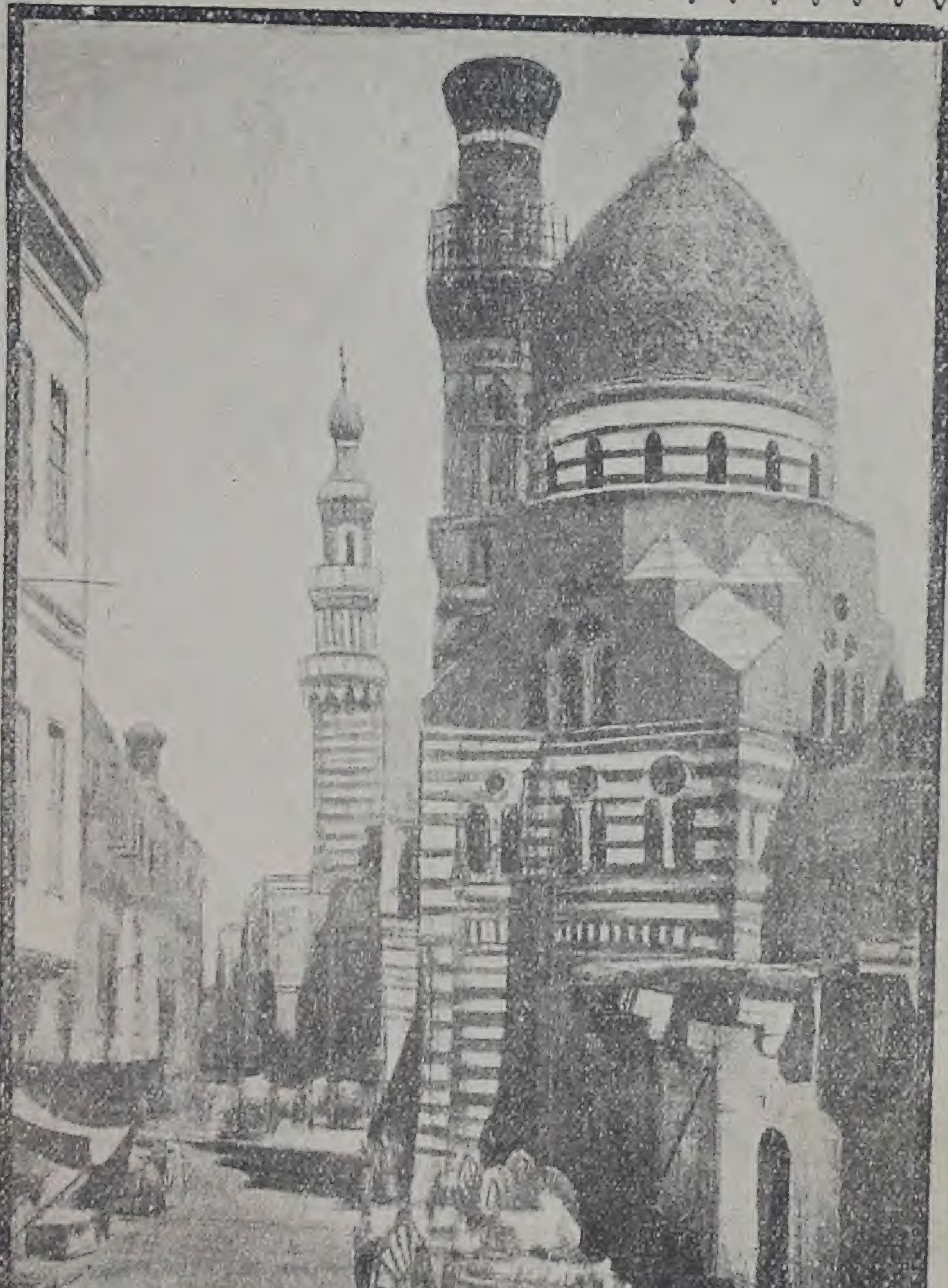
میں نے (خاکسار محمد الدین ایڈیٹر صوفی پنڈی بہاؤالدین) جنت البقیع۔ دمشق اور یہاں تمام مقدس مقامات کی زیارت کی ہے۔ جس میں امام حسین علیہ السّلام کا سر مبارک

دفن ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن جو رقت اور درد اور بے خودی قاہرہ میں مدفن سر مبارک میں مجھ کو ہوئی وہ کسے اور جگہ طاری نہ ہوئی ۔

غرضکہ نعمان بن بشیر کی معیت میں یہ قافلہ مدینہ منورہ پہونچا۔ جب مدینے والوں کو خبر ہوئی کہ اہل بیت رسول اللہ دمشق سے مدینہ منورّہ کی طرف واپس آرہے ہیں چھوٹے اور بڑے بچے جوان اور بوڑھے عورتیں اور مرد سب کے سب دروازہ مدینہ سے استقبال کے لیئے باہر نکل آئے۔ جب عابدؑ بیمار پر نظر پڑی۔ اور اہل بیت کی بیکسانہ حالت کو دیکھا۔ تو سب کی آنکھوں سے دریائے خون اُبل پڑا اور مدینہ میں گویا قیامت صغریٰ بپا ہوگئی۔ کوئی زبان ایسی نہ تھی۔ جس پر فریاد نہ ہو۔ اور کوئی ہاتھ ایسا نہ تھا۔ جو سینہ کوب نہ ہو۔ لوگ بے اختیاری میں روتے تھے۔ اور اپنے بال نوچتے تھے۔ کوئی حضرتِ عابدؓ کو گلے لگاتا تھا۔ کوئی اہل بیت کے قدم چومتا تھا۔ اور کوئی دخترِ بیمار امامِ مظلوم کو سینے سے لگا کر شیون کرتا تھا۔ غرضکہ یہ بیکسوں اور یتیموں کا قافلہ مدینہ کے بازار میں ہوتا ہوا سیدھا جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے روضۂ منورہ پر پہونچا۔ وہاں پہونچکر حضرت زین العابدین رضؓ مچھلی کی طرح تڑپے مرغ بسمل کی طرح لوٹے اور روضۂ رسول کے سامنے کھڑے ہوکر اس طرح عرض کرنے لگے ۔

فریادِ سجادؓ روضۂ رسولؐ پر

ناناجان آپکے خاندان کے یتیم آئے ہیں۔ اپنی یتیمی اور بیکسی کی فریاد لائے ہیں۔ ان کے سینوں میں ٹوٹے ہوئے اور دُکھے ہوئے دل ہیں۔ ان کی آنکھوں میں خشک شدہ مگر خون آلود آنسو ہیں۔ یارسول اللہ ذرا خوابِ ناز سے اُٹھیئے اور اپنے اہل بیت کا حالِ زار دیکھیئے مسافرانِ کوفہ کی حالت پر توجہ فرمایئے۔ آپ کی اُمت نے اور آپ کا کلمہ پڑھنے والوں نے آپکے فرزندوں کے ساتھ خوب سلوک کیا۔ یارسول اللہ آپکے نواسے کو ہم کربلا کے جنگل میں ںکھو کے آئے ہیں۔ اور اُن کے دلبندوں کو کوفہ



جامع سیدنا حسینؓ شہید کربلا واقعہ القاہرہ مصر (مدفن سر)

گے بیابان میں پامال کر کے حاضر ہوئے ہیں۔ یا رسول اللہ اپنے بیکس اور بھوکے پیاسے مرنے والے کا سلام قبول فرمائیے۔ آپ کے روضہ کے مجاوروں پر شام کے مسلمانوں نے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ اُن کی خواتین پر ظلم کئے۔ انہیں قید میں رکھا اور کوفہ کی گلیوں میں انکی تشہیر کی۔ یا رسول اللہ ہمیں خون بہا دیجئے کہ ہم شہید ستم کی داد لینے آئے ہیں۔ قسم ہے اِس مسجد کے اونچے اونچے میناروں کی اور آپ کے سبز گنبد کی کہ آپ حسین علیہ السلام کے جس گلے کو بوسہ دیا کرتے تھے۔ اُس کو ہم نے اپنی آنکھوں سے خنجر فولاد چلتے دیکھا ہے۔ قسم ہے اِن جالیوں کی حسینؑ کے جن ہونٹوں سے آپ اپنے ہونٹھ ملتے تھے، اُن پر یزید کو ہم نے بید لگاتے دیکھا ہے۔ قسم ہے آپ کی عزت و عظمت کی جس سینے کو آپ اپنے سینے سے لگاتے تھے۔ ہم نے اُس پر شمر کو بے ادبی کے ساتھ سوار دیکھا ہے جو حسینؑ آپکے کاندھوں پر سوار ہوتے تھے۔ وہ آج کربلا کے سنسان جنگل میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور کوئی اُن کی قبر پر مجاور بھی نہیں ہے۔ یا رسول اللہ ہم سب گردش تقدیر کے ستائے ہوئے ہیں۔ سنیئے اور سن رکھیئے کہ قیامت کے دن آپ بھی ہماری بیکسی یتیمی اور بے حرمتی کے گواہ رہیں"۔

حضرت سجادؑ کی فریاد سُن کر جنابہ ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا اپنے حجرہ سے نکل آئیں۔ آپ کے دستِ مبارک میں خاکِ کربلا سے بھرا ہوا شیشہ تھا۔ جو حسب پیشین گوئی رسول مقبول خون سے لبریز ہو گیا تھا۔ اہل بیت دوڑ کر اُن سے گلے ملے۔ اور جس طرح کوئی اپنی مادر مشفقہ سے مل کر روتا ہے رونے لگے۔ روضہ منورہ پر ایک حسرت ناک کہرام برپا تھا۔ در و دیوار سے حسرت ٹپک رہی تھی۔ ام سلمہؓ اہل بیت کو تلقین صبر فرماتی تھیں۔ مگر فرط غم و الم سے خود بھی روتی جاتی تھی۔ کہتے ہیں کہ مدینے میں اُس روز ایسا ماتم برپا تھا۔ جیسا کہ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن مدینہ کی گلیوں میں لوگوں نے دیکھا تھا۔

یوں بھی غربت میں کوئی بیکس و ناشاد نہ ہو
بیوطن ہو کے کوئی یوں و بیداد نہ ہو
دشمنوں نے نہ کیا رحم نبیؐ زادوں پر
بجلیاں کیوں نہ گریں ٹوٹ کے جلادوں پر
سیدوں پر کوئی اس طرح ستم کرتا ہے
یہ نیا ظلم نیا جور نہیں تو کیا ہے
حشر تک یاد دلوں سے نہ کبھی جائیگی
آنکھ اس غم میں لہو روئے گی برسائیگی
ہوں سلام آپ پر اے سید مظلوم حسینؑ
رحمتیں آپ پہ ہوں بیکس و مغموم حسینؑ
استقامت اسے کہتے ہیں یہی جذبِ وفا
سر دیا آپ نے ۔ لیکن نہ دیا ہاتھ اپنا
نہ دیا ساتھ زمانے میں دغا والوں کا
ہے طریقہ یہی تسلیم و رضا والوں کا
آپ کی روح منور پر سلام اور درود
آپ کی تربتِ اطہر پہ سلام اور درود

یزید کا ظلم مزید

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا

خدائے تعالےٰ جلشانہ و عم نوالہ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔ کہ تحقیق وہ لوگ جو ایذا دیتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کو لعنت کی اُن پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں اور وعدہ کیا اُن کے لئے عذابِ سخت کا۔ اِس آیہ شریفہ کے مواعید و آثار علی الخصوص دشمن اہل بیت اطہار یزید پلید کے حالات سے منطبق ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ کمبخت ہوس ملک گیری اور طمع ناموری میں ایسا اندھا ہوا کہ اُس نے اہل بیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت کے ساتھ تمام بدسلوکیاں روا رکھیں اور انہیں طرح طرح کی ایذائیں دیگر تکلیف پہونچائی ۔ اس کا ثبوت کہ عترت رسولؐ کو ایذا دینے سے خدا اور اُس کے رسولؐ کو کیا ایذا ہوئی ۔ کشاف کی اس حدیث سے ملتا ہے ۔ کہ حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حرام ہے جنت اُس شخص پر جو میرے اہل بیت پر ظلم کرے ۔ اور میری اولاد کو ایذا پہونچائے ۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ خدا کا سخت ترین غضب اُس پر ہے جس نے مجھ کو ایذا دی بہ سبب ایذا دینے میری اہلبیت کے۔ نیز ایک حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ جس نے مدینے کے رہنے والوں کو ایذا پہونچائی۔ اُس پر خدا کے فرشتوں اور تمام دُنیا والوں کی طرف سے لعنت ہے۔ پس اِن نصوص قاطعہ اور حجج ساطعہ کی بنا پر یزید جس نے اہل بیت اطہار کو ایذا پہونچا کر جناب رسولؐ مقبول کا دل دکھایا ہے بیشک سزاوار لعنت و نفرین ہے۔ اور اُسی کے ساتھ اُس کے مددگار مثلاً ابن زیاد بدنہاد، شمر بداختر، خولی اور دوسرے ملاعین بھی سزاوار لعنت ہیں۔ جنھوں نے یزید کے حکم ماننے اور سادات پر خنجر اور نیزے تانے۔ اِس پاداش میں انھیں کیا سزا ملی اِس کا حال آگے چل کر معلوم ہوگا۔

یزید نے نہ صرف یہی ظلم کیا کہ جناب امام حسین علیہ السّلام اور اُن کے رفقا انصار اور فرزندوں کو اپنے حکم سے قتل کروایا، اُن کے سروں کو نیزوں پر چڑھوایا۔ یا دمشق کے دروازوں پر لٹکوایا۔ اور لبہائے مُبارک کے ساتھ بے ادبی کی، بلکہ بعد شہادت امام مظلوم مسلم بن عقبہ کو بارہ ہزار فوج دے کر مدینہ منورہ کے تاراج کرنے کو روانہ کیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ مکّہ معظمہ کے برباد کر ڈالنے کا بھی حکم دے دیا۔ مسلم عقبہ تین دن تک مدینہ میں قتل و غارت کرتا رہا۔ اور مدینے والوں کو سخت تکلیفیں پہونچائیں۔ سات سَو صحابی قریشی اور تمام مدینے کے مرد و زن اور بچے ملا کر قریباً دس ہزار آدمی شہید کر ڈالے گئے۔ عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ اُن کے ناموس پر حملے کئے گئے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا گھر لوٹ لیا۔ مسجد نبوی کے ستونوں سے گھوڑے باندھے گئے۔ اور لید وغیرہ نجاستوں کی وجہ سے تین روز تک وہاں نماز نہیں ہوئی۔ اور قتل و غارت برابر جاری رہا۔

پھر مکّہ معظمہ کو منجنیق سے سنگسار کیا۔ تمام صحن کعبہ پتھروں سے بھر گیا۔ اور مسجد الحرام کے ستون ٹوٹ گئے۔ غلاف خانہ کعبہ کا جلا دیا گیا۔ اور کعبہ مکرمہ کے

دروازے جلتی ہوئی آگ میں ڈالے گئے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

یہ نہیں بدبخت اور سیاہ قلب یزید کی کارگذاریاں اور سیہ کاریاں جن کے ارتکاب کے لئے اُس نے عنانِ خلافت اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ اور جناب امام حسین علیہ السّلام کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا ؛

وہاں تو خداوند کریم کا یہ حکم ہوتا ہے کہ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ؕ

یعنی جس کسی نے قتل کیا کسی مسلمان کو عمداً پس اُس کا بدلہ دوزخ ہے۔ ہمیشہ رہے گا۔ اُس میں۔ اور غضب اللہ کا اُس پر اور لعنت ہے۔ اُس پر اور تیار ہے۔ اُس کے لئے عذاب عظیم۔ اور اِدھر یہ حال کہ ارادہ کر کے ہزاروں مسلمانوں کو تہ تیغ کیا جا رہا ہے۔ خاص عترتِ رسول اللہ پر ہاتھ صاف ہو رہا ہے۔ اور وہ بھی صرف اِس وجہ سے کہ وہ ایک فاسق فاجر بدکار زناکار اور شرابی کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کرتے رہے۔ پس جب ایسے شخص پر خدا لعنت بھیجتا ہے۔ تو وہ دنیا میں کہاں تک قابلِ نفرین و لعنت نہیں ہے ؛

گو ہمارے علما فرماتے ہیں کہ تم اُن لوگوں پر لعنت نہ بھیجو۔ اِس لئے کہ وہ مسلمان تھے۔ اور ایک ایسی بات کرنا جس سے نہ جواب ہو نہ عذاب فضول و بے کار ہے۔ تاہم اُس کی بیداد دیکھتے ہوئے اور اُس کی شقاوت و ناخدا ترسی پر نظر ڈالتے ہوئے جی نہیں مانتا کہ اُس پر لعنت کی بوچھار نہ کی جائے۔ ہم تو انہیں مسلمان کہنے سے بھی شرماتے ہیں۔ اور منتظر ہیں۔ کہ خدا حشر کے دن اُن کا کیا انصاف کرتا ہے۔ اور اُس وقت جبکہ تمام شہدائے کربلا اپنے سر ہاتھوں پر لئے ہوئے۔ خونیں کفن پہنے ہوئے اپنا خون بہا مانگتے میدان عرصات میں آئیں اُن کی داد کس طرح دی جاتی ہے

شفق نہیں ہے کہ گردوں پہ ہوتا ہے ظاہر
یہ کشتہ ہے گنہ کا لہو ہے

شہدائے کربلا کے اسمائے مبارک

امام حسینؑ ۱
برادر ۵
برادر زادہ ۴
فرزند ۲
برادر زادہ ۲
؍؍ ۳
۱۷

جو خاص بندے تھے اُن کے اُنہوں نے دنیا میں شہید ہو کر مزے عمر جاوداں کے لیے
ہم یہاں اُن تمام شہداء کے نام لکھتے ہیں۔ جو یکے بعد دیگرے میدان کربلا
میں خنجر ستم سے شہید ہوئے۔ اور جن کی بیکسی پر آسمان و زمین برسوں روتے رہے۔
سید الشہداء جناب امام حسینؑ علیہ السلام ابن حضرت علیؑ کرم اللہ ابن ابی طالب
حضرت عثمانؓ ابن علی۔ حضرت عباسؓ ابن علی۔ حضرت محمدؓ ابن علی۔ حضرت جعفرؓ ابن
علی۔ حضرت عبداللہ ابن علی۔ حضرت قاسم ابن حسن۔ حضرت عبداللہ ابن حسن
حضرت عمر ابن حسن۔ حضرت ابوبکر ابن حسن۔ حضرت علی اکبرؓ ابن حسینؓ۔ حضرت
علی اصغر ابن حسینؓ۔ حضرت محمدؓ بن عبداللہ بن جعفر۔ حضرت عون بن عبداللہ بن جعفر۔
حضرت عبداللہ بن عقیل۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عقیل۔ حضرت جعفر بن عقیل۔
یہ اٹھارہ حضرات اہل بیت اطہار سے تھے۔ اور اُنہیں میں سے حضرت مسلم ابن عقیل
اور اُن کے دونوں صاحبزادے حضرت ابراہیم و محمدؓ بھی تھے۔ جو کوفے میں ہنگامہ
کربلا سے پہلے شہید ہوئے۔ رضوان اللہ تعالٰے علیہم اجمعین۔

اعوان و انصار کی فہرست یہ ہے۔ جو آپ کے ساتھ معرکہ کربلا میں شہید
ہوئے۔

حضرت حر بن یزید الریاحی۔ حضرت مصعب بن یزید الریاحی۔ برادر حر۔
حضرت علی ابن حر۔ حضرت عروہ غلام حر۔ حضرت زہیر بن حسان اسدی۔
حضرت عبداللہ بن عمر۔ حضرت بریر بن حصیر ہمدانی۔ حضرت وہب بن
عبداللہ الکلبی۔ حضرت عمرو بن خالد ازدی۔ حضرت خالد بن عمرو ازدی۔
حضرت سعد بن حنظلہ تمیمی۔ حضرت عمرو بن عبداللہ مذحجی۔ حضرت عمار بن انس
حضرت وقاص بن مالک۔ حضرت شریح بن علیہ۔ حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی۔

۱ ماخوذ از تاریخ کامل ابن اثیر جلد چہارم صفحہ ۲۴ مطبوعہ مصر۔

ابن مسلم بن عوسجہ اسدی۔ حضرت بلال بن نافع بجلی۔ حضرت عبداللہ یزنی۔ یحییٰ بن سلیم مازنی
حضرت عبدالرحمن بن عروہ غفاری۔ حضرت مالک بن انس۔ حضرت عمرو بن مطاع الجعفی
حضرت قیس بن مینہ۔ حضرت ہاشم بن عتبہ بن وقاص۔ حضرت حبیب بن مظاہر۔
حضرت حرہ۔ حضرت یزید۔ ابن مہاجر جعفی۔ حضرت انیس بن معقل اصبحی۔ حضرت عابس
بن شیشاکری۔ حضرت حجاج بن مسروق جعفی۔ حضرت سیف بن حارث بن سریع۔
حضرت مالک بن عبداللہ بن سریع۔ حضرت حنظلہ بن سعد عجلی۔ حضرت یزید بن
زیاد العشبہ۔ حضرت سعید بن الحنفی۔ حضرت خبادہ بن حارث۔ حضرت عمرو بن خبادہ
حضرت مرۃ بن ابی مرۃ غفاری۔ حضرت محمد بن مقداد۔ حضرت عبداللہ بن ابی دوجانہ
حضرت سعد بردۂ جناب علیؑ۔ حضرت قیس بن ربیع۔ حضرت اشعث بن سعد۔
حضرت عمرو بن قرظہ۔ حضرت عظمہ۔ حضرت حماد۔ وغیرہم رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین۔

وہ اٹھارہ شہدا جو اہل بیت اطہار سے تھے سید الشہدا کے مزار کی پائیں جانب سب ایک گڑھے میں دفن کر دیئے گئے ہیں۔ اور اُن کے مزار الگ الگ نہیں بنائے گئے ہیں۔ لیکن حضرت عباسؓ کا مزار اُن کی شہادت گاہ پر جو غاضریہ کے راستہ میں واقع ہے۔ بنایا گیا۔ اور وہ اب تک زیارت گاہ خواص و عوام ہے ÷

اُن کے علاوہ جو انصار و اعوان جناب سید الشہدا معرکۂ کربلا میں کام آئے اُن کے مزاروں کا کہیں نشان نہیں ہے۔ نہ اُن کے جائے وقوعے کا کسی کتاب میں حوالہ دیا گیا ہے۔ البتہ بعض کتب صحیحہ میں لکھا ہے۔ کہ جملہ شہدائے کربلا کے لئے ایک دیوار محاصرہ کی گئی تھی۔ جس میں گنج شہیداں بنا دیا گیا تھا۔ اِس احاطہ میں بعض قبریں جناب امام علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے بھی بنائی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب ÷

غرضکہ یہ لوگ راہِ خدا میں کام آ کر قیامت تک کے لئے اپنے نام روشن کر گئے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

انجام ستم

وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ط

بھلا یہ کیونکر ہو سکتا تھا۔ کہ ایک قوم اتنا بڑا ظلم کرے۔ اتنے بڑے خاندان کی تباہی کا باعث ہو۔ اور خدا اُس پر قہر و غضب نازل نہ فرمادے۔ کہتے ہیں کہ خدا کے گھر میں دیر ہے مگر اندھیر نہیں ہے۔ لیکن دشمنان حسین علیہ السّلام کی پاداش میں نہ اندھیر ہوا نہ دیر ہوئی۔ اِس لئے کہ بہت تھوڑی مدت میں اہل بیت کے دشمن طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہو کر دُنیا سے ہمیشہ کے لئے نار سقر میں مقیم ہو گئے +

وہ لوگ سمجھتے تھے۔ کہ ہم اہل بیت کو ستا کر اور اُن کے سرداران قبیلہ کو قتل کر کے اِن کی بنیاد کو دور کر دیں گے۔ لیکن قدرت اُن کے اِس ارادے پر ہنستی تھی۔ اور کہتی تھی۔ کہ اے ظالمو تم جس قدر چاہو ظلم کر لو۔ تمہارے ظلم کرنے سے تو فطرت کا منشائے مجوزہ پورا ہو رہا ہے۔ اِس سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر یاد رکھو کہ آخر تم نیست و نابود ہو جاؤ گے اور اسلام اپنی سچی صداقت و خلافت کے ساتھ دنیا میں پھیلتا چلا جائے گا ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اُتنا ہی پھر اُبھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

جس وقت ظالموں نے فرزند اِن رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو شہید کیا ہے۔ اُن کی بیکسی اور بے بسی زبانِ حال سے کہہ رہی تھی۔ کہ اے دشمنو تم جس قدر چاہو ستا لو اور اپنے دل کے حوصلے نکال لو۔ لیکن یاد رکھو کہ ایک دن یہ بیگناہوں کا خون

رنگ لائے گا۔ اِس بحرِ خون سے جو چنگاریاں پیدا ہوں گی وہ تمہارے خرمن آرام و عیش اور اسباب غفلت و نخوت کو جلا ڈالیں گی۔ اور تم بھی ایک دن ہم سے زیادہ مجبور ہو کر جان دو گے ؎

یہ مانا کہ آج خنجر مرا گلو بھی نہیں رہے گا
مگر میں قاتل کی او ستمگر ہمیشہ تو بھی نہیں رہے گا

پس یہی ہوا کہ مظلوموں کی آہیں اور یتیموں کی فریادیں۔ بالا بالا نہ گئیں۔ خدا نے فرزندانِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے دُنیا میں بھی عوضِ صُوری لے لیا۔ اب قیامت میں بھی اُن سے مواخذہ ہو گا۔ اور وہ "خَسِرَ الدُّنیَا وَالآخِرَۃ" کے قانون بدیہی کی رُو سے وہاں بھی معنوی صورت میں ذلیل کیئے جائیں گے۔

باختلافِ روایات اکثر کتب سیر میں لکھا دیکھا ہے کہ شہادت جناب امام عالی مقام سے پہلے شفق کا رنگ اِس قدر گہرا سُرخ نہ ہوتا تھا۔ مگر جس دن سے جناب امام علیہ السلام شہید ہوئے اُسی دن سے شفق کے رنگ میں خُونیّت زیادہ ہو گئی۔ اور آجتک یہی معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک دریائے خون ہے۔ جو آسمان پر موآج ہے۔ یا ایک شیشہ خونین ہے۔ جو چادر نیلگون میں ڈھکا ہوا رکھا ہے

اب حقیقت ہوئی سُرخی شفق کی معلوم
شیشہ چرخ میں خاکِ شہدا رکھی ہے

ہم دُنیا کی روزانہ زندگی میں دیکھتے ہیں کہ جو ظلم کرتا ہے۔ وہ ضرور سزا پاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے۔ کہ مال و دولت یا شخصیت اُس کی حمایت کر کے اُسے کچھ دن کے لیئے پاداشِ ظلم سے بَری رکھیں۔ مگر آخر کار ایک دن اُسے سزا ضرور بھگتنی پڑتی ہے۔ اِس بنا پر یہ کس طرح ممکن تھا۔ کہ حکومت یزید ایک اتنا بڑا ظلم کرے۔ اور اُس کے اثر سے بَری رہے۔ شہیدانِ وفا کی روحیں قاتلانِ پر جفا کے پاس راتوں کو عالمِ خواب میں آتی تھیں۔ اور پوچھتی تھیں بِاَیِّ ذَنبٍ قُتِلتَنِی" (ہمیں تو نے کس قصور پر قتل کیا ہے) ؎

یہ آج کیا جانئے کس کو مارا سمجھ کے قاتل نے کشتنی ہے
کہ اُس کے کوچہ میں شورِ محشر بِاَیِّ ذَنبٍ قُتِلَت ہے

ظالموں کی حیا فروشس آنکھوں میں یہ خوابِ پریشان اکثر نشتر مارتا رہتا تھا۔ اور وہ حیران و سراسیمہ ہوکر راتوں کو اُٹھ اُٹھ بیٹھتے تھے۔ اُن کے دل ابن شقاوت سے اتنے گہرے سیاہ ہو گئے تھے۔ کہ رائی کے دانے کی برابر نیکی اور خدا ترسی کے لئے جگہ باقی نہ رہی تھی۔ دولت مندی اور عشرت گزینی کی بڑھی ہوئی خواہشوں نے اُن کی آنکھوں پر غفلت کی پٹی باندھ دی تھی۔ اور اُنہیں دُنیا و درہم کی سُنہری دُھوپ میں شبِ تاریک گناہ کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔ لیکن جب دھوپ ڈھل گئی۔ آفتابِ عشرت و اقبال لبِ بام ہوگیا۔ اور ندامت کی گھٹاؤں نے چاروں طرف سے عراق و شام اور کوفہ کو گھیر لیا۔ اور غضب و جلال الٰہی کی آندھیاں چاروں طرف سے اٹھنے لگیں۔ تو اُنہوں نے دیکھا کہ وہ جس راستہ پر چل رہے تھے۔ حقیقت میں ایک تاریک تر راستہ تھا۔ جس میں قدم قدم پر کنویں تھے۔ اور اُن میں عقوبت کا پانی بھرا ہوا تھا۔ گام گام پر گڑھے تھے۔ وہ عشرتِ مستعار سے خس پوش کر دیئے گئے تھے۔ چپّے چپّے پر آتش خانے تھے۔ جن کو فانوسِ غفلت اور دیوارِ ناحق شناسی نے حائل ہوکر اپنے محیط میں چھُپا رکھا تھا۔ کبھی کبھی اِس تاریکی میں اُن کی آنکھیں صداقت و حقیقت کی روشنی چمکتی ہوئی دیکھتی تھیں۔ مگر وہ بے بصیرت اِسے نظر کی کمزوری اور نگاہ نیرنگی سمجھتے تھے۔ اور بمصداق خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اُن کے دل احساسِ حقیقت سے، اُن کے کان کلمۂ صدق سے، اور اُن کی آنکھیں نظارۂ واقعیّت سے بالکل محروم تھیں۔ مگر شہیدوں کا خون کوٹھوں چڑھ کر پکار رہا تھا۔ کہ میں ایک دن ضرور رنگ لاؤں گا ؎

پنداشت ستمگر کہ جفا بر ما کرد
برگردنِ او بماند و بر ما بگذشت

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔ کہ جناب امام کے قاتلوں اور اہل بیت رسول اللہ کے دشمنوں پر خدا نے بہت جلد اپنا قہر و غضب نازل کیا۔ اور جن لوگوں نے اس شنعیت میں اعانت کی تھی۔ وہ بھی دُنیا میں باالآخر برباد اور نامُراد و ناشاد رہے÷

چنانچہ کنز الغرائب میں حضرت سدّیؒ سے روایت ہے۔ کہ ہم لوگ ایک دن بیٹھے ہوئے جناب امام مظلومؑ کے واقعات بیان کر رہے تھے۔ اور ظالمانِ کوفہ کے استبداد و بیداد کا تذکرہ تھا۔ ہمارے پاس ایک خارجی بھی بیٹھا تھا۔ جب ہم میں سے کسی نے کہا کہ جناب امام حسین علیہ السّلام کی شہادت کی خبر سُن کر دنیا میں کوئی ایسا نہ تھا۔ جو خوش ہوا ہو اور اُس پر قہرِ خدا نازل نہ ہوا ہو۔ وہ خارجی ہنس کر بولا کہ یہ غلط ہے۔ کہ میں عراق میں حسین علیہ السّلام سے خوش ہوا اور دیکھو کہ صحیح و تندرست تمہارے سامنے بیٹھا ہوں۔ یہ سُن کر ہم سب خاموش ہو گئے۔ ناگاہ وہ جس چراغ کے پاس بیٹھا تھا۔ اُس میں سے ایک شرار پیدا ہوا اور اُس خارجی کے کپڑوں میں آگ لگا دی۔ ہر چند کہ اُس نے بجھانے کی کوشش کی لیکن بے سود ہوئی۔ ہم لوگ اُس کا یہ حال دیکھ کر ڈرے اور اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ جلتا بھلستا بھاگا۔ اور شدتِ سوزش سے ایک ندّی میں جو پاس ہی جاری تھی گر پڑا۔ مگر غضب الٰہی نے اُسے وہاں بھی پناہ نہ دی اور ندّی کے پانی نے مٹی کے تیل کا اثر دکھایا۔ ہم سب دیکھتے تھے۔ کہ شعلے اُس کے جسم سے بلند ہیں اور اُس کی ہڈیاں اور گوشت و پوست جل رہا ہے۔ ہم سب کو بڑی عبرت ہوئی اور توبہ استغفار کرنے لگے÷

جس شخص نے بعد شہادت جناب امام علیہ السّلام کا سر اپنی فتراک میں باندھا تھا۔ وہ بدنصیب نہایت خوبصورت اور صاحبِ جمال آدمی تھا۔ مگر واقعۂ شہادت کے بعد اُس کی صورت بگڑتی چلی گئی۔ اور بدصورتی بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ سخت کریہہ المنظر ہوگیا۔ لوگوں نے اُس سے اس بدصورتی کا سبب پوچھا وہ بولا کہ کیا بتاؤں جس روز سے میں نے سرِ امام کے ساتھ بے ادبی کی ہے۔ اُس روز

سے معمول ہوگیا ہے کہ روز دو شخص آتے ہیں اور مجھے پکڑ لے جاتے ہیں۔ پھر مجھے اوندھا لٹکا دیتے ہیں۔ اور میرے سر کے نیچے ایک بہت بڑا آتش کدہ ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر مجھے یہیں پہونچا دیتے ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ میرا حال تباہ اور رُو سیاہ ہے۔ وہ شخص جب تک جیا اسی عذاب میں مبتلا رہا +

شہادت جناب امام حسین علیہ السلام کے بعد آپ کا عمامہ جابر بن یزید اُزدی نے اپنے سر پر رکھ لیا۔ تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ فوراً مخبوط الحواس ہوگیا۔ اور دیوانہ وار بھاگنے اور بکنے لگا۔ یہانتک کہ اُس کے پاؤں میں زنجیریں ڈالی گئیں اور قید خانے میں اُسے قید کر دیا گیا۔ جس سے اُس نے ذلت وخواری کی موت کے بعد رہائی پائی +

اسی طرح جعونہ حضرمی نے آپ کا پیراہن مبارک پہنا تو کوڑھی ہو گیا۔ عبد الرحمٰن بن حصین نے آپ کی قمیض پہنی تو وہ بھی مبروص ہوکر مرا۔ اسود بن حنظلہ نے آپ کی تلوار اُٹھالی تھی۔ تو عمر بھر مبتلائے جذام رہا۔ مالک بن سیار نے جناب امام علیہ السلام کا جوشن اُٹھالیا تھا۔ تو وہ دیوانہ ہوگیا۔ اور بعض دشمنانِ اہل بیت کا مُنہ سُور کی مانند ہوگیا تھا +

حُرملہ بن کاہل جس نے حضرت اصغر رحمۃ اللہ علیہ کے تیر مارا تھا۔ اِس مرض میں گرفتار ہوا کہ اُس کے پیٹ کی طرف کمالِ حرارت سے ہر وقت سوزش رہتی تھی۔ اور پیٹھ کی طرف کمالِ برودت سے سخت سردی لگتی تھی۔ اِس لئے سامنے سے اُسے پنکھے جھلے جاتے تھے۔ اور پیچھے آگ جلائی جاتی تھی۔ پیاس اِس قدر تھی۔ کہ ہر وقت پانی پیتا تھا۔ مٹکے کے مٹکے اُس کے پیٹ میں سمائے چلے جاتے تھے۔ مگر اُس کی پیاس نہ بجھتی۔ آخر ایک دن اُس شقی کا پیٹ پھٹ گیا۔ اور وہ واصل جہنم ہوا +

اب یزید کا حال سنئیے کہ وہ ظالم شقی چونکہ اِس جدال وقتال کا محرک تھا۔ اِس لئے تمام عمر قسم قسم کے مصائب میں مبتلا رہا۔ اور اُس سے بدعات منہیات کا

ارتکاب ہوتا رہا۔ بعد شہادت امام علیہ السّلام تین برس سات مہینے ۱۵ ربیع الاوّل ۶۴ھ ہجری کو جس دن کہ اُس کے ساتھی اور اُس کے سرداران لشکر مکہ معظمہ کی بے حرمتی کر رہے تھے۔ جہنم میں داخل جہنم ہوا۔ کہتے ہیں کہ وہ اس زمانہ میں بظاہر عیش و طرب میں مصروف رہا۔ لیکن اُس کے دل کو کبھی حقیقی خوشی حاصل نہیں ہوئی۔

جب اُس کا بیٹا تختِ حکومت پر بیٹھا تو پہلے دن اُس نے منبر پر جا کر خطبہ پڑھا۔ تمام اہل عراق و شام موجود تھے۔ اور بڑے بڑے اکابر حاضر دربار تھے۔ پسر یزید نے بعد حمد خدا اور نعت جناب مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کہا کہ اے مسلمانوں مسئلہ خلافت ایک نہایت عظیم الشان اور اہم مسئلہ ہے۔ ہر شخص اس منصب کے لائق نہیں ہوسکتا۔ یہ منصب حقیقت میں خلفائے جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو سزاوار تھا۔ میرے دادا امیر معاویہ بن ابو سفیان ناحق جناب علی کرم اللہ وجہ سے لڑے۔ اور اسی طرح میرا باپ یزید بلاوجہ جناب امام حسین علیہ السّلام سے برسر پرخاش ہوا۔ اور محض حکومت و خلافت کی ہوس رانیوں میں خاندانِ نبوت کو تباہ کر ڈالا۔ میں خوب جانتا ہوں اور جو لوگ حق پسند اور منصف ہیں۔ وہ بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ کہ جناب امام علیہ السّلام کو شہید کرنا بڑی بے حمیتی اور گناہ تھا۔ خدا قیامت کے دن قاتلانِ امام سے ضرور مواخذہ لے گا۔ اور دُنیا میں بھی انہیں سزا ملی۔

میرے باپ نے نہ صرف اولاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو برباد کر کے بد ترین شقاوت حاصل کی۔ بلکہ اُس نے شراب کو مباح ٹھیرایا۔ زنا اور اغلام کو جائز کر دیا۔ بہن کا نکاح بھائی کے ساتھ کرنا روا رکھا۔ مکہ معظمہ کی بے حرمتی کی۔ مدینۃ الرسول میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ غور کرو کہ یہ تمام باتیں ایک ایسے شخص سے جو خلافت و نیابت اسلام کا دعویدار تھا سرزد ہوئیں۔ کیا یہی شان خلافت ہے اور کیا اسی کو حاصلِ نیابت کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ میرا باپ ۳۹ برس کی عمر میں جبکہ وہ ہنوز جوان تھا۔ طرح طرح کے مصائب میں گرفتار ہو کر

دُنیا سے سدھارا۔ اب اُس کا ناپاک تخت، اُس کی بدسرشت حکومت، میرے کس کام کی ہے۔ میں اُس تخت پر کیا بیٹھوں جس پر بیٹھ کر فرزندانِ رسول اللہ صلعم کے قتل کا حکم دیا گیا۔ میں اُس حکومت کا کیا کروں جس میں بدعات و منہیات کا سلسلہ قصرِ حکومت سے ادنیٰ سپاہیوں کے دروازوں تک جاری رہا۔ اور جو فرزندانِ رسولؐ کی بربادی و تباہی کا باعث مانی گئی ؞

میرے سامنے اِس عارضی و مستعار سلطنت و حکومت کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔ نہ میں چاہتا ہوں۔ کہ خاندان نبوّت کے سامنے اپنی خلافت کے دعاوی پیش کروں۔ اور اولاد ابوسفیان میں سے جس کا جی چاہے وہ حکومت لے اور تخت پر بیٹھے ؞

یہ کہہ کر پسر یزید ممبر سے اُتر کر گھر میں چلا گیا۔ اور پھر تمام عمرِ باقی خدا کی یاد میں گذار دی۔ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

جب مختار بن عبید حاکم کوفہ ہوا تو اُس نے حکم دیا کہ جو لوگ معرکۂ کربلا میں شریک تھے وہ سب حاضر کئے جائیں۔ کئی سو آدمی پکڑ پکڑ کر حاضر لائے گئے اُس نے اُن سب کو قتل کرا دیا۔ حفص ابن عمر سعد جب آیا تو اُس سے پوچھا کہ تیرا باپ کہاں ہے۔ وہ بولا کہ گھر پر بیکار پڑا ہے۔ مختار نے کہا کہ وہ حکومتِ رے اور طبرستان وطہران کی سلطنت کیوں چھوڑ بیٹھا جس کے لئے اُس نے اِس قدر شقاوت پر کمر باندھی تھی۔ اگر اُسے گھر ہی میں بیٹھنا تھا۔ تو اُس وقت کیوں نہ بیٹھا جبکہ یزید علیہ ما علیہ نے فرزندان رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل و غارت کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ تاکہ عذاب دُنیا و عقبیٰ سے نجات پاتا۔ حکم دیا کہ عمر سعد کو گرفتار کر کے لاؤ۔ جب وہ ظالم آیا تو اُسے نادم و پشیمان کرنے کے بعد معہ اُس کے لڑکے کے قتل کر ڈالا اور ان دونوں کے سر کاٹ کے محمدؐ بن حنفیہ کے پاس بھیج دیئے۔ اِدھر اُس نے حکم دیا کہ قاتلان امام عالی مقام میں سے اور اُن لوگوں میں سے جو معرکۂ کربلا میں شریک تھے جو لوگ جہاں ملیں بغیر پوچھے

اُن کے سر اُڑا دو مختار ابن عبید ثقفی کے اِس حکم نے تمام کوفہ میں ہل چل ڈالدی اور لوگ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ مگر جو جہاں ملا قتل کر ڈالا گیا ⁂

اِس کے بعد مختار نے شمر ذی الجوشن کو تلاش کیا۔ اور اپنے غلام زربی کو اُس کی جستجو کے لئے روانہ کیا۔ زربی معہ چند دوسرے لوگوں کے شمر کے مکان پر پہونچے معلوم ہوا کہ وہ بھاگ کر کہیں چلا گیا ہے۔ یہ بھی اُس کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ ایک مقام پر دیکھا کہ شمر معہ بہت سے ساتھیوں کے مقیم ہے۔ جب اصحاب الشمر کے کانوں میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں آئیں تو وہ گھبرائے اور شمر سے کہا کہ یقیناً کوئی ہماری گرفتاری کے لئے آرہا ہے۔ یہ کہا اور سب تر بتر ہو گئے۔ اکیلا شمر رہ گیا۔ جس کو مختار کی سپاہ نے آتے ہی گرفتار کر لیا۔ شمر ان سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گیا لیکن ایک شخص عبدالرحمٰن ابن ابی الکنود نے ایسا تان کے شمر کے نیزہ مارا کہ وہ زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اور اُسی وقت ہلاک ہو گیا۔ مختار کے لوگوں نے اُس کا سر کاٹ لیا۔ اور اُس کی لاش کو گھوڑوں سے روندوایا۔ پھر کتوں کے آگے ڈالدیا۔ اور سر لے کر مختار کے پاس آئے ⁂

اِس کے بعد مختار نے عمرو ابن الحجاج کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اور اُس کے گرفتار کرنے کو ایک جماعت روانہ ہوئی۔ جب وہ ایک جنگل میں پہونچی تو دیکھا کہ عمرو بن الحجاج دم سادھے ہوئے مُردوں کی طرح ایک جگہ پڑا ہوا ہے۔ اور زبان منہ سے باہر نکلی ہوئی ہے۔ پوچھا کہ کیا حال ہے۔ اُس نے اشاروں سے کہا کہ تین دن سے پانی حلق میں نہیں پہونچا ہے۔ شدتِ تشنگی سے لبوں پر جان آرہی ہے۔ میرے ساتھ جس مشک میں پانی تھا۔ وہ خود بخود چھلنی ہو گئی۔ اور تمام پانی بہہ گیا۔ کسی شخص نے رحم کھا کر پانی کے دو چار قطرے اپنے پاس سے اُس کے حلق میں ٹپکائے۔ مگر جونہی پانی کی بوندیں اُس کے حلق میں پہنچیں حلق میں ایک سوراخ ہو گیا اور وہ بوندیں باہر نکل آئیں۔ اُس وقت مختار کے آدمیوں میں سے ایک نے کہا کہ اے عمرو بن الحجاج دیکھا اپنی شقاوت و سیہ کاری کا نتیجہ۔ تو نے حضرت عباسؑ کے مشکیزہ میں چھید

گئے تھے۔ یہ اُس کا بدلہ ہے۔ کہ آج تو بھی ایک قطرہ آب کو ترس رہا ہے۔ اور تیر سے خلق و شکم زرہ میں چھید ہو رہے ہیں۔ یہ کہا اور ایک شخص نے تلوار کا وار کیا۔ اور سر کاٹ کے مختار کے پاس لے گئے۔ لاش کو وہیں جلا دیا۔ مختار بن عبید نے عہد کیا تھا۔ کہ جب تک قاتلانِ امام علیہ السّلام کو چن چن کر قتل نہ کر ڈالوں مجھے بستر سے پیٹ لگانی حرام ہے۔ اِس لئے وہ رات دن اسی فکر میں مصروف رہتا تھا اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے قاتلان امام علیہ السّلام اور دشمنانِ اہل بیت کو گرفتار کرتا تھا۔ اور اُنہیں بڑی بڑی سختیوں اور تکلیفوں کے ساتھ قتل کروا ڈالتا تھا۔ چنانچہ عمرو بن الحجاج کے بعد اُس نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ حبیب، قیس، بشیر اور اسود کو گرفتار کر کے لاؤ۔ یہ سب لوگ تلاش کر کے مختار کے سامنے لائے گئے۔ مختار نے اُن سے پوچھا کہ اے ناخدا ترسو! بتاؤ اب اُس بدسلوکی اور بے ادبی کی تمہیں کیا سزا دی جائے جو تم نے جناب امام علیہ السّلام کے ساتھ روا رکھی تھی۔ وہ بولے کہ مختار ہم پر رحم کرو ہم اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ مختار نے کہا کہ اے گنہگارو اُس وقت تمہارے پتھریلے دل کیوں نہ پگھلے۔ جب نبیؐ کے نواسے نے تم سے رحم و امن کی درخواست کی۔ آج اپنے جسموں کو پنجۂ اجل میں گرفتار دیکھ کر رحم کی درخواست کرتے ہو۔ میں تمہیں ہرگز زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔ پھر اپنے اہل لشکر کو حکم دیا کہ جس طرح انہوں نے مظلوم شہید کربلا کی بے حرمتی کی تم بھی اُسی ذلت و بے حرمتی کے ساتھ ان کو قتل کرو۔ لوگ دوڑ پڑے اور چاروں کو بڑی ایذا دہی کے ساتھ قتل کر کے اُن کی لاشیں برہنہ کر کے جنگل میں پھینکدیں +

اِن سے فارغ ہو کر مختار نے حمل ابن مالک اور عبداللہ ابن امیہ کو گرفتار کر لانے کا حکم دیا۔ ان سنگدل اور سیاہ القلب کوفیوں کے متعلق روایت ہے۔ کہ جب جناب امام علیہ السّلام شہید ہو چکے تو لشکر عمر سعد میں سے کسی نے کہا کہ خیر جو ہوا سو ہوا آؤ اب سبط الرسول کے جنازہ پر نماز تو پڑھ لیں۔ یہ سُن کر اِن دونوں ظالموں نے اُس کا سر کاٹ ڈالا اور کہا کہ او حسین علیہ السّلام کے حامی تو دشمن یزید کا

حمایت لیتا ہے۔ غرضکہ یہ دونوں ظالم بھی حاضر ہوئے۔ اور مختار نے انہیں بھی قتل کرا دیا +

اِس کے بعد مختار ابن عبید نے حکم دیا کہ اب خولی ابن یزید کو لاؤ۔ خولی نے جب اپنی گرفتاری کی خبر پائی تو اپنے مکان کے ایک تہہ خانے میں چھپ گیا۔ مگر لوگوں نے اس کے گھر کا چپہ چپہ چھان مارا اور اُسے ڈھونڈھ نکالا۔ گرفتار کر کے مختار کے سامنے لائے۔ مختار نے کہا کہ یہ وہ شخص ہے کہ سر امام کو نیزے پر چڑھا کر اہل بیت کے سامنے لایا تھا۔ اور انہیں آٹھ آٹھ آنسو رلایا تھا۔ اسے قتل کرو اور اُس کا سر بھی نیزے پر چڑھا کر اُس کے بچوں کے سامنے لے جاؤ اور تمام کوفے والوں کے دکھاؤ۔ فوراً حکم مختار کی تعمیل کی گئی +

حضرت مختار بن عبید ان ظالموں کو قتل کرواتے تھے۔ مگر اُن کا دل ٹھنڈا نہ ہوتا تھا۔ اور کہتے تھے۔ کہ واللہ اگر میں شام کے ایک ایک شخص کو قتل کر دوں تو بھی امام مظلوم کے خون کے ایک قطرہ کا بدلہ بھی پورا نہ ہو +

پھر اُس نے حکیم ابن طفیل کی گرفتاری کا حکم دیا۔ جس نے جناب امام عالی مقام کی پیشانی پر تیر مارا تھا۔ جب وہ حاضر ہوا تو حکم دیا کہ اس کے چہرہ پر اتنے تیر مارو کہ یہ ظالم مرجائے حکم کی تعمیل کی گئی۔ حکیم چلا اُٹھا۔ اور فریاد کرنے لگا۔ مختار ابن عبید نے کہا کہ اے ظالم غور کر ایسی ہی تکلیف سبط الرسولؐ کو بھی اُس وقت ہوئی ہوگی۔ جبکہ تو نے اُن کے چہرۂ مبارک کو تیر سے زخمی کیا۔ مختصر یہ کہ حکیم ابن طفیل تیروں کی بارش میں مرگیا +

بہت سے ظالم اِس سخت گیری کی خبریں سُن سُن کر خود ہی خودکشی کر گئے۔ مختار ابن عبید نے اُن کے گھروں کو منہدم کرا دیا۔ اور اُن کے خاندانوں کو برباد کر ڈالا +

پھر ان تمام لوگوں کے قتل و غارت سے فارغ ہو کر مختار ابن ابو عبید نے اپنے سردار لشکر حضرت ابراہیم بن مالک اشتر کو بلایا اور کہا کہ اے ابراہیم میں نے حتی الامکان تمام دشمنانِ اہل بیت سے بدلہ لے لیا ہے اب صرف ابن زیاد بدنہاد سے بدلہ لینا باقی ہے جو اِن سب کا سردار اور ظلم و ستم کا بانی تھا۔ تم ایک فوج جرار لیکر فوراً موصل جاؤ اور اُس سے مقابلہ کر کے اُس کا سر کاٹ لاؤ +

چنانچہ ابراہیم بن مالک اُشتر ایک لشکر لے کر موصل پہنچے جب۔ عبید اللہ ابن زیاد کو خبر پہنچی تو وہ کئی ہزار مردان نبرد آزما اپنے ساتھ لے کر مقابلہ کے لئے نکلا۔ دونوں لشکروں میں بے حد کشت و خون ہوا۔ مگر اب ظالموں کی ہزیمت کا وقت آچکا تھا۔ اور وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُوْ انْتِقَام کا ثبوت دشمنانِ اہل بیت کو مل چکا تھا۔ ابراہیم کو فتح حاصل ہوئی اور لشکر ابن زیاد شکست کھا کر بھاگ گیا۔

ابراہیم بن اُشتر جب اپنے خیمہ میں آئے تو کہا کہ واللہ میں نے آج ایک شخص کو قتل کیا ہے۔ جس کے ہاتھ میں سرداری کا نشان تھا۔ وہ نہر خازر کے قریب کھڑا تھا۔ میں نے اپنی خون آشام تلوار سے اُس کے دو ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ جب وہ اپنے گھوڑے سے گرا ہے تو ہاتھ اُس کے جانب مشرق اور پاؤں جانب مغرب تھے۔ اُس کے کپڑے سفید ہیں۔ اور وہ مشک وعنبر سے بسے ہوئے ہیں۔ اُس شخص کی لاش کو تلاش کر کے جلد لاؤ۔ لوگ دوڑے ہوئے گئے اور ابراہیم بن اُشتر کے بتائے ہوئے نشان پر تلاش کیا۔ اور اُس لاش کو اُٹھا لائے۔ جب غور کیا تو دیکھا کہ واقعی وہ عبید اللہ ابن زیاد کی لاش تھی۔ فوراً اُس کا سر کاٹ کے کوفہ میں مختار ابن عبید کے پاس روانہ کیا گیا۔ اور لاش اُس کی وہیں جلوادی۔

مروی ہے کہ جب ابن زیاد بدنہاد کا سر مختار ابن عبید کے پاس پہنچا تو اُسی دارالامارت میں جہاں جناب امام حسین علیہ السلام کا سر ابن زیاد کے سامنے طشت میں رکھا گیا تھا۔ ابن زیاد کا سر مختار ابن عبید کے سامنے طشت میں رکھا گیا۔ لوگ جوق جوق دیکھنے کے لئے چلے آتے تھے۔ اور مختار کا دربار مومنین سے بھرا ہوا تھا۔ تمام مخلوق قدرت خدا کا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ مختار نے حکم دیا۔ کہ اس ناپاک سر کو نیزہ پر چڑھاؤ اور نہ صرف کوفہ میں بلکہ تمام ملک شام میں اس کی خوب تشہیر کرو۔ اس سر کے ساتھ منادی رہے جو بآواز بلند کہتا جائے۔

یہ اُس کا سر ہے جس نے سبط الرسول الثقلین جناب امام حسین علیہ السلام اور اُن کے فرزندوں کو قتل کروایا۔ یہ اُس کا سر ہے۔ جس نے خدا اور

رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا خوف نہ کیا۔ یہ اُس کا سر ہے جو سرِ امام عالی مقام کی تضحیک کرتا تھا۔ اور اپنے ہاتھ کی چھڑی سے آپ کے لبہائے مُبارک اور دندانِ مقدس کو چھیڑتا تھا۔ یہ اُس کا سر ہے جو سرکش لشکریاں شام کا سردار تھا یہ اُس کا سر ہے جس میں نخوت و غرور کے ناپاک جذبات بھرے ہوئے تھے اور یہ اُس کا سر ہے جو کوفہ کے دارالامارت میں امام بن کر بیٹھا تھا۔ جس نے حضرت مسلمؓ کو چھت سے گرا کر شہید کیا تھا۔ اور جس نے محبانِ اہلِ بیت کے دُرّے لگوائے تھے۔ یہ اُس کا سر ہے۔ جس نے امامِ تشنہ کام کی تکالیف اور حقیقتوں کا خیال نہیں کیا تھا۔ اور دُنیا کی جاہ طلبی میں مصروف ہو کر خدا کو بھول گیا تھا۔

اُسی سر کی آنکھوں نے آلِ عبا کو نفرت اور حقارت کی آنکھوں سے دیکھا ہے اب لوگ اسے لعنت و نفرین کی نگاہوں اور عبرت و نصیحت کی آنکھوں سے دیکھیں"

اس طرح جب ابنِ زیاد کے سر کی تشہیر اچھی طرح ہو چکی تو وہ پھر مختار ابن عبید کے پاس لایا گیا۔ اور جب اُسے لوگوں نے نیزہ سے اُتار کر زمین پر رکھدیا تو یکایک ایک کالا سانپ کسی طرف سے نکلا اور سر ابن زیاد کے پاس پھنکارتا ہوا آیا اور اُس کے نتھنوں میں گھس گیا۔ اسی طرح تین مرتبہ آیا گیا۔ اور پھر لوگوں نے اُسے نہیں دیکھا۔

یہ قتل و خون کا بازار جو حوالیٔ شام و عراق میں شہادت جناب حسین علیہ السّلام کے بعد گرم ہوا بہت جلد سرد نہ ہوسکا بلکہ ایک عرصہ دراز تک عراق و عرب میں خانہ جنگیاں اور خون ریزیاں ہوتی رہیں۔ اور ہزاروں لوگ قتل ہوئے۔

چنانچہ روایت ہے کہ جب مختار ابن عبید اطراف و جوانب کوفہ پر اچھی طرح مسلّط ہو گیا۔ تو اُس کا ارادہ ہوا کہ عبداللہ ابن زبیر سے جنگ کرنا چاہیئے۔ جب ابن زبیر نے اُس کے ارادوں سے اطلاع پائی تو اپنے بھائی مصعب کو مختار کے مقابلہ کیلئے بصرہ سے بھیجا۔ مختار و مصعب میں خوب لڑائی ہوئی۔ مصعب فتح یاب ہوا اور مختار مارا گیا۔ اس کے بعد عبدالملک ۷۱ھ میں مصعب پر حملہ آور ہوا اور فتح یاب ہو کر مصعب بن زبیر اور ابراہیم بن مالک اشتر کو قتل کر ڈالا۔

ابن عمر یسی سے منقول ہے کہ میں نے عبدالملک سے کہا کہ عبدالملک میں نے کوفہ کی اس دارالامادت میں سب سے پہلے جناب امام حسین علیہ السّلام کا سر ابن زیاد کے سامنے رکھا ہوا دیکھا اس کے بعد ابن زیاد کا سر مختار کے سامنے دیکھا۔ پھر مختار کا سر مصعب کے آگے دیکھا اور اب مصعب کا سر تیرے آگے دیکھتا ہوں۔ اور اس مکان سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ عبدالملک ابن عمر یسی کی اس گفتگو سے بہت خائف ہوا۔ اور فوراً اُس دار الامت کو کھدوا کر برابر کر دیا ❊

مختار کی طرح عبدالملک نے بھی عبداللہ بن زبیر سے جنگجوئی کا ارادہ کیا۔ لیکن اُس کی قوم نے کہا کہ مکہ معظمہ میں جدال وقتال منع ہے اور اسی ارادہ کی وجہ سے مختار بن عبید کی حکومت کو زوال آیا ہے۔ اس لئے ہم تجھے سمجھاتے ہیں کہ اس ارادہ سے باز آ ❊

وہ اُس وقت تو خاموش ہو گیا مگر پھر حجاج کی مرضی پا کر اُسے عبداللہ ابن زبیر کے خلاف مع لشکر روانہ کیا۔ حجاج پہلے اپنے وطن طائف میں پہنچا اور وہاں پہونچکر کچھ فوج اور جمع کر لی۔ اور ابن زبیر سے مقابلہ کیا۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر شہید ہو گئے۔ یہ شام و عراق اور حجاز پر مروانیوں نے غلبہ کیا۔ اور حکومت بنی اُمیّہ کے ہاتھ میں آئی۔ جنھوں نے اکیاسی برس تک تمام ممالک پر حکومت کی۔ اس کے بعد اُن کے ہاتھ سے نکل کر اوروں کے پاس پہونچی غرضکہ اُس دن سے آج تک خلافت کعبہ اور نیابت مدینۂ منورہ پر برابر جھگڑے ہوتے چلے آتے ہیں۔ اور عراق عرب میں جو آئے دن فتنہ و فساد بر پا ہوتا رہتا ہے۔ یہ محض انقلاب خلافت و نیابت کی وجہ سے رہتا ہے۔ کاش اگر سبط الرسول جناب امام حسین علیہ السّلام کو خلافت مل جاتی تو یہ جھگڑے بکھیڑے ملک میں اس قدر ارزاں کیوں ہوتے۔ اور بنی ہاشم کے ہاتھ سے کعبہ کی تولیت اور مدینہ منورہ کی نیابت تاقیامت نہ جاتی ❊

یہ صرف نبی زادوں کے خون کا اثر ہے۔ عراق و عرب میں ایک صدی بھی کامل سکون سے نہیں گذرتی اور حجاز میں خون کے دریا بہ جاتے ہیں ❊

عترتِ حسین علیہ السلام

اولاد جناب امام حسین علیہ السلام کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جناب امامؑ کے صرف تین صاحبزادے تھے۔ حضرت علی اکبرؓ، حضرت علی اصغر، حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔ اور حضرت فاطمہ صغریٰ اور سکینہ دو بیٹیاں تھیں۔ ابن جوزیؒ بجائے حضرت زین العابدین کے جعفر کو شمار کرتے ہیں۔ ابن الاخضر نے آپکے چار صاحبزادے لکھے ہیں۔ بعض مورخین نے چھ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں لکھی ہیں۔ مگر اصح یہی ہے کہ آپکے تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ اِن کا نسب نامہ اس طرح مرتب ہوتا ہے۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ	بی بی شہر بانو دختر یزدجرد سے
حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ	لیلےٰ بنت ابی مرۃ بن عروہ بن مسعود ثقفی سے
حضرت علی اصغر رضی اللہ تعالےٰ عنہ	قبیلۂ بنی قضاعہ کی ایک بی بی سے
حضرت فاطمہ صغریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا	ام اسحٰق بنت طلحہ بن عبد اللہ سے
حضرت سکینہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا	اباب بنت امر القیس بن عدیٰ سے

حضرت فاطمہ صغریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا عقد پہلے حضرت حسن مثنےٰ ابن حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہوا اور اُن سے اولاد بھی ہوئی۔ اُن کی وفات کے بعد عبد اللہ ابن عمر ابن عثمان سے نکاح ہوا۔ اور اُن سے بھی اولاد ہوئی ۱۱۰ھ میں آپ نے وفات پائی ؛

حضرت سکینہؓ بنت حسین علیہ السلام حضرت قاسمؓ ابن امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے منسوب تھیں۔ جب حضرت قاسمؓ شہید ہو گئے تو آپ اپنے بھائی حضرت زین العابدینؓ کے ہمراہ مدینہ منورہ تشریف لائیں۔ وہاں سب سے پہلے آپ کا عقد مصعب بن زبیرؓ سے ہوا اور اُن کی وفات کے بعد اور چند بزرگ زادوں سے نوبت بہ نوبت منعقد ہوئیں۔ اور ۱۱۷ھ

میں آپ نے بھی وفات پائی +

اِن کے بعد اولاد جناب امام حسین علیہ السّلام میں حرف زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ایک دختر فاطمہ صغریٰ باقی رہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے اُن کی اولاد میں اِس قدر برکت و وسعت عطا فرمائی کہ آج زمین کے پردے پر کوئی مقام ایسا نہیں ہے۔ جہاں سادات نہ ہوں۔ پس جو لوگ اولاد فاطمہ صغریٰ سے ہیں وہ بواسطہ حسن مثنیٰ بن جناب امام حسن علیہ السّلام سادات حسنیہ ہیں۔ اور جو لوگ حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اولاد سے ہیں وہ سادات حُسینیہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔

شہادت پر ایک نظر

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝

پڑھ سکیں ہم تو ہر اک برگ ہے تاریخ چمن
لکھنے والے نے کوئی بات اُٹھا رکھی ہے

جناب امام عالی مقام علیہ السّلام کی شہادت پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو اس میں بے شمار اسرار چھپے ہوئے نظر آئینگے۔ جناب امام علیہ السّلام کی شہادت حرف اس لئے اہم اور عجیب و غریب نہیں ہے کہ وہ نبی کے نواسے تھے۔ یا علیؓ کے بیٹے تھے۔ یا خاندان نبوت سے اُنہیں تعلق تھا۔ بلکہ اُنہیں اگر حرف ایک مسلمان کی حیثیت سے مان لیا جائے تو بھی اُن کی شہادت عدیم النظیر اور اکثر الآثار ثابت ہوئی ہے۔ آپ جناب امامؑ کی زندگی کے تمام واقعات اور اُن کی شہادت کے مفصل حالات اس کتاب میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اور ہر واقعہ بلا مبالغہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔ اب آپ اُس پر غور فرمائیں اور سوچیں کہ اِس شہادت میں اور ایسی شہادت میں کیا کیا اسرار پوشیدہ ہیں +

واقعات کو بہ امعانِ نظر مطالعہ کرنے سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ جناب

امام علیہ السّلام نے خلافت حاصل کرنے کی خواہش کبھی نہیں کی۔ اگر وہ حصولِ خلافت کی کوشش کرتے تو مکّے اور مدینے والے اُن کے ساتھ تھے۔ جیسے کہ طرح بن عدی نے آپ سے درخواست کی تھی کہ اگر آپ کو آجا پر تشریف لے چلیں تو قبیلہ طے کے دس ہزار آدمی آپ کے ساتھ لڑنے مرنے کے لئے تیار ہیں۔ اسی طرح مکہ معظمہ میں رہنے والے اصحاب رسولؐ کب گوارا کر سکتے تھے کہ نبی زادے کی موجودگی میں اولادِ ابی سفیان ممتاز ہو اور تختِ خلافت پر بیٹھے۔ مگر آپ نے کبھی خلافت کی طرف توجہ نہ کی۔

آپ جانتے تھے کہ دشمن کی فوج کثیر ہے اُس کے سامنے اپنے مُٹھی بھر آدمیوں کو لے جا کر پامال کرنا ہے۔ اگر آپ چاہتے تو حضرت مسلمؑ بن عقیل کی خبر شہادت سُن کر راستے سے واپس آجاتے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔

آپ چاہتے تو یزید کی بیعت مصلحتاً کر لیتے بعدہٗ پھر مدینۃ الرسولؐ میں واپس آکر ایک اچھی جمعیت کے ساتھ پولیٹیکل مشکلات کا مقابلہ فرماتے۔ لیکن آپ کو یہ بھی منظور نہ ہُوا۔

اِن تمام باتوں سے انکار کر دینے اور منہ پھیر لینے کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ جناب امام حسین علیہ السّلام اپنی جان سے بیزار تھے۔ اور اپنے عزیزوں کو خواہ مخواہ برباد کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ اس میں راز صرف اتنا ہے کہ آپ نے صداقت کے سامنے خوشامد اور حق پوشی کو ترجیح نہ دی حکومت کے سامنے آپ نے سر نہیں جھکایا۔ دُنیا کی جاہ منزلت کو آپ نے اپنے خیال میں جگہ نہیں دی۔ خلافت کے مناصب جلیلہ کو ہوا خواہوں سے بچانے کی کوشش کی اور اخیر وقت تک حق کے طرفدار رہے۔ آپ نے کئی مرتبہ اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ تم لوگ سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ تم سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ لیکن وہ اپنی خوشی سے میدانِ کربلا میں آپ کی اعانت کرتے رہے۔ آپ نے وقتِ شہادت تک یزید علیہ ما علیہ کی اطاعت سے انکار کیا جو صرف اس لئے کہ وہ شریعتِ اسلام کے خلاف کام کرتا تھا۔ اور اپنی اس ہٹ پر اُن کے استقلال نے ہمیشہ قائم رکھا۔

بے شک جو واقعات کربلا میں فرزندانِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گذرے ہیں اور جس بیکسی و لاچاری کی حالت میں قوم نے اُنہیں شہید کیا ہے۔ وہ دلوں میں طوفانِ غم و درد اُٹھانے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن ہمیں بطور رسم و رواج صرف ماتمِ امام میں آنسو بہانے ہی کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ زیادہ ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ ہم اُسوۂ حسینی ؑ کو اپنے لئے نمونہ بنائیں۔ اپنی مصیبتوں میں اُن کی مصیبتوں سے صبر کرنا سیکھیں، اپنی بے بضاعتی میں اُن کی بے سر و سامانی کا خیال کریں۔ اپنی غربت میں اُن کی مسکینی کے خیال سے اطمینان کو جگہ دیں۔ اور توکل اخلاص، استقلال و استقامت کے اسباق اُن کی کتابِ زندگی میں مطالعہ کریں۔ یہ شہادت تسلیم و رضا، حلم و قناعت، بے طمعی و بے غرضی، ہمدردی و محبت، ثابت قدمی، راسخ الایمانی، راست بازی، وفاداری و اُستواری، حق شناسی، فرائض کی پابندی، حمیت اسلامی، دلیری، شجاعت، ضبط، انکسار، اور بلاغ مبین کا ایک اخلاقی آئینہ ہے۔ جس کی تجلیاں ہمارے تمدن و معاشرت کے تمام شعبوں میں چمک پیدا کر سکتی ہیں۔ ہمیں اہل بیت اطہار سے محبت و سرشاری کی تعلیم لینا چاہیے۔ کہ باوجود سخت آفتوں اور مصیبتوں کے یقین ہونے کے اُنہوں نے جناب امام علیہ السّلام کا ساتھ دیا۔ اور اُنہیں استقلال و ثابت قدمی میں مدد دی۔ ہمیں اُن کے فرزندوں اور دلبندوں سے یہ سبق سیکھنا چاہیئے۔ کہ جب وقت پڑا تو اُنہوں نے پہلے اپنی جانیں آقائے خاندان پر نثار کر دیں اور خود غرضی سے جانیں چُھپا کر اِدھر اُدھر نہیں چلے گئے۔ بلکہ آخر وقت تک جناب امام علیہ السّلام کا ساتھ دیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ شہادت جناب امام علیہ السّلام کی یاد ہر سال پوری مصروفیت اور کامل اعتقاد کے ساتھ زندہ کی جاتی ہے۔ لیکن اُن کے کارناموں پر کبھی برسوں میں ایک دفعہ بھی نظر نہیں ڈالی جاتی۔ اِس واقعہ سے ہم سینکڑوں اخلاق اور روحانی نمونے منتخب کر کے اپنے لئے مقرر کر سکتے ہیں۔ اور اُن کی تقلید کر کے دنیا میں اسلام کی سچی محبت اور خلوص کو تازہ کر سکتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمان اس طرف بہت کم

متوجہ ہیں۔ ہمارے علما کو چاہیئے کہ وہ اپنے مواعظ میں جہاں واقعات شہادت بیان کریں وہاں لوگوں کو اسوہ حسینی پر چلنے کی بھی تاکید کریں۔ کہ محض سینہ کوبی اور اشک شوئی ہمارے گناہوں کا کفارہ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اگر ہمارے اعمال حسن اصلاح سے مہذب ہو جائیں تو بے شک ہم دُنیا میں عزیز اور عاقبت میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔

آخر میں ہم جناب امام عالی مقام حضرت سید الشہدا الحسین علیہ السلام اور اُن کے تمام اہل بیت اطہار اور اعوان و انصار پر جو کربلا میں شہید ہوئے یا کہیں اور عروس شہادت سے ہم آغوش ہوئے رحمتوں اور برکتوں کے پھول برساتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں۔ کہ خدا قیامت کے دن اُنہیں کے ساتھ ہمیں اُٹھائے۔ اِن کی مظلومی و خدا ترسی ہمیں بھی غضب آلہی سے بچنے کے لئے سہارا دے۔

جناب امام علیہ السلام کے تمام دشمن جنہوں نے آپ کو اور آپ کے فرزندوں اور اعوان و انصار کو شہید کیا قیامت کے دن اپنی ناخدا ترسیوں کی سزا پائیں ہم اُنہیں کوئی اور بددعا نہیں دے سکتے۔ اِس لئے کہ یہ اسوہ حسینی کے خلاف ہے۔ جب آپ نے ایسی ایسی مصیبتوں میں اپنی زبان سے بددعا نہ نکالی۔ تو ہم اپنی زبان سے کیا کہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ شُھَدَاءِ الدُّنْیَا وَنَوِّرْ مَرْقَدِ سَیِّدِنَا اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ الْحُسَیْنِ وَمَنْ قُتِلَ بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْصَارِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ وَاحْشُرْنَا مَعَھُمْ فِیْ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَاَدْخِلْنَا مَعَھُمْ فِی الْفِرْدَوْسِ النَّعِیْمِ۔ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

تَمَّتْ بِالْخَیْر

حرم شریف مدینہ منوّرہ کا سطحی خاکہ

یہ نقشہ ایڈیٹر صاحب صوفی اپنے گذشتہ حج میں مدینہ منورہ سے ہمراہ لائے تھے۔ یہ ایک ترک انجنیر نے موقع کی پیمائش کر کے پیمانہ سے بنایا ہے۔ نہایت عمدہ متبرک اور عجیب چیز ہے۔ مسجد نبویؐ میں جہاں جہاں ستون ہیں نقشے میں وہاں ایک چھوٹا سا دائرہ بنا دیا ہے۔ حضرت سرور کائناتؐ کے عہد مبارک میں مسجد کی جس قدر حد تھی۔ اس کو سبز رنگ دیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمان بن عفانؓ اور خلفائے نے اپنے عہد میں جس قدر ایزادیاں کی ہیں سب علیحدہ علیحدہ رنگ سے دکھلائی گئی ہیں۔ ریاض جنّت کا ٹکڑا جس کے ستون کا رنگ موقع پر تمیز کے لئے زرد رنگ ہے۔ نقشہ میں بھی ستونوں پر یہی رنگ دیا گیا ہے۔ باب الرحمۃ۔ باب السلام۔ باب النسأ باب جبریل۔ باب المجیدی وغیرہ سب عین مطابق موقع پیمانے سے بنائے گئے ہیں روضہ شریف جناب رسول مقبول صلعم اور حضرت ابا بکر صدیقؓ حضرت عمر خطابؓ کی اصلی جگہ موقع پر ظاہر کر دی گئی ہے۔ سٹور (مخزن) اور کتب کے کمرے۔ بستان فاطمۃ الزہراؓ۔ بیر فاطمہؓ اور دیگر ضروری مقامات بھی دکھائے گئے ہیں۔ منبر محراب النبی صلعم۔ محراب عثمانؓ۔ جائے تکبیر سب دکھائے گئے ہیں۔ یہ نقشہ پانچ رنگوں میں تیار کرایا گیا ہے۔ معہ رول و کپڑا روغنی نقشہ کی قیمت صرف عہ ہے جو ان خوبیوں کے مقابلہ میں کچھ بھی قیمت نہیں ۔

ہندوستان میں عرفان کی پہلی تجلّی

حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں بہترین کتاب۔ قیمت چھ آنے ۶ر

ملنے کا پتہ:- منیجر دفتر رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات

حرم شریف مکہ معظمہ کا سطحی خاکہ

عرصہ دو سال سے اس نقشہ کا کارخانہ سے اشتہار شائع ہو رہا ہے مگر نقشہ اب تک تیار نہ ہو سکا۔ تین چار دفعہ نقشہ نویسوں کے نقشے ناپسند کئے گئے۔ بعض دفعہ وہ پیمانہ سے مطابق موقع نہ تیار کئے جا سکے اس لئے ردّی کر دیئے گئے۔ اب باوجود رنگوں کی قحط اور مصالح نہ ملنے کے یہ نقشہ بڑی محنت سے تیار کر کے چھپوایا گیا ہے۔ جس میں بیت اللہ شریف کا ارتفاعی نقشہ۔ حجراسود کا عکس۔ حجراسود کے پہلو کا نظارہ۔ خانہ کعبہ۔ اس کے تمام دروازے۔ منارے قبۃ الفراشین۔ رکن شامی۔ رکن عراقی۔ ریان۔ منان۔ حنان۔ قلزم۔ منبر مقام ابراہیم۔ چاروں مصلے۔ چاہ زمزم۔ مقام جبریل۔ میزاب رحمت۔ حطیم۔ مطاف۔ غرض تمام ضروری مقامات حرم بیت اللہ شریف کے بڑی وضاحت سے مطابق موقع پیمانہ سے پیمائش کر کے دکھلائے گئے ہیں۔ دنیا میں خانہ کعبہ کے متعلق ایسا نقشہ آج تک کسی نے نہیں چھاپا۔ رنگین روغنی معہ پارچہ و رول قیمت فی عدد صرف عہ/ علاوہ محصول ڈاک

شمس تبریز مولینا روم علیہ الرحمۃ کے مرشد حضرت خواجہ شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و خوارق عادات میں کتاب اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے۔ قیمت چھ آنے ۶/

یادرفتگان پنجاب کے عموماً اور لاہور کے خصوصاً اولیائے کرام کے حالات تیسری دفعہ حال میں طبع ہوئی ہے۔ قیمت ۱۲/

جذبات اوج حافظ محمد یعقوب صاحب اوجؔ گیاوی کے نعتیہ کلام کا مجموعہ قیمت ۸/

ملنے کا پتہ:- مینیجر دفتر رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات

سیرت بلالؓ

حضرت بلالؓ کے نام سے کون مسلمان واقف نہیں۔ آپ رسول خدا صلعم کے
عاشق زار اور اسلام کے جان نثار تھے۔ افسوس ہے۔ کہ آپکیؓ حیات مقدس کے
متعلق اُردو زبان میں ابتک کوئی کتاب نہیں چھپی۔ زمیندار مرحوم کے لائق سب ایڈیٹر
مولانا مولوی وجاہت حسین صاحب صدیقی جھجانوی کے نام سے اُردو دان
پبلک کو تعارف کرانیکی حاجت نہیں مسلمانوں کا بچہ بچہ زمیندار اور اُسکے قابل
سٹاف کے علمی و ادبی قابلیتوں کا مداح ہے یہ کتاب مولوی صاحب موصوف کی
کئی ماہ کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ زمیندار کے بند ہونے کے بعد مولویصاحب نے
اپنے وقت گرانمایہ کو اس کتاب کی تدوین و تالیف میں بسر کیا۔ اور حق یہ ہے۔ کہ آپنے
واقعی کتاب لکھنے میں کمال کر دیا۔ اور ڈاکٹر اقبال۔ حضرت سیماب وارثی اکبر آبادی
مولانا شبلی نعمانی کی نظموں نے جو حضرت بلال کے متعلق
لکھی گئی ہیں۔ اور خواجہ حسن نظامی صاحب کے ایک معرکہ کے مضمون نے کتاب کی شان کو
بڑھا دیا ہے۔ کتاب کی شان کے مطابق اس کو ولائتی کاغذ پر چھپوایا گیا ہے
شروع میں مزار حضرت بلال کا فوٹو ہے۔ کتاب میں شہر دمشق کی گلیوں کوچوں
اور زیارات قابل دید کا سطحی نقشہ بھی لگا دیا گیا ہے۔ جس میں مزار حضرت بلالؓ کا
مقام خاص وضاحت سے دکھلایا گیا ہے۔ کتاب باوجود ان خوبیوں کے قیمت
بلا جلد ایک روپیہ چار آنے (عہ) اور مجلد عہ ہے ؛

ملنے کا پتہ: منیجر رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات